وحشی ہی نہیں انسان بھی ہیں

از

عبد الغفار مدھولی استاد جامعہ ملیہ
جامعہ نگر۔ دہلی

ملنے کا پتہ
"سنٹرل بکڈپو، ادبی مرکز
اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی

قیمت ۷

ناشر۔ مکتبہ جامعہ۔ دہلی
مطبوعہ۔ دیال پریس۔ دہلی
قیمت۔ تین

فہرست

انتساب

ان سکھوں، مسلمانوں اور ہندوؤں کے نام
جو اس حیوانیت کے دور میں اپنی انسانیت کو
نہیں بھولے۔ جنھوں نے بغیر کسی فرق کے ہر مذہب و
ملت کے لوگوں کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت
کی، ان کی دستگیری اور خدمت کی، اب بھی کر
رہے ہیں اور ہمیشہ کرتے رہیں گے۔

عبدالغفار مدھولی
فروری ۱۹۴۸ء

بسم اللہ

جامعہ نگر، دہلی

۷/ ستمبر ۱۹۴۷ء – اتوار

محبی – السلام علیکم

میں آپ کو خط لکھنے بیٹھا تھا کہ اتنے میں خبر ملی کہ آشرم کی طرف سے حملہ آور چلے آرہے ہیں – میں اس وقت بنیادی مدرسے میں تھا – آناً فاناً گاؤں کے ہندو مسلمان سب مل کر بے ہتھیار لئے سڑک کے اس حصے کی طرف جمع ہوگئے جہاں سے نہر کی طرف پیدل راستہ جاتا ہے – ادھر جامعہ میں کوٹلے کچھ کود ام کے پاس جامعہ کے لائسنس والے لوگ بندوقیں لے کر کھڑے ہوگئے – دوسری خبر آئی کہ آشرم پر جامعہ کی طرف آنے والی بس روک کر ڈرائیور کے ایک پتھر مارا ہے، معاملہ اس سے زیادہ نہیں ہے – اس پر لوگ منتشر ہوگئے –

خیال تھا کہ دہلی میں معاملہ اس سے آگے نہیں بڑھے گا جیسا آپ جانتے ہیں – مگر پہلے تو سبزی منڈی میں معمولی واقعات ہوئے معاملہ رفع دفع ہوا – پھر قرولباغ میں ابتداء ہوئی، ریگرپورہ کے قریب مسلمانوں کے جو چند گھر (جس میں ہمارے بشیر صاحب اور برکت علی فراق صاحب رہتے تھے) ہیں ان پر حملہ ہوا – پولیس نے

عورتوں اور بچوں کو اپنی حفاظت میں نکال لیا لیکن بشیر صاحب اور فراق صاحب اب تک لا پتہ ہیں۔ قرولباغ کی وہ گلیاں جہاں مسلمان کم کم تھے ان میں وہاں آگ لگا دی گئی۔ ہمارے ساتھی گھربار چھوڑ کر جہاں سمجھ میں آیا چلے گئے لیکن یہ سنا ہے کہ شیخ مفتاح الدین صاحب اور ان کا پورا خاندان بری طرح ختم کر دیا گیا ہے (انا للہ و انا الیہ راجعون)، مکتبہ کو آگ لگا دی اور کتب خانے کو آگ لگا رہے تھے کہ مالک مکان نے کہا "میرا نقصان ہو جائے گا، رحم کرو"۔ اس پر کچھ کتابیں باہر نکال کر آگ لگا دی۔ آج تو یہ کرفیو ٹوٹی دہلی میں بھی پھیل گئی ہے، کناٹ سرکس میں دکانوں کو لوٹا جا رہا ہے۔ سید بن صاحب کے بھائی اظہر عباس صاحب کا مکان بھی لٹ گیا ہے، انہوں نے مولانا ابوالکلام کے ہاں پناہ لی ہے۔ رات میں رندھاوا صاحب (ڈپٹی کمشنر) آئے اور کہنے لگے "ڈاکٹر صاحب، افسوس ہے کہ مکتبہ کو نہ بچا سکا، اگر اور پہلے سے اطلاع ملتی تو میں تمام کتابیں اپنی نگرانی میں جامعہ نگر بھجوا دیتا، مگر اتنا اطمینان ہے کہ قرولباغ کے بہت سے مسلمان گھرانوں کو آج بچا لیا ہے۔

ماسٹر برکت علی صاحب اور عبد الحئی صاحب کل مولانا ابوالکلام اور مسٹر آصف علی کے ہاں گئے تھے۔ دونوں کو صورت حال بتلائی۔ وہاں وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا، لوگ پریشان تھے، مولانا نے ان پر

لوگوں کی آواز حکام متعلقہ تک پہنچا رہے تھے ۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا ۔ ہمارے دونوں استاد اطلاع دے کر جامعہ نگر لوٹ آئے ۔ رات میں پنڈت جواہر لال نہرو کو اطلاع ملی ۔ بیچارے بیمار تھے ۔ مسلسل دوروں کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے مگر رات کے گیارہ بجے آصف علی صاحب کے ہمراہ جامعہ نگر آئے ۔ ہم سب لوگ ایک جگہ جمع تھے ، بڑی دیر تک ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتے رہے پھر ہماری لائسنس والی مسلح جماعت کو دیکھا ۔ اتنے میں نظام الدین کے تھانے دار بس میں آگئے ، جواہر لال نے آس پاس کی کیفیت پوچھی ۔ تھانیدار نے کہا کہ واقعات ہو رہے ہیں ۔ پنڈت جی سوچ میں پڑ گئے ۔ میں نے کہا کہ اوکھلے میں صرف ایک سپاہی ہے ، کچھ اور انتظام ہو جائے تو اطمینان رہے گا ۔ جواہر لال نے ہم لوگوں سے کہا " آپ لوگ اطمینان رکھئے ، کل انتظام ہو جائے گا " ۔ رندھاوا صاحب نے اسی رات یہ انتظام کر دیا تھا کہ بندوق والے دو سپاہی ہمارے یہاں چھوڑ دیئے تھے ۔ حسین صاحب آپ اطمینان رکھئے ، ان دونوں ہم لوگ اصابی جنگ کی وجہ سے پریشان تھے مگر جب رات کے وقت اچانک جواہر لال ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ وہ کمزور اور نڈھال ہو گئے تھے ، ان کے ساتھ ایک آصف علی صاحب اور دوسرے

غالباً سکریٹری تھے ۔ ہم لوگ پریشان تھے مگر جواہر لال کے چہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ "عزم" کا مجسمہ ہیں، تو ہم لوگوں میں بھی ہمت آئی ۔ آج سے چند دن پہلے مولانا ابوالکلام کے ہاں عید کی پارٹی میں میں نے جواہر لال کو دیکھا تھا ۔ معلوم ہوتا تھا کہ جوانی عود کر آئی ہے، تندرست ہیں، چہرے پر بشاشت اور تازگی اپنا رنگ دکھا رہی ہے مگر آج ہند وسلمانوں کی لاشیں دیکھکر یہ دونوں چیزیں تو کہیں غائب ہوگئی ہیں لیکن "عزم" اور "خدمت" کا جذبہ ان ہڈیوں کے ڈھانچے میں اور زیادہ نمایاں ہوگیا تھا ۔ خدا ان کا سایہ تمام ملک والوں کے لئے قائم رکھے کہ اب سب لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف ہیں اور یہ سب لوگوں کو امید کا چراغ معلوم دے رہے ہیں ۔

ابھی ابھی میں نے ذاکر صاحب سے ذکر کیا تھا کہ آپ سرینگر میں ہیں ۔ ذاکر صاحب نے تاکیداً اور سختی سے فرمایا کہ آپ ہرگز یہاں نہ آئیں اور اس وقت تک نہ آئیں جب تک میں آپ کو آنے کے لئے نہ لکھوں، ویسے جامعہ کا سیشن بھی یکم اکتوبر تک بڑھا دیا گیا ہے ۔

میں نے پہلے بھی آپ کا صحت نامہ ملتے ہی ہوائی ڈاک کے ذریعے آپ کے پاس اس سے پہلی کیفیت لکھ دی تھی ۔ جامعہ نگر میں تین دن سے ڈاک نہیں آئی ہے، شہر کے بارے میں مختلف خبریں

ہیں۔ سنا ہے کہ وہ مسلمان جو ہندو اکثریت والے علاقوں میں رہتے ہیں اپنے مکان خالی کرکے جہاں جی چاہے بھی سمجھ میں آرہا ہے جارہے ہیں۔ اگر میرا خط آپ کو دیر میں ملتا رہے تو آپ فکر نہ کیجئے ہم لوگ اب مطمئن ہوگئے ہیں، وقت اچھا گزر رہا ہے۔

یہ خط آج ۱۷/ستمبر کو دوپہر کے وقت لکھا تھا۔ تین دن سے ڈاک اب تک نہیں آئی، نہ یہاں سے جانے کی کوئی صورت ہے،

اب تو یہی ہوسکتا ہے کہ روزانہ کے واقعات قلمبند کرتا جاؤں اس امید پر کہ موقع ملنے پر بھجواؤں۔ مولانا نے احمد نگر کے قلعے میں "غبار خاطر" کے خطوط اسی طرح تو لکھے تھے۔

مغرب کی نماز کے وقت شمال کی طرف سے مشین گنوں کے چلنے کی آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ نئی دہلی اور نظام الدین کے درمیان گرانڈ ٹرنک اکسپرس کو لوٹا گیا ہے۔ فوج جب پہنچی تو حملہ آور اپنا کام کرکے جارہے تھے۔ فوج کے آنے سے بس اتنا ہوا کہ ان کے بھاگنے کی رفتار تیز ہوگئی ہے اور یہ لوگ شاہدرہ کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ یہ گروہ ہمارے لئے خطرے کا باعث بن گیا ہے۔

۱۸/ستمبر۔ پیر

آج اطراف واکناف سے وحشت ناک خبریں آرہی ہیں۔ سنا ہے کہ مہرولی کو حملہ آوروں نے گھیر لیا ہے اور آگ لگادی ہے، فوج

وہاں پہنچ گئی ہے ۔ اگر حملہ آور بھاگتے میں کامیاب ہو گئے تو ممکن ہے کسی وقت یا کسی دن ان کا رخ چراغ دہلی کے راستے سے اس طرف ہو۔ یہ دوسرا گروہ بھی ہمارے لئے خطرے کا باعث بن گیا ہے ۔

قرولباغ سے خبر ملی کہ شفیق صاحب بچ گئے ہیں اور نورالرحمان صاحب کو بچا لیا گیا ہے ۔ ریڈیو نے بھی خبر دی ہے کہ قرولباغ اور پہاڑگنج سے مسلمانوں کو نکال لیا گیا ہے ۔ ہائنس ... پر غلط فہمی سے گولی چلی تھی لیکن وہ بچ گئے ۔ سبزی منڈی اور پہاڑگنج میں بہت زیادہ گڑبڑ رہی ۔ پہاڑگنج کے دورے میں جواہر لال نے ایک خاندان کو مصیبت سے بچایا اور اپنی موٹر میں بٹھا کر محفوظ جگہ پہنچایا

تین دن کی کوششوں سے ہماری آواز پنڈت نہرو اور مسٹر آصف علی مولانا آزاد ، ڈپٹی کمشنر اور چیف کمشنر تک پہنچ گئی ہے ۔ ان میں سے اول الذکر تین اصحاب یہاں چکر بھی لگا گئے ہیں ۔ تینوں میں سے ہر ایک یہ سمجھ رہا ہے کہ انتظام ہو گیا ہوگا ۔ ہمارے پاس اب تک صرف دو سپاہی ہیں اور تقریباً ایک درجن اور پنڈ وقوں سے مسلح ہیں ۔ کیلاٹ صاحب کی مستعدی بدستور اپنا کام کر رہی ہے عبدالحئی صاحب نے ان کے لئے چائے کا انتظام کر دیا ہے ۔

میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ دو گروہ ہمارے لئے خطرے کا باعث بن

گئے هیں۔ مغرب کے بعد دریا پار شاهدره اور جامعه نگر کے
درمیان گولیاں چلنے کی آواز ابهر آرهی هے ۔ مجهے شبه کیا یقین
هو چلا هے که یه وهی گروه هے جس نے کل گاڑی لوٹی تهی ۔ ایسا تو
نهیں که یه دریا پار کرکے اس طرف آجائیں ۔ (آج کل پانی کی کمی
کی وجه سے یه ممکن هے)

هماری طاقت آپ اور بڑهه چکے هیں ۔ یه کیا ۔ اوکهلے کا کانسٹبل
گهوڑا دوڑائے چلا آرها هے ۔ لیجئے اس نے بهی اعلان کردیا که دریا
کے اس پار برگد کے درخت کے پاس حمله آور جمع هونا شروع هوگئے
هیں ۔ یه وهی درخت هے جهاں هم لوگ سیر کے لئے جایا کرتے تهے
اب کیا هوگا ۔ مجهے یقین هے که جو بلوے کے زمانے میں میں موقع پر
جس طرح خدا نے هماری پریشانی کو دور کیا تها وهی هماری مدد کرے
گا ۔ لیجئے همارے فون والوں نے اطلاع دی که فوجی هیڈ کوارٹر کا
کهنا هے که کوئی خطره هو تو ریلوے اسٹیشن اوکهلا پر اطلاع بهجوا
دیں ۔ امداد آجائے گی ۔ یه خوب هوا ۔ هماری موٹر تیزی سے اسٹیشن
کی طرف جارهی هے . . . . لیجئے فوج بهی آگئی اور کس شان سے
هندوستان کی فوج کے افسر اس کے ساتهه هیں ۔ میجر جنرل کریاپا ۔
کپتان موس جواهر لال کے [illegible] مسٹر [illegible] . . . مگر ایک خطره
میرے ذهن میں آگیا هے ۔ همارے مسلح [illegible] آدمی سڑک کے قریب

میں بہ نئے فوجی انھی کو عوام کالشہر اگروہ سمجھ کر گولی نہ چلا
دیں۔ ذاکر صاحب اس بات کا اشارہ پاتے ہی میجر جنرل کریاپا
کی موٹر میں کود گئے تاکہ فوج سے ہمارے ان مسلح آدمیوں کا تعارف
کرادیں۔ اب میری جان میں جان آئی ، دیکھئے کہاں تو ہم دو نے
ہمارے پاس صرف دو سپاہی تھے ، کہاں ہمیں وقت پر فوج پہنچ گئی
اور وہ بھی ہندوستان کے سب سے بڑے میجر کریاپا کی کمان میں ،
مدراس رجمنٹ کے سپاہی اور گورکھا سپاہی بھیجے ہیں ، بڑے
مستعد ، غریب ابھی ابھی اوکھلا کے اسٹیشن پر لمبے سفر سے اترے
تھے ۔ جوبلی کے وقت بھی یکایک ایسے ہی سامان پیدا ہوگئے تھے
نا .... میں نے عبد الحئی صاحب سے کہا " اب تو جائیے
پلائیے " ۔ غریب کے گھر سے (پھاٹک حبش خان سے) چار دن سے
کوئی اطلاع نہیں آئی

۹/ ستمبر ۔ منگل

صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ حملہ آوروں نے دریا پار کرنے کی کوشش
نہیں کی اس لئے کہ کشتوں تلیانی تھا جس میں سب مارے جاتے ۔
البتہ اس طرف کے بچے کھچے لوگ جامعہ نگر چلے آرہے تھے ...
کچھ تو لڑ کر گئے کام آئے البتہ عورتیں ، بچے اور بوڑھے اور وہ لوگ جو
ان کا ساتھ دے رہے تھے چلے آئے ۔ واقعہ کی تفصیل اس طرح

ہے کہ جامعہ نگر سے تقریباً چھ سات میل دور جھیل کرنجہ اور
خرہجی نامی دو گاؤں ہیں۔ مغرب کے بعد انہیں لوٹا، [illegible]
اور دیہات بھگاتے لائے۔ یہ بڑی دکھ بھری کہانیاں سناتے ہو
ہیں جیسی مغربی پنجاب والے۔ مغربی پنجاب کا معاملہ تو چل
ہی رہا تھا کہ رات ریڈیو پر خبر آئی کہ کراچی میں فساد ہو گیا
ہے۔ گویا ایک دارالسلطنت کا جواب دوسرے دارالسلطنت میں
دیا جا رہا ہے، اسی کو کہتے ہیں وحشت [illegible] در وحشت۔ رات
ریڈیو پر جواہر لال نے خوب کہا "یہ اچھا اصول تول ہے جس میں
سبھوں کا نقصان ہے فائدہ کسی کا نہیں" ۔ اب مجھے لوگوں کے
ذہنوں کی کیفیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کے ہندو یہ
سمجھ رہے ہیں کہ وہ تو محفوظ ہیں صرف پاکستان کے ہندوؤں
کا نقصان ہے۔ پاکستان والے اطمینان کا سانس لے رہے ہیں کہ
انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے، بس صرف ہندوستان کے مسلمانوں
کا نقصان ہے۔ یہ خوب نفع نقصان ہے۔ میں نے کتنی دفعہ یہ
اتھیوں کو سمجھائی کہ دونوں کو مشترکہ بن جانے پر آگے چل کر
شیت ایسی ہی ہو جائے گی جیسی ترکی، ایران وغیرہ
انہا ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کا خیال [illegible]
ریڈیو پر اعلان ہوا ہے کہ پاکستان

حکومت نے دہلی کے پناہ گزینوں کے لئے پچیس ہوائی جہاز بھیجے ہیں مگر دس برس بعد سب کا رویہ ایسا ہی ہوگا جیسے ترکی اور ایران کا کہ کسی پر کوئی مصیبت آئے تو ہمدردی کا اظہار کردیا۔ نئی نسل یہ بھی کہے گی کہ جو غلطی ہمارے باپ دادا نے کی ہے اب ہم نہیں کریں گے، ہم اپنے ملک کے باشندوں سے تعلقات کیوں خراب کریں۔ مگر چھوڑیئے یہ تو بیتا ہوا ماضی ہے، پھر اسے آپ کو سنانے کی کیا ضرورت ہے۔ اب تو ہمارے سامنے ان سینکڑوں پناہ گزینوں کا مسئلہ ہے جو جامعہ نگر میں آگئے ہیں۔ پہلے ان عمارتوں میں ہنستے بولتے خوش و خرم بچوں کے چہرے نظر آتے تھے (شکر ہے کہ گرمیوں کی چھٹیوں کی وجہ سے یہ اپنے گھروں پر ہیں) اب ان کی جگہ گھبرائے ہوئے اور مایوس چہرے نظر آتے ہیں۔ پچھلا کیا ہوا تو ختم ہوا، آئندہ کی کمائی کا ٹھیک نہیں، اب کیا ہوگا۔ جو یہ تو خدا جانے، ہم جو کچھ کرسکتے ہیں کر رہے ہیں، ان کو اپنے راشن میں سے کھلا رہے ہیں مگر کب تک ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارے آدمی ان کے لئے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچا رہے ہیں۔ صدیقی صاحب رزاق صاحب عتیق صاحب اور آپ یہاں نہیں ہیں ورنہ بڑی مدد ملتی۔ اختر حمید صاحب اور برکت علی صاحب نے ان کا انتظام اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ یہ مصیبت دیکھئے کہ یہ لوگ زخمی بھی

ہوں مگر چھٹیاں ہونے کی وجہ سے ہمارے ڈاکٹر سید محمود صاحب اور جلیل اللہ صاحب کیا وئڈر ہا ہو رہیں۔ اختر حسن صاحب کہاں تک سرہم پیش کریں گے۔ ان کے پاس تو ہومیو پیتھک کی سند ہے میں نے راشد عبدالحئی صاحب سے کہا کہ راستے تو سب بند ہیں جو جیزیں کم پڑ جائیں گی کہاں سے لائی جائیں گی۔ کہنے لگے جوبلی کے زمانے کو یاد کیجئے، میں نے دل میں کہا وہ تہواروں کا جشن تھا مگر آج تو ہمیں محصور ہوئے پانچواں دن ہے،

یہ اوراق پڑھتے وقت شاید آپ کو یہ اطمینان ہوگا کہ جامعہ نگر میں امن آچکی ہے، اس لئے اب یہاں جو بھی واقعات ہو رہے ہیں جامعہ ان سے محفوظ ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے۔ اہلِ بستی کو صرف یہ ہدایت ملی ہے کہ وہ دہلی سے اوکھلا تک گشت لگاتا رہے۔ جو دستہ کل یہاں متعین کیا گیا تھا اسے آج چلا جانا چاہئے تھا مگر ہم نے یہ کہکر کہ ہم مستقل دستے کا انتظام کر رہے ہیں اُن کو ٹھہرا لیا ہے۔ ادھر شہر کی حالت سنئے، راشن کے انتظام میں گڑبڑ ہوجانے کی وجہ سے لوگ تقریباً دو دنوں سے فاقہ کر رہے ہیں، فسادات کا زور ہے، مجسٹریٹ نے ہر قسم کے ہتھیاروں پر پابندی لگادی ہے۔ امید کی ایک جھلک یہ دکھائی دیتی ہے کہ رحمت کا فرشتہ یعنی گاندھی جی دہلی پہنچ گئے

ہین۔ وہی گاندھی جی جنھوں نے امن و امان کے لئے کلکتہ میں جان کی بازی لگادی تھی۔ وہ لوگوں سے مشورہ کر رہے ہیں۔ جنرل مسٹر سہروردی کے لفظوں میں "مہاتماجی ہی واحد انسان ہیں جنھوں نے دہوائی دنیا میں سمجھ بوجھ پیدا کی، وہ بے رحمی بے انصافی کے خلاف مسلمانوں کے حقوق کے لئے لڑتے رہتے ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو امید بندھائی ہے اور ان کے حوصلے بلند کئے ہیں، مسلمان چونکہ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت ہیں وہ اس حیثیت سے مہاتماگاندھی کے خاص طور سے ممنون ہیں، ہم ان پر صحیح رہنمائی کے لئے بھروسہ کر سکتے ہیں"۔

کل کا یہ روزنامچہ آج دس ستمبر کو لکھ رہا ہوں۔ ڈاکٹر ذاکر صاحب کل شام گاندھی جی سے ملنے گئے تھے۔ رات تک تو نہیں آئے تھے۔ میں اس وقت پنچ ہزاری میں بیٹھا لکھ رہا ہوں۔ دن کے گیارہ

بچ گئے ہیں اب مجھے مرکز جانا چاہئے۔ تاکہ تازہ واقعات سے اپنے کو وابستہ کرسکوں

۱۰ ستمبر ـــــ بدھ

یہ کون ؟ گاندھی جی اور ان کی پارٹی کی موٹریں چلی آرہی ہیں! ہاں وہی ہیں ـــــ ہندو مسلمان سبھوں کے دکھ درد سے بے چین ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ مسز کرپلانی، ڈونشا تھا، دہلی کے چاندی والے برج کرشن جی ہندوستانی اور غیر ممالک کے رپورٹر ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے ان کا استقبال کیا پھر یہ پناہ گزینوں کے پاس گئے ہمارے رضاکاروں نے تمام پناہ گزینوں کو مدرسہ ثانوی کے فرش پر بڑے نظم کے ساتھ بٹھایا ہے۔ گاندھی جی جب مدرسہ ابتدائی سے مدرسہ ثانوی کی طرف چلے ہیں تو سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں۔ ان کے ساتھ بھیڑ نہیں ہے انھوں نے اس چیز کو بہت پسند کیا ہوگا۔ کیونکہ انہیں اکثر شکایت رہتی ہے کہ لوگ انھیں گھیر لیتے ہیں لیجئے گاندھی جی کی خواہش پر پناہ گزینوں کے ایک بزرگ نے سلام کے بعد اپنی بپتا یوں سنانی شروع کی ...... " حضور شاہدرہ سے ورے جھیل کھرنجہ اور ترکھی ان دو گاؤں میں ہم لوگ رہتے تھے۔ جھگڑوں کی خبر سن کر ہم لوگ ایک جگہ جمع ہوئے۔ ....

...... ایک موقع پر کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہاں حملہ کا خطرہ ہے چلو تم سب کو دہلی چھوڑ آئیں۔ ہم لوگ ریڑھیوں میں حضور ریڑھی وہ

جو ہوتی ہے جس میں گھوڑا لگایا جاتا ہے، جب چلے تو ایک جگہوں وہ لوگ بولے کہ ہم بھی آتے ہیں اور وہ چلے گئے

. . . .

. . . . اتنے میں بلوائی جن کے پاس بندوقیں تھیں آگئے۔ انھوں نے پہلے تو ہمارا مال لوٹا اور پھر ہم کو قتل کرنے لگے۔ ہم وہاں سے ادکھلے کی طرف بھاگے۔ رات کو دریا کے کنارے جھاؤ میں چھپے رہے۔ جھاؤ آپ جانتے ہیں وہ جو دریا کے کنارے ہوتی ہے۔ پھر تڑکے ہم دریا پار کرکے ادکھلے میں آگئے" نمبردار نے آبدیدہ ہو کر کہا "حضور ہمارا سب کچھ لُٹ گیا۔ ایک ایک کے پاس سو سو بھینسیں تھیں، نوٹ تھے، کسی کی بچی مری کسی کی ماں، کسی کا بھائی . . . .

. . . . . . کچھ اور لوگ بھی رونے لگے . . . .

. . . .

. . . . گاندھی جی نے جواب میں کہا کہ میں یہاں دہلی آیا ہوں تو کچھ کروں گا یا پھر اپنی جان دیدوں گا، آپ خدا سے اپنا دھیان لگائیے۔ ایک طرف جامعہ کی برقعہ پوش عورتوں کو مخاطب کرکے گاندھی جی نے کہا "ارے تم . . . . مجھ سے پردہ کرتی ہو! . . . . . دیکھو ایک دن مرنا ہے۔ لوگ مرتے ہی رہتے ہیں پھر مرنے سے کیا ڈرنا یہاں سے بھاگنا نہیں۔ اگر مرنا ہی ہے تو بہادری

سے مرنا پسند ہے۔ دیسے فکر نہ کرو، میں آیا ہوں تو کچھ کردوں گا اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا"

اس کے بعد گاندھی جی شہر کے دو کیمپوں میں گئے۔ یہاں کا نظم ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے گڑبڑ رہی اور وہ مجمع کو مخاطب نہ کرسکے راستے میں عرب سرائے کے کیمپ کو دیکھا جہاں میو رہتے ہیں ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاکستان جانے کے لئے حکومت نے انتظام کردیا ہے لیکن ہم لوگ وہاں بھکاریوں کی طرح رہنا نہیں چاہتے۔ ہم ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔ ہمیں آپ پر (گاندھی جی) کامل اعتماد ہے۔ اس لئے آپ جو کچھ کریں گے اس پر ہمیں اطمینان ہے۔ مگر دہلی میں پاکستان جانے کی ایک رَو چل پڑی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اس وقت تک پندرہ ہزار پناہ گزیں پاکستان جا چکے ہیں۔ ذاکر صاحب نے کل ہی یہ خطرہ ظاہر کیا تھا کہ لوگوں نے سمجھ بوجھ سے کام نہ لیا تو دہلی خالی ہونی شروع ہوجائے گی۔ یہ ایک بڑی بنیادی غلطی ہوگی۔ دہلی میں ہندو مسلمانوں کی جو مشترکہ تہذیب ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ دیکھئے یہی بات گاندھی جی نے اپنی عبادت کے وقت کہی ہے "آخر مسلمان دہلی چھوڑ کر کیوں جائیں! یہاں جامع مسجد جیسی تاریخی شاندار یادگار ہے، لال قلعہ ہے۔ بے شک لال قلعہ کو مغلوں نے بنایا، مغلوں نے یہاں حکومت کی۔ کون ایک دوسرے پر حکومت نہیں کرتا ہے۔ مگر مغل اجنبی بن کر تو یہاں نہیں رہے وہ بالکل ہندوستانی ہوگئے تھے انھوں نے جو کچھ کیا ہندوستان

محسوس کیا۔ مسلمان اپنی نمونے کی اور تہذیب کو زندہ رکھنے والی یادگاروں کو چھوڑ کر چلے جائیں گے!..... ان سب کو بچانا ہم سب کا فرض ہے۔

پاکستان کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو پاکستان میں آ جانا چاہیئے۔ گاندھی جی فرماتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی بڑی غلطی ہوگی کہ وہ اپنے گھر کو چھوڑ کر جسے ان کے باپ دادا نے یہیں بسنے، جینے اور مرنے کے لئے بنایا ہے کسی اور جگہ چلے جائیں۔" ہجرت وقتی طور پر ادھر ادھر ہو سکتی ہے۔ لیکن مستقل طور پر ایسا کرنا سیاسی خودکشی ہوگی اور یہ مذہب کی اسپرٹ کے خلاف ہے۔"اسلام خطرہ میں ہے" کا نعرہ لگانے والے ایسا سوچ سکتے ہیں

گاندھی جی نے اپنی زندگی میں ہمیشہ ہندو مسلمانوں کو میل ملاپ کے ساتھ رہنے اور خوشحال رکھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر بیچ میں ایک زمانہ ایسا آیا کہ مسلمان انھیں دشمن سمجھنے لگے تھے، مگر یہ اپنی لگن کے سچے تھے۔ مایوس نہ ہوئے، خفا نہ ہوئے، مسلمانوں سے شکایت نہ کی سُنا ہے کہ جب کبھی ذاکر صاحب گاندھی جی سے ملے تو گاندھی جی نے پوچھا کہ آخر مسلمان مجھے اپنا دشمن کیوں سمجھتے ہیں! میں نے کس کا کیا بگاڑا ہے۔!! ذاکر صاحب جواب دیتے کہ یہ تو ایک سیاسی ردِّ عمل ہے جس میں آپ دشمن نظر آتے ہیں مگر یہ مطلع چھٹ جائے گا اور حقیقت دکھائی دینے لگے گی۔ چونکہ اب حقیقتوں سے دو چار ہوتے ہیں تو گاندھی جی جو ابتداء میں تھے وہی اب نظر آنے لگے۔ خدا انھیں زندہ

رکھے اور وہ مسلسل پچاس سالہ جد و جہد کا پھل اپنی نظروں سے دیکھ لیں۔
یعنی اس ملک کے لوگ مل جل کر اور باعزت زندگی بسر کرنے لگیں۔

حسین صاحب! آپ تو جامعہ نگر اور دہلی کی خبریں معلوم کرنے کے لئے بے چین ہوں گے۔ معاف کیجئے میں آپ کو کہاں سے کہاں لے گیا۔ دہلی کے بڑے اسٹیشن کی حالت خراب ہے یہاں چھرے بازی کے واقعات برابر ہوتے رہتے ہیں یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ تیلی واڑے میں دونوں فریقوں میں دو بدو بندوقوں سے مقابلہ ہوا۔ پرانے قلعہ میں مسلمان پناہ گزینوں کے لئے ایک کیمپ کھول دیا گیا ہے۔

ہمارے کیمپ میں پناہ گزینوں کی تعداد تقریباً تین سو ہو گئی ہے۔ شہر میں اعلان ہوا ہے کہ بہت سے اسٹیشنوں پر آٹا آگیا ہے مگر دکانوں تک پہنچانے کا انتظام بہت مشکل ہو رہا ہے اس لئے راشن دن بھر میں صرف پانچ چھٹانک ملے گا۔ دوسرے ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ شہر میں ہندو اور مسلمان دونوں کے کیمپوں میں کھانے پینے کی سخت تکلیف ہے۔ کسی کو مٹی ملی ہوئی ایک روٹی ملتی ہے تو کسی کو مٹھی بھر چاول ایسی خوراک کے کھانے والوں میں دہلی اور نئی دہلی کے بڑے بڑے رئیس بھی ہیں۔ جامعہ نگر میں بھی سبھوں کا ناشتہ بند کرنے کے علاوہ دونوں وقت صرف ایک ایک روٹی ملنے لگی ہے۔
استادوں کے مدرسے کے ہندو طلبہ نے اپنی طرف سے یہ انتظام کیا ہے کہ وہ گاؤں سے دودھ خرید کر پناہ گزین بچوں کو پلاتے ہیں

مٹیا محل سے اطلاع ملی ہے کہ قرول باغ کے اساتذہ وہاں کئی وقت سے فاقہ کر رہے ہیں۔ عبدالحیٔ صاحب نے روٹیاں پکواکر پہرہ کی حفاظت میں بھجوادی ہیں

اب میری حالت سُنیئے۔ کہنے میں تو عیاشی معلوم ہوتی ہے کہ میرا گذر انڈا، مکھن، توس اور دُودھ کے بغیر مشکل ہے گر جاننے والے جانتے ہیں کہ کس وجہ سے یہ میرے لئے ضروری ہیں۔ بقول اکبر صاحب مرحوم جس بیماری کا علاج انڈا، مکھن، توس دُودھ ہو اُسے عیش کی بیماری کہنا چاہیے۔ کسے خبر تھی کہ اچانک فسادات شروع ہو جائیں گے۔ ورنہ کچھ ذخیرہ ہی کر لیتا۔ ایک ضروری دوا استعمال کر رہا تھا، وہ بھی فساد شروع ہونے سے ایک دن پہلے ختم ہوگئی تھی۔ اس وقت خیال آیا کہ اب کیا ہوگا! گر سوچ کر کرتا ہی کیا، دوا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر نے زبردستی چھڑوادی ہے۔ آج ایک ہفتہ ہوگیا ہے لیکن اس کے استعمال نہ کرسکنے کی وجہ سے کوئی خاص تکلیف تو ہوئی نہیں۔ مسلسل مصروفیت کے باوجود تندرست ہوں۔ بارہا کا تجربہ تو یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے تو کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی۔ یہ سب کچھ خدا پر اعتقاد اور اس کے فضل کا نتیجہ نہیں تو کیا ہے۔ پھر بھی انسان ہوں، اس دفعہ چند لفظ کمزوری کے میری زبان سے نکل ہی گئے۔ میں نے کام تقسیم کرنے والے برکت صاحب سے ایک موقع پر کہا کہ میری دوا ختم ہوگئی ہے۔ انڈا اور مکھن نہیں مل رہے

ہیں۔ ڈر ہے کہ صاحب فراش نہ ہونا پڑے۔

۱۱۔ستمبر ـــــ جمعرات

حسب معمول صبح کے وقت آنکھ کھلی۔ اختر صاحب کے برآمدے میں لیٹا تھا۔ یہاں سے جمنا کا منظر صاف دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ موزوں برسات کی وجہ سے یہ تمام علاقہ سرسبز اور پُر بہار ہو گیا ہے مگر فضا میں بڑی اُداسی ہے، کئی لاشیں دریا میں تیر رہی ہیں۔ بند کے دروازے کھولے جا رہے ہیں تاکہ یہ لاشیں آگے بہہ جائیں۔ حسین صاحب یہ وہی جگہ ہے جہاں ہم آپ سعد صاحب اور جامعہ کے کے لوگ ہنسی خوشی چہل قدمی کے لئے آیا کرتے تھے، بنچ پر بیٹھ کر سورج کی کرنوں کا عکس پانی میں دیکھتے تھے۔ مگر اب سورج کی حیات بخش کرنیں ان مُردہ لاشوں پر پڑ رہی ہیں لیکن ان میں جان کہاں سے آئے گی !!... نہر کی تمام سرکاری آبادی خالی ہو گئی ہے لوگ کسی خاص کام ہی سے کبھی کبھی اِدھر آتے ہیں۔ ورنہ یہاں سناٹا رہتا ہے، ان لاشوں کو دیکھنے کے لئے میں بھی دریا پر گیا تھا۔ ایسے موسم میں تو دِلّی کے سیلانیوں کی یہاں بھیڑ رہتی تھی۔ مگر اب وہ اپنے مکانوں میں بند کھلی ہوا کو ترستے ہیں۔

اسی طرح اس برآمدے سے چاروں طرف نظر ڈال کر رات کے منظر کو بھی دیکھا۔ میں اسے بھیانک تو نہیں کہتا۔ اس سے کہیں بھیانک تو اسے نظر

ہوتے جو اُمید و بیم کی حالت میں نہ ہو بلکہ صرف خوف طاری کرلے مگر میں تو پُر اُمید ہوں۔ شمال کی طرف آپ نے اکثر دیکھا ہے کہ دِلّی کی روشنی جگ مگ کرتی نظر آتی ہے۔ مگر اب کہیں کہیں نظر آتی ہے ایک محلے سے آگ کے شعلے بلند نظر آتے ہیں۔ رات زیادہ ہو گئی ہے مگر شہر سے مشین گنوں کے چلنے کی آواز برابر آرہی ہے۔ . . . . . . اس سے نیچے ہٹ کر مشرق کی طرف جہاں پرسوں قتلی اور لوٹ مار ہوئی تھی ڈھول بجنے اور وقفہ وقفہ سے بندوقیں چلنے کی آواز آرہی ہے۔ مغرب کی طرف دہلی اور متھرا روڈ کی طرف سے تو فکر نہیں کہ ٹرک برگشتی فوج برابر کام کرتی رہتی ہے۔ البتہ ٹینک کی طرف سے یوں خیال ہوتا ہے کہ اِدھر کے لوگ گڑبڑ نہ کریں۔ سُنا ہے کہ جسولہ میں (جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہاں سے ایک میل ہے) صرف دو مسلمان تھے ختم کردئے گئے۔ آج رات کو اوکھلا گاؤں میں آگ لگائے جانے کے امکانات بھی توی تبلائے جاتے ہیں۔ ہمارے رضاکاروں کا پہرہ بہت سخت ہے چاروں طرف چھتوں پر یہ متعین ہیں اور روشنی کی حرکتوں کی اطلاع دفتر اطلاعات میں بھیجتے رہتے ہیں۔ جہاں سے ضروری جگہوں پر اطلاعیں پہنچائی جاتی ہیں۔ میدانی علاقوں کے پہرہ دار بھی اپنی اپنی جگہ ڈٹے ہوئے ہیں۔ ہمارے لائسنس والے مسلح رضاکار مورچہ لگائے ہوشیار بیٹھے ہیں۔ برگشتی دستہ برابر کام میں مصروف ہے۔ متھرا روڈ کے نکڑ سے اوکھلے تک کا چکر لگاتا ہے، کار بھی ہر وقت تیار رہتی ہے۔ اوکھلے والوں نے اپنے بیوی بچے جامعہ میں بھجوا دیے ہیں اور خود اوکھلے کے مورچہ پر ڈٹ گئے

ہیں۔ حکومت کا فوجی دستہ بھی اپنی جگہ پر کھڑا ہے۔ رات ریڈیو پر آپ نے سن لیا ہوگا کہ جامعہ ملیہ، دہلی یونیورسٹی اور اروِن ہسپتال پر فوجی پہرہ بٹھا دیا ہے۔ یہ دستہ ابھی انتظام کے تحت آیا ہے۔ مجھے ایسی جگہ پر بیٹھے جیسے کہ ریڈیو کا مبصر سب طرف سے دیکھ رہا ہو۔ اور اپنی آنکھوں دیکھا حال ریڈیو کے ذریعے سُنا رہا ہو۔ آج کی رات ہمارے لئے بڑی تنت کی رات ہے۔ اگر جمنا حائل نہ ہوتی تو ہم ادھر سے بھی گھر گئے ہوتے!

۱۲ ستمبر —— جمعہ

میں نے کل کے روزنامچہ میں لکھا تھا کہ، آج کی رات بڑی تنت کی رات ہے۔ آج صبح کی خبروں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ دہلی کے ایک گاؤں پر بلوائیوں نے حملہ کیا۔ جس کی وجہ سے فوج کو گولی چلانی پڑی۔ صدر بازار میں بھی فوج اور بلوائیوں نے ایک دوسرے پر گولی چلائی۔ مدراس رجمنٹ کو اس بات پر متعین کیا گیا ہے کہ وہ بلوائیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے

آج دہلی کے ٹاؤن ہال میں مسلمانوں کو دوبارہ بسانے اور شہر کو اپنی سابقہ حالت پر لانے کے لئے شہر کے ممتاز لوگوں کا جلسہ منعقد کیا گیا ہے۔ ذاکر صاحب بھی اس جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے ہیں

دہلی کے کیمپوں کی دیکھ بھال کرنے اور ان کی حالت بہتر بنانے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جس میں ذاکر صاحب اور اختر حمید خاں بھی ہیں۔

جامعہ نگر کے انتظامات پہلے سے بہتر ہو گئے ہیں۔ اختر حمید صاحب نے فوجی اصولوں پر ایک نظام قائم کیا ہے جس کا ذکر تفصیل سے پھر کبھی کروں گا۔ اس وقت تو مولانا خواجہ عبدالحئی صاحب کے اس خطبہ کا کچھ حصہ سنئے جو آپ نے فسادات شروع ہونے کے بعد پہلی دفعہ آج جمعہ کے خطبہ میں بیان فرمایا ہے۔ اس دفعہ جامعہ نگر کی مسجد میں قبیل کھر نجہ کے وہ لوگ بھی تھے جو چند دن ہوئے لٹ لٹا کر جامعہ نگر میں پناہ لی تھی۔ مولانا نے فرمایا:-

"قرآن شریف میں آیا ہے وَبَلَوْنَٰهُم بِالسَّيِّئَاتِ وَالْحَسَنَاتِ اور ہم نے ان کو راحتوں اور تکلیفوں سے آزمایا۔ اللہ تعالےٰ انسان کو طرح طرح سے آزماتا ہے کبھی خیر سے کبھی شر سے" وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً اور ہم تمہارا امتحان خیر اور شر دونوں سے لیں گے۔ یہ امتحان اس لئے ہوتا ہے کہ کھوٹے اور کھرے کی تمیز ہو جائے اور سب لوگ دیکھ لیں کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ اس امتحان کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کو ہر قسم کی چیزیں کثرت سے دے دی جاتی ہیں۔ دولت، جانور، اولاد، آرام اور حکومت۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کے اپنے علم و ذکا، فہم و فراست اور سعی و کوشش کا نتیجہ ہے مگر وہ اصل بات کو نہیں سمجھتا، واقعہ یہ ہے کہ کیا وہ سب کچھ حاصل کر لینے کے بعد اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے، غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرتا ہے، یتیموں اور لاوارثوں کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے، نیکی اور بھلائی کا دم بھرتا ہے اور برائی و شر کو دور کرتا ہے اگر وہ اس امتحان میں ناکام رہتا ہے غرور و تکبر میں اپنے فرائض کو بھول جاتا ہے اور پھر ترقی کی راہ

میں رکاوٹ بن جاتا ہے تو اب اس پر مصیبتیں اور تکلیفیں آتی ہیں، کھیتی برباد ہو جاتی ہے۔ باغ اجڑ جاتے ہیں۔ دولت پر غیروں کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ اولاد کی موت اس کو تنہا چھوڑ دیتی ہے اور اب پھر اس کی آزمائش ہوتی ہے "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" اور یاد رکھو یہ ضروری ہے کہ ہم تمہارا امتحان لیں، خطروں کا خوف، بھوک کی تکلیف، مال و جان کا نقصان، پیداوار کی تباہی وہ آزمائشیں ہیں جو کچھ نہ کچھ تمہیں بھی پیش آئیں گی۔ پھر جو لوگ اپنے میں کہ صبر کرنے والے ہیں تو انہیں بشارت دے دو یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی مصیبت ان پر آتی ہے تو ان کی زبان حال کی صدا یہ ہوتی ہے کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے"

عزیزان من! تمہیں خیر و برکت دے کر آزمایا گیا مگر تم ناکام رہے۔ خدا کی طرف رخ تک نہ کیا۔ تم یہ سمجھ بیٹھے کہ سب کچھ ہمیشہ رہے گا اور ہم زندگی بھر مزے اڑائیں گے۔ تم غلطی پر تھے۔ اب تم پر تکلیفوں اور مصیبتوں کی بارش ہے۔ گھر بار سے تمہیں نکال دیا گیا ہے۔ مویشی تم سے چھین لئے گئے ہیں۔ بچے تمہارے مارے گئے ہیں اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں رہا۔ اب بھی اپنی سرکشی سے باز آ جاؤ اس ایک کے آگے سر جھکا دو وہ تمہاری مدد کرے گا اور اپنی رحمت میں تمہیں ڈھانپ لے گا

توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کون اس کی طرف آتا ہے اور کون اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا مددگار ہو۔ ہماری خطاؤں کو معاف

کرے اور ہمیں نیکی کی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

۱۴ ستمبر ــــــ سنیچر

آج کی فضا میں قدرے سکون ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ باران رحمت نے ظالموں کے ہاتھ روک لئے ہیں۔ اس سکون میں دہلی ایمرجنسی کیٹی کے صدر مسٹر سی۔ایچ بھابا نے تبلایا ہے کہ "پچھلے دنوں ہم کتنی مصیبتوں میں گھر گئے تھے۔ جب فسادات شروع ہوئے ہیں یعنی ۵ ستمبر اس وقت دہلی میں راشننگ کی دکانوں میں صرف دو دن کی خوراک باقی رہ گئی تھی۔ مگر برے حالات میں حکومت نے صورت حال پر قابو پالیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ راشننگ کی حالت اچھی ہے، جوں توں کرکے گزارہ ہو رہا ہے

اب لوگوں کی توجہ ایک اور اہم معاملہ پر ہو گئی ہے یعنی وبائی امراض پھیلنے کا اندیشہ، خبر آئی ہے کہ پنجاب کے کئی ضلعوں میں ہیضہ پھیل گیا ہے۔ خدا رحم کرے جامعہ میں پناہ گزینوں کے لئے خندقیں کھدوادی گئی ہیں پکے پاخانے بھی بنائے جا رہے ہیں۔

ٹاؤن ہال میں کل کے جلسہ کی روئداد سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ پناہ گزینوں کو پاکستان بھیج دیا جائے۔ ذاکر صاحب نے فرمایا کہ "خانماں برباد لوگوں کی موجودہ ذہنیت ان کے صحیح خیالات اور جذبات کی ترجمانی نہیں کرتی۔ آج کہ یہ لوگ پناہ گزینوں کے کیمپ میں نہایت عسرت

اور فاقہ کی زندگی بسر کر رہے ہیں اس لئے پاکستان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ عارضی اور فوری اسباب ہیں جو پیدا ہو گئے ہیں اور جنہیں دور کرنے پر وہ یہاں رہنا پسند کریں گے۔ مثلاً وہ محلے جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے ان کو خالی کرا کے کیمپوں میں رکھنے کی بجائے ان کے محلوں کی حفاظت کا معقول انتظام کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

یہی بات جواہر لال نے ایک تقریر میں کہی ہے کہ جب لوگوں کے دماغ ٹھنڈے ہو جائیں گے تب ان کا انفرادی فیصلہ صحیح مانا جائے گا۔ گاندھی جی تو پہلے دن سے یہی کہہ رہے ہیں کہ تبادلہ آبادی کے یہ معنی ہیں کہ ہم میں رواداری نہیں ہے، ہم انسانیت سے ہٹی ہوئی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ حکومت ہی کیا جس میں سبھوں کے لئے پناہ نہ ہو۔ کیا ہم اپنے مذہب کے اصولوں سے اتنا گر گئے ہیں کہ ہندو مسلمان پر اعتبار نہ کریں۔ اور مسلمان ہندو پر........ بہرحال گاندھی جی کے نزدیک تبادلہ آبادی سخت مہلک ہے۔ مگر ان لوگوں کی کون سُنے۔ خبر ملی ہے کہ ریل گاڑیوں کے ذریعے ہر روز بیس ہزار پناہ گزینوں کا تبادلہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہو رہا ہے۔

اس سے بڑھ کر افسوس ناک خبر اور کیا ہو گی کہ صدر بازار اور چاندنی چوک کے بہت سے مسلمان سوداگروں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی جائیداویں مال اور دکانیں بیچ کر پاکستان چلے جائیں گے۔ معاملہ کرنے کے لئے ایک کمیٹی بھی بنائی گئی ہے۔ دہلی کے وہ مسلمان ملازم جنھوں نے

پاکستان جانا طے کیا تھا وہ دہلی خالی کر چکے ہیں۔ اب سوداگروں کا اعلان ہوا ہے پھر "کرخندار دن" کی باری آئے گی۔ کیا دہلی میں مسلمانوں کی تہذیبی یادگاریں رہ جائیں گی اور یادگار والے چلے جائیں گے! گاندھی جی نے کہا ہے "بیشک جامع مسجد اور لال قلعہ مغلوں نے بنایا مگر مغل کون تھے۔ وہ تو ہندوستانی ہو گئے تھے۔ ان سب یادگاروں کو بچانا ہمارا فرض ہے۔" سنا ہے کہ مسلمانوں میں گاندھی جی کی باتوں کا چرچا بھی ہوتا رہتا ہے۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کی مسلم لیگ کے لیڈر اور مسلمان اب دوسری طرح سوچنے لگے ہیں۔ چنانچہ اڑیسہ اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر لطیف الرحمان صاحب نے ایک بیان میں کہا ہے:-

"انڈین یونین کے مسلمان اب محسوس کر رہے ہیں کہ انھوں نے پاکستان کی حمایت کر کے غلطی کی تھی۔ آپ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ دو قوں کی تھیوری بدل کر ہندوستان کے وفادار شہری بنیں۔ ہمارے پاکستانی لیڈر اب بھی لمبے چوڑے بیانات دے رہے ہیں ان کے بیان ہمارے لئے مفید نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے ہندوؤں میں بدلہ لینے کا جذبہ پھیلتا ہے۔ چنانچہ ہم سب محسوس کر رہے ہیں کہ ہم نے غلطی کی تھی۔" (اخبار تیج دہلی)

یو۔پی مسلم لیگ کے مشہور لیڈروں (نواب اسمٰعیل خاں اور ان کے ساتھی) نے ایک بیان میں ہندوستان سے وفاداری کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے

"ہندوستان ہماری مادر وطن ہے۔ ہم اس کی خاطر اپنے خون کا

قطرہ قطرہ بہانے کے لئے تیار ہیں۔ خواہ پاکستان کی طرف سے ہی حملہ کیوں نہ ہو۔ ہم ہندوستان کے بچاؤ میں اپنی جانیں لڑا دیں گے۔"

یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ یکم نومبر کو یوپی مسلم لیگ کونسل کا اجلاس لکھنؤ میں بلایا جا رہا ہے جس میں ملک کی تقسیم سے پیدا شدہ حالات پر غور کیا جائے گا۔ اور اس بات پر بھی غور ہوگا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کنونشن بلایا جائے۔" ("انصاری" دہلی)

نواب اسمٰعیل خاں صاحب علی گڑھ کی ایک تقریر میں فرماتے ہیں :-

"خوش قسمتی سے ہندوستان میں پنڈت جواہر لال نہرو جیسے دیش بھگت، مستحکم ارادے اور کھلے دل کے مالک کی لیڈر شپ میں ایک جمہوری اور غیر مذہبی حکومت قائم ہوئی ہے اس لئے میں علی گڑھ یونیورسٹی کے بارے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم اس حکومت کے پوری طرح وفادار رہیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ یہاں کے اور پروفیسروں نے اخباروں کے ذریعے حکومت ہند سے وفاداری کا حلف اٹھالیا ہے میں یقین دلاتا ہوں کہ حکومت کے سامنے جو کام ہیں ان میں ہماری طرف سے پورا تعاون ملے گا۔" (اخبار "تیج" دہلی)

آج کا روزنامچہ شروع کرتے وقت جب میں نے یہ لکھا کہ فضا میں قدرے سکون ہے تو آپ کا دھیان اس بات کی طرف گیا ہوگا کہ اب میں متعلقین جامعہ کے ان خاندانوں کے بارے میں لکھوں گا جو اب تک لاپتہ ہیں۔ جن کا اشارہ میں نے پہلے بھی کیا ہے۔ لیکن آج تو اس کی گنجائش نہیں ہے۔ کل شمن

۹ بجے گا

۱۴ ستمبر ـــــ اتوار

جامعہ کی لاری میں اختر حمید صاحب اور ظفر علی صاحب منصوری۔ دو پولیس سپاہیوں کے ساتھ متعلقین جامعہ کو نکال لائے ہیں۔ سب سے زیادہ بپتا بشیر احمد صاحب انصاری پر پڑی ہے۔ جب ریگر پورہ میں جھگڑا شروع ہوا۔ تو یہ اپنے بھائی کو ایک سکھ دوست کی پناہ میں دے کر تھانہ میں اطلاع دینے کے لئے گئے۔ اتنے میں معاملہ بڑھا اور کرفیو لگ گیا حملہ آوروں نے پناہ دینے والے سکھ سے ان کے بھائی کا مطالبہ کیا۔ دُنیا میں سب لوگ ایک طرح کے نہیں ہوتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس کو پناہ دے چکا ہوں اس لئے جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک اسے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ پناہ دینے والے سکھ کو معلوم ہو گیا تھا کہ بشیر صاحب تھانے میں ہیں اس نے ان کے بھائی کو ایک بوری میں بند کر کے سامان کے ٹھیلے کے ساتھ تھانے پہنچوا یا۔ پھر پولس کی نگرانی میں بشیر صاحب اپنے بیمار بوڑھے باپ کو پیٹھ پر لاد کر کسی اور محفوظ مقام پر پہنچ گئے اور وہاں سے جامعہ والے جامعہ نگر لے آئے

جھگڑے کے شروع ہوتے وقت شمس الرحمن صاحب، تقی احمد سید صاحب نئی دہلی میں تھے۔ جامعہ نگر آرہے تھے کہ نظام الدین پر بھوگل اور آشرم کا راستہ بند ہو گیا۔ کئی دن تک نظام الدین میں پڑے رہے۔ یہاں کی

آبادی پانچ سو کی ہے مگر جنگل اور آس پاس سے پانچ ہزار مسلمان جمع ہو گئے تھے۔ ایک روپیئے میں ایک روٹی لے کر کھائی۔ جب پُرانے قلعے میں کیمپ کھولا گیا تو وہاں چلے گئے، وہاں سے جامعہ نگر لایا گیا

تعلیمی مرکز میں جامعہ کی لاری تھی۔ عروج صاحب بھرتی کے ساتھ برکت علی صاحب فراق، مشتاق صاحب، اعظمی صاحب، منظور صاحب، ذوالفقار صاحب اور یہاں حسین حسان صاحب اور جامعہ کے دوسرے متعلقین کو لے کر جامعہ نگر کی طرف چلے۔ راستے میں کچھ لوگوں کی رائے ہوئی کہ جامعہ نگر جنگل میں ہے اس لئے ممکن ہے کہ دیہاتوں کی گڑبڑ کی وجہ سے وہاں بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ پتلی قبر پر مولوی سمیع اللہ صاحب کے یہاں ٹھہر گئے۔ عروج صاحب اس علاقے کے شاگردوں کے یہاں جا کر کچھ مانگ لاتے تھے اور زندہ رہنے کا سامان ہو جاتا تھا۔ جب فسادات میں کمی ہوئی تو جامعہ کی لاری انھیں اور محمد نصیر صاحب خوشنویس جامعہ کو جو قرولباغ سے گھر بار چھوڑ کر پرانے قلعے آ گئے تھے نکال لائی

عبدالرزاق صاحب اور ان کا خاندان کئی دن تک اپنی جگہ پر ڈٹا رہا، پھر یہ پرانے قلعہ منتقل ہو گئے اور وہاں سے جامعہ نگر لائے گئے۔

• شفیق الرحمن صاحب قدوائی نئی دہلی میں رفیع احمد صاحب قدوائی کے یہاں پہنچ گئے تھے۔ وہاں سے شفیق صاحب نے ہمارے لئے فوجی دستہ بھجوانے میں مدد دی۔ مولانا آزاد کے سکریٹری اجمل خاں صاحب نے ۱
بھی ہم لوگوں کو بہت مدد دی۔ مجاہد کمال (اجمل صاحب کا چھوٹا بچہ) کا فون میری موجودگی میں آیا تھا۔ ذاکر صاحب فون پر موجود تھے

خوب خوب بول رہا تھا گویا ہر طرح کا انتظام کرنے کے لئے تیار ہے۔ حاجی عباد اللہ صاحب کے خاندان کا نہ معلوم کیا حشر ہوا۔ حاجی صاحب پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ پرانے قلعے میں ہیں اور پانی حاصل کرنے کے لئے ہاتھ میں کٹورا لئے قطار میں کھڑے رہتے ہیں۔ یہی حال نواب علی صاحب ٹھیکہ دار کا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ دونوں دہلی کے رئیس مشہور ٹھیکیدار اور لاکھوں کے مالک ہیں۔ عبرت حاصل کرنے کی کتنی ہی مثالیں دیکھنے میں آ رہی ہیں۔ بصیرت رکھنے والوں کے لئے ان میں بڑے سبق ہیں

حامد صاحب نے شہر میں چار جگہ دھکے کھائے اور جب کہیں پناہ نہ ملی تو پاکستان چلے گئے

جو لوگ ذکر سے باقی رہ گئے ہیں اسی پر ان کا قیاس کر لیجئے۔ گرما کی تعطیلات میں جامعہ بند ہونے کی وجہ سے ہماری ذمہ داریاں کم ہو گئی ہیں۔ ورنہ ہندوستان بھر کے سرپرستوں کو بے چینی رہتی جامعہ کے استاد جو اپنے اپنے گھروں پر ہیں نہ جانے ہم لوگوں کے بارے میں کیا کیا قیاس کرتے ہوں گے آپ تو دہلی کا ریڈیو کئی دفعہ سنتے ہوں گے کبھی کبھی ذاکر صاحب کا نام سن کر اطمینان ہوتا ہوگا کہ ان کے طفیل میں ہم لوگ بھی زندہ ہوں گے۔ واقعہ بھی یہی ہے، فوج کا دستہ بھی انھیں کی پیہم کوششوں کے بعد آیا ہے۔ ڈاک کا یہ انتظام ہوا ہے کہ ہماری لاری روزانہ ایک دفعہ شہر جانے لگی ہے۔ اس طویل خط کے بھیجنے کا تو موقع نہیں ہے اس لئے اس کی ایک ایک نقل حفیظ صاحب اور دوسرے احباب کی خدمت میں بھجوا ما

چاہتا ہوں مصعب صاحب روزانہ ٹائپ کرتے جاتے ہیں۔ غریب رات میں کئی گھنٹے پہرہ دیتے ہیں۔ دن میں بھی کچھ نہ کچھ کام نکل ہی آتا ہے پھر بھی یہ خط ٹائپ کرتے جاتے ہیں

آغا اشرف صاحب بھی سری نگر میں کئی دفعہ ریڈیو سنتے ہوں گے کشمیر کی پر بہار فضا میں جب دہلی کی بپتا سنتے ہوں گے تو پہلے تو کچھ سوچتے اور افسوس کرتے ہوں گے مگر آدمی کب تک منہ بنائے رہے . . . . ان کا جی جب گانے کو چاہتا ہوگا تو اگرچہ ان کا ساجن ان کے ساتھ ہے پھر بھی زور زور سے گاتے ہوں گے جیسا کہ شانوی کے برآمدے میں گاتے تھے "ساون کے بادلو . . . . . "

ان بپتاؤں کے سناتے وقت قدرتی طور پر میرا ذہن کانگریس کے اس نوجوان طبقہ کی طرف جانا چاہیئے جنھیں ہندوستان کی آزادی محبوب ہے، جس کے لئے انھوں نے جان و مال کی قربانیاں دی ہیں اور ایک زمانہ تو ایسا تھا کہ ہندو مسلمان نوجوان کندھے سے کندھا ملائے آزادی کے ترانے گاتے تھے اور اس ملک کو خوش حال آباد دیکھنا چاہتے تھے . سیاسی وجوہات سے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ان سے جدا ہو گئی پھر بھی نیشنلسٹ مسلمانوں کا طبقہ ان کے ساتھ رہا اور کانگریس برابر یہی کہتی رہی کہ ہم حق پر ہیں، ہمارے سامنے جو اصول اور مقصد ہے اس کے لئے ہم ایمانداری سے برابر کوشش کرتے رہیں گے یعنی ہندوستان کی آزادی، ہندو مسلم اتحاد اور چھوت چھات کا خاتمہ. خوش نصیبی سے انھیں مہاتما گاندھی جواہرلال اور مولانا آزاد جیسے دلیر رہنما ملے جن کے سامنے جماعتوں اور

طبقوں کی بھلائی نہیں ہے بلکہ انسانوں کی بھلائی ہے، جن کا ظاہر اور باطن ایک ہے، جن کے نزدیک بنیادی اخلاقی اقدار ہی کا نام خدا پرستی ہے نہ کہ فرد عات

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی بری صورت کیوں پیدا ہوئی جس نے درندگی کا پچھلا ریکارڈ مات کر دیا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وبا نے زیادہ تر پنجاب میں نشوونما پائی جہاں کانگریس کا اثر بہت کم ہے۔ مگر بہار۔ بمبئی اور دہلی کے نام کو شبہ کیوں لگا ...... ؟ رہ رہ کر الہ آباد اور کانپور کا نام اخباروں میں کیوں آتا ہے۔ مجھے ایک کانگریسی کی حیثیت سے اپنے دوستوں سے مخاطب ہونے کا حق ہے اس موقع پر ایک فوری جواب یہ دیا جاتا ہے اور بالآخر بحث کا خاتمہ بھی اسی پر ہوتا ہے کہ کلکتہ نواکھالی اور مغربی پنجاب کی وجہ سے ایسا ہوا مگر اتنا کہنے سے صرف انھیں لوگوں کی تسلی ہو سکتی ہے جن کے جذبات سطحی اور جن کے خیالات میں گہرائی نہیں ہوتی ہے حقیقت اپنی جگہ پر باقی رہتی ہے اور اس کا جوابدہ ہونا پڑتا ہے یعنی یہ کہ مذہب کے کس اصول ، اخلاق کی کس دفعہ اور انسانیت کے کس جذبہ سے یہ صحیح ہے کہ نواکھالی کا بدلہ بہار میں ، بہار کا پنجاب میں اور پنجاب کا دہلی میں لیا جائے۔ میرے دوست کہیں گے کہ یہ تو راشٹریہ سنگھی اور مہاسبھائی ذہنیت والوں کا کام ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ کانگریس میں مہاسبھائی ذہنیت کے لوگ زیادہ ہیں اور وہ کانگریسی ذہنیت کے کم تو بحث مختصر ہو سکتی ہے کہ اس وقت مجھے مہاسبھائی ذہنیت والوں سے سروکار نہیں ہے۔ بالفرض ایسا مان بھی لیا جائے تو پھر بھی کیا اچھے کانگریسیوں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ وہ بلوائیوں میں گھس کر

انھیں ہاتھ روکنے کے لئے کہیں!... اگر مسلمانوں کی طرف سے کوئی آ
ہو تو ہم نیشنلسٹ مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ دوسرا مسلمان
ایسے موقع پر ہمیں قریب بھی نہیں آنے دیتا ہے مگر ہندوؤں میں یہی تو ایک بڑی
خوبی ہے کہ باوجود اختلافات کے وہ ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچاتے
جب ایک بڑی صفت ہندوؤں میں موجود ہے تو پھر اچھے کانگریسی اس سے
فائدہ اٹھا کر ان بلوائیوں کو سمجھاتے کیوں نہیں۔ یہ کہا جائے کہ سب لوگ
نڈر نہیں ہوتے تو نڈر پارٹی یہ کام کرے باقی لوگ خدمتی کاموں میں لگ جائیں
مثلاً پناہ گزینوں کے آرام کے لئے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان ان تک
سامان پہنچانے میں حکومت ہند کا ساتھ دینا۔ محلوں اور سڑکوں سے گندگی
دور کرنے میں مدد دینا کہ ہر سال ہم قومی ہفتہ مناتے ہیں۔ ہسپتالوں میں
زخمیوں کے پہنچانے میں مدد دینا اور سب سے بڑی اور سب سے اہم
بات یہ ہے کہ ہر محلے کے کانگریسی ہندو اپنے محلے کے مسلمانوں کا پتہ
لگا کر ان کے کیمپ میں جائیں اور انھیں سچے دل سے یقین دلائیں کہ آپ
ہمارے گھر میں چل کر رہئے، پہلے میں مروں گا تب آپ کو نقصان
پہنچ سکتا ہے۔ اگر یہ بات خلوص سے کہی جائے تو اثر ضرور ہوگا۔ یہی
باتیں تو دن رات گاندھی جی اپنی پرارتھنا میں کہا کرتے ہیں۔ حکومت ہند
اپیلیں کرتی رہتی ہے کہ رضاکاروں کو میدان میں اتر آنا چاہیئے۔ یاد رکھئے
انگریزوں سے جھگڑا تو ختم ہوا ان کے خلاف نعرے، جلسے جلوسوں کی
ضرورت نہیں رہی، اب یہی نعرے جلسے اور جلوس بدی کا مقابلہ کرنے

کے لئے جاری رہنے چاہئیں۔ اس اعتبار سے کانگریس کا کام ختم نہیں ہوا ہے بلکہ یہ تو ایک جاری رہنے والا کام ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جن صفات کا میں نے ذکر کیا ہے ایسے کانگریسی ہندو نہیں ہیں مثلاً دہلی میں جامعہ کے فارغ التحصیل طالب علم کرشنا نائر رات دن پناہ گزینوں کو آرام پہنچانے میں لگے ہیں یہ نہ صرف اکیلے ہیں بلکہ اچھے کانگریسی ہندوؤں کا ایک ایسا حلقہ پیدا کرلیا ہے جو بلا امتیاز مذہب و ملت خدمت گزاری کے کاموں میں لگا رہتا ہے۔ تب ہی تو کانگریس نے کرشنا نائر کو چیف کمشنر کی ایڈوائزری کمیٹی کا رکن بنایا ہے۔ نائر مدراس کے رہنے والے ہیں۔ جب یہ جامعہ میں آئے تھے تو میری طرح بے حد غریب تھے۔ جامعہ نے وظیفہ دے کر ان کو پالا پوسا اور ان کو وہ بننے دیا جو وہ بننا چاہتے تھے۔ ایک اور طالب علم شرما صاحب نے اسی سال جامعہ سے بی اے کیا ہے۔ یہ آج کل دہلی میں ہیں اور فسادات کی روک تھام کے لئے کام کر رہے ہیں جب پہاڑ گنج میں بلوائیوں نے مسلمانوں کو لوٹنا شروع کیا تو شرما صاحب نے انہیں سمجھایا کہ اپنے بھائیوں پر ظلم کیوں کر رہے ہو؟ ان کے یقین دلانے کے باوجود کہ ہندو ہیں، بلوائیوں نے مسلمان سمجھ کر انہیں پیٹا۔ شرما صاحب نے اس دن ایک مسلمان کے یہاں پناہ لی۔ دوسرے دن سے حسب معمول اپنا کام کرنے لگے جب تک ایسے ہندوؤں کی کانگریس میں کثرت نہ ہو یہ ملک دوسروں کے لئے نمونہ کا ملک نہیں بن سکتا۔ ہاں ایک موقع کی خبر بھی سن لیجئے کہ مصرا صاحب کو جو ہندو تھے، دہلی میں اسپیشل مجسٹریٹ بنایا گیا تھا۔ یہ دیہاتوں میں بلوائیوں سے زیورات چھین کر مسلمانوں کو دے رہے تھے کہ کسی بلوائی نے گولی مار دی۔ پنڈت گووند بلبھ پنت

نے بھی کل علیگڑھ میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک مسلمان کو بچانے کے لئے ۹۹ ہندو بھی کام آئیں تو انھیں ایسا کرنے سے نہ ہچکچانا چاہیئے۔ تھوڑی دیر کے لئے مان لیجئے کہ کانگریس میں ان صفات کے لوگوں کی کثرت نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ساڑھے چار کروڑ مسلمان ہجرت کر کے چلے جائیں۔ میں بعض دفعہ بحث ختم کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ اچھا صاحب آپ تشریف لے جائیے میں تو یہیں رہوں گا۔ جواب میں دوست کہتے ہیں کہ آپ کو بھی مار ڈالیں گے تو میں یوں کہتا ہوں کہ دئے سے دیا جلتا ہے، یہ قانون قدرت ہے اس لئے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ یہاں دیا روشن کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔ نیکی کبھی فنا نہیں ہوتی اگر ہم میں نیکی کے جراثیم ہیں تو وہ ضرور دوسروں کو متاثر کریں گے۔

حسین صاحب، میں بھی یہ باتیں کسے سنانے لگا۔ آپ تو ان سب باتوں کو جانتے ہیں اور ان پر عامل بھی ہیں۔ آپ تو قدرتی طور پر اگلی تاریخوں کے حالات سننے کے لئے بے چین ہوں گے۔ لیجئے اب ۱۵ ر تاریخ پر آتا ہوں۔

۱۵ ر ستمبر ——— پیر

قدرت دہلی والوں کو ایک اور طرح سے آزما رہی ہے۔ دو دن سے لگاتار بارش ہو رہی ہے۔ آج تو اس کثرت سے بارش ہوئی کہ ہیڈ فون کے تار بیحد نم ہو جانے کی وجہ سے میں ریڈیو کی خبریں بلیٹن والوں کو نہ دے سکا۔ اس وقت لاکھوں پناہ گزین پرانا قلعہ، ہمایوں کا مقبرہ اور عیدگاہ کے کیمپوں میں پڑے ہوئے ہیں خیمے نصب کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ پرانے قلعہ کے سامنے پی۔ ڈبلو۔ ڈی کا سامان جو آپ بس میں بیٹھے ہوئے دیکھا کرتے تھے۔

پناہ گزیں اسے سر چھپانے کے کام میں لا رہے ہیں۔ حکومت ہند اپنے انتظام کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہی ہے جن مسلمان محلوں سے دیگیں پک کر آیا کرتی تھیں۔ آج کثرت بارش کی وجہ سے رکاوٹ پڑ گئی ہے۔ نظم بہتر نہ ہونے کی وجہ سے کھانے پینے کا جو سامان کیمپوں میں پہنچتا ہے لوگ اسے لوٹ لیتے ہیں اور کمزور لوگ اس سے محروم رہ جاتے ہیں کیسی عبرت کی بات ہے کہ جب بھنے ہوئے چنے تقسیم ہوتے ہیں تو اچھے خوش حال لوگ ان کو ایک ایک کر کے بین لیتے ہیں۔ لوگوں کی بھیڑ کا یہ عالم ہے کہ قافلے قافلے اپنا اپنا سامان سروں پر لادے کیمپوں کی طرف چلے جا رہے ہیں۔

ہزاروں جانور آوارہ پھر رہے ہیں جب اپنی محدہ نہیں تو ان کی سدھ کون لے۔ ہمارے ہاں جو پناہ گزین آئے ہیں ان کے ساتھ ریچھ اور بندر بھی ہیں۔ بچے جس طرح کبوتروں کو بڑے شوق سے دانا پانی کھلاتے ہیں انھیں بھی کھلاتے مگر جب کچھ بچا نہیں تو کہاں سے کھلائیں۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ سبیل ہو ہی جاتی ہے۔ بچوں کو خطرے سے کیا مطلب۔ انھوں نے مداری سے تقاضہ کیا کہ وہ تماشہ دکھائے۔ مداری کہنے لگا کہ میری ڈگڈگی تو چھن گئی ہے، تماشا کیسے دکھاؤں! . . . . .

جامعہ کے جو لوگ شہر سے آئے ہیں، سامان تو ایک طرف رہا ان کے پاس صرف وہی کپڑے ہیں جو وہ پہنے ہوئے ہیں۔ میں نے حسین حسان صاحب سے ملتے ہی کہا، کچھ سنائیے! ——— یہ سکرا رہے تھے کہنے لگے "منظور صاحب سے پوچھئے، میرا دماغ اس وقت حاضر نہیں"

ہے۔" حافظ صاحب نے جامعہ کے بچوں کے کوٹے میں سے دو دو جوڑے کپڑوں کا انتظام کر دیا ہے۔ کراچی کے ایک صاحب نے دو صندوق کپڑوں کے بھجوائے ہیں۔ یہ دیہاتی پناہ گزینوں میں تقسیم کر دئے گئے۔ سنا ہے شہر میں بھی مالدار لوگ خوب خوب خیرات کر رہے ہیں قیمتی کپڑے تقسیم ہو رہے ہیں۔ پہلے یہ لوگ ہر جمعرات کو صرف ایک پیسہ دیا کرتے تھے ساری عمر میں جتنی زکوٰۃ نہیں دی ہے اور جو جمع ورجمع ہو کر اکھٹی ہو گئی تھی اب وہ ایک انقلابی رو میں وصول ہو گئی ہے۔ عتیق صاحب سے میں نے جب کبھی یہ کہا کہ انقلاب آنے سے پہلے بھی خیرات غریبوں کے کام آ سکتی ہے تو عتیق صاحب نے یہی جواب دیا کہ غفار صاحب! ایسی خیرات سے کیا فائدہ، جو کوڑی کوڑی کر کے دی جائے۔ اس میں تو مانگنے والا اور بھی ذلیل ہو جاتا ہے۔ ذلت اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اس سے تو اچھا ہے کہ وہ بھوکا رہے تاکہ انقلاب کے لئے اس کی صلاحیتیں ابھریں اور ایک رو میں اس سرمایہ داری کے نظام کو ختم کر دے۔" اگر سب نہیں تو بہت سے لوگ جائز کمائی کرتے اور زکوٰۃ اس کے قاعدے کے مطابق دیتے تو عتیق صاحب اتنے غصے سے یہ بات نہ کہتے ——— اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں سرمایہ داری کا قائل ہوں، بقول مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی جب اسلام نے جائز کمائی کی شرط لگا دی ہے تو پھر سرمایہ جمع ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا پھر اسلام اس بات کو کب منع کرتا ہے کہ آپس کے سمجھوتے

سے کوئی اقتصادی پروگرام بنا کر حق ملکیت سے دست بردار ہو جائیں۔ اس سمجھوتے کا نام کمیونزم، سوشلزم جو "ازم" بھی رکھ لیجئے آپ کہیں گے پھر یہ آگے نکل گیا۔ کیا کروں! ہر واقعہ میں کوئی عبرت ہوتی ہے۔ اچھا تو آگے سنئے:۔

شہر کے پناہ گزینوں کے لئے ذاکر صاحب کی کوشش برابر جاری ہے۔ چاہے مینہ برس رہا ہو یہ شہر ضرور جاتے ہیں۔ کیمپوں کا معائنہ کرتے ہیں، ان کی شکایات دور کرتے ہیں۔ پھر دہلی ایمرجنسی کمیٹی کے جلسے کیلئے اپنی رپورٹ تیار کرتے ہیں۔ آج گورنر جنرل نے انھیں کھانے پر بھی بلایا ہے، لیڈی ماؤنٹ بیٹن کیمپ کے معائنوں میں ذاکر صاحب کے ساتھ تھیں

دو دن کی اس مسلسل بارش میں کیمپوں کو دیکھنے کے بعد گاندھی جی نے ایک بیان میں کہا ہے:۔

"ہزاروں مرد اور بچے میدان میں بغیر آب و دانہ پڑے ہیں اور میں آرام سے ہوں۔ میں اپنے ضمیر سے پوچھتا ہوں کیا یہ سب کچھ ہونا چاہئے تھا۔ میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ کیا شہر دہلی کے باشندے پاگل ہو گئے ہیں، کیا ملک کی محبت ان کے دلوں سے رخصت ہو گئی ہے۔ دہلی کے مسلمان خوف دور کریں اور اپنے اپنے گھروں میں رہیں۔ میں دہلی میں اس وقت تک رہوں گا جب تک لوگ ایک دوسرے پر بھروسہ نہ کرنے لگیں۔ اگر ایسا نہ ہوا

تو میں اپنی جان دیدوں گا۔"

(اخبار "تیج" دہلی)

۱۶ ستمبر ——— منگل

اب تک میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ جامعہ نگر کے حالات دیکھ کر ریڈیو کی خبریں سن کر لوگوں کی زبانی شہر کے حالات معلوم کر کے اور بعض کی بتیا سن کر لکھا۔ چند دنوں سے اخبارات بھی آنے لگے ہیں۔ جامعہ کی جو لاری سپاہیوں کی حفاظت میں شہر جایا کرتی ہے، جی میں آئی کہ آج اسی لاری کے ذریعے شہر کا چکر لگاؤں اور پناہ گزینوں کے کیمپوں کو دیکھ کر چشم دید حالات لکھوں اگرچہ یہ سفر کئی دنوں کا تھا مگر دو دن میں جو کچھ دیکھا ہے خلاصے کے طور پر سن لیجئے۔ پہلے تو میں جامع مسجد گیا۔ یہ مسجد آج سے چند دن پہلے پناہ گزینوں سے کچا کچھ بھری ہوئی تھی۔ سامنے کے میدان کا بھی یہی حال تھا۔ پناہ گزینوں کے ہمایوں کے مقبرے میں منتقل ہونے سے آج وہ بھیڑ تو نہیں ہے۔ تاہم چاروں طرف کے برآمدے بھرے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے صحن میں چولھے بنا رکھے ہیں۔ جنوبی دروازے کی سیڑھیوں کا ایک طرف کا حصہ پاخانوں سے بھرا ہوا ہے۔ بکیاں دل کی دل ہیں، یہی حال شمالی دروازے کا ہے۔ لوگوں کے پاس پہننے کے لئے کپڑے نہیں ہیں اس لئے تن کا ایک ہی جوڑا اس گندگی کا جزو بن گیا ہے۔ حسین صاحب، یہ وہی جگہ ہے جہاں جوتہ پہن کر جانا معیوب تھا۔ یہ احترام اب بھی باقی ہے۔ مگر

صفائی کے احساس کو اور تلخ بنا دیا ہے۔ کھانے پینے کی چھوٹی چھوٹی دکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس حصے میں بھیڑ بھی بہت ہے، مگر لٹے ہوئے لوگوں کے پاس دام کہاں؟ اس لئے چیزیں سستی ہوتے ہوئے بھی مہنگی ہیں۔ عمر فاروق کے والد سیکڑوں کی رقم دفتر میں جمع کرتے تھے آج کہنے لگے، بس یہ جوڑا جو پہنے ہوئے ہوں باقی ہے۔ یہی حال حاجی عباداللہ صاحب اور ان جیسے بہت سوں کا ہے۔ جو موٹروں پر بیٹھ کر ادھر کھلے کی سیر کو آیا کرتے تھے)

جامع مسجد سے لوٹ کر ہماری لاری پرانا قلعہ اور ہمایوں کے مقبرے کی طرف چلی۔ راستے میں مٹکے شاہ کے مزار پر نظر پڑی۔ یہاں منت کے سیکڑوں مٹکے ٹنگے نظر آتے تھے مگر آج دو ہی نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ مہاجرین نے استعمال کے لئے نکال لئے ہیں۔ راستے میں ہزاروں پناہ گزین پیدل ٹھیلوں میں لدے پھندے جا رہے تھے۔ مردوں عورتوں کے سر پر سامان تھا۔ ہاتھوں میں سامان تھا۔ کمر پر سامان تھا۔ بچے اپنی ماں کی گود میں لٹکے، ان کے برقعوں کا دامن پکڑے چل رہے تھے۔ بوڑھے اپاہج اپنے بیٹوں، پوتوں کی کمر پر یا چارپائیوں پر لدے جا رہے تھے۔ حسین صاحب! ادھر کھلے کی اس سڑک پر آپ نے اور ہم نے وہ بہاریں بھی دیکھی ہیں کہ کرخنداروں کے برق رفتار گھوڑوں کے آگے موٹروں کو بھی بچ کر چلنا پڑتا تھا۔ تڑکے میلے کے زرق برق لباس، پھولوں سے بھری ریڑیاں، دودھ سے بھری

بالٹیاں اور طرح طرح کی مٹھائیاں ان کی جگہ جو سامان تھا وہ اکثر صورتوں میں پھٹے میلے کچیلے گوڈر، ٹین کے زنگ آلود ڈبوں اور اسی قسم کے کباڑ پر مشتمل تھا۔ اچھا سامان کہاں وہ تو لٹ چکا تھا۔ پھر تصور کیجیے اس بھیانک منظر کا کن حالات میں یہ لوگ گھروں سے نکلے ہیں۔ قاتلوں کی خونیں آنکھیں بندوقوں کی آوازیں، تلواروں کی چمک . . . . دم گھوٹنے والے دھوئیں، شور ہنگامہ چیخ و پکار۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان میں کون لٹیرا ہے۔ کون جان بچانے والا ہے۔ سامان چھٹا گھربار لٹا، کاروبار بند ہوا عزیز و آقا چھٹے بلکہ اکثر صورتوں میں ایک کو دوسرے کے سامنے قتل ہوتے دیکھا۔ یوں یہ چند محلوں کا لٹا پٹا قافلہ ہمایوں کے مقبرے کی طرف چلا۔ میں نے چند محلے اس لئے کہے ہیں کہ زیادہ تر تباہی سبزی منڈی پہاڑ گنج اور قرول باغ میں ہوئی ہے۔ باقی محلے بلیماران، باڑہ ہندو راؤ پھاٹک حبش خاں۔ جامع مسجد، چتلی قبر۔ لال کنواں، نواب گنج، ٹیا محل وغیرہ اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

جب ہم لوگ دہلی کی ان مشہور سیرگاہوں، پرانا قلعہ اور ہمایوں کے مقبرے پہنچے تو ان کے سرسبز و شاداب لان دلفریب کیاریوں اور روشوں پر لوگوں کو غم غلط کرتے دیکھنے کی بجائے غموں کا ہجوم ساتھ لئے ہوئے دیکھا۔ سردی گرمی سے بچانے والے مکانوں کی جگہ ٹوٹے پھوٹے خیمے (خدا ممتاز الدین صاحب کلکتہ والے کو اجر دے

کر ان کی غیر معمولی فیاضی کی وجہ سے سیکڑوں خیمے مفت ملے، پلنگ مسہریوں اور صوفوں کی جگہ فرش زمین۔ چند ٹوٹے پھوٹے صندوق اور برتن جسم پر میلے کچیلے کپڑے امیر وغریب کی کوئی تخصیص نہیں، سبزی منڈی کے بڑے بڑے سوداگر ملتانی ڈھانڈے کے جفاکش بندھانی، پہاڑ گنج کے غریب مزدور ایک جیسے نظر آ رہے تھے۔ سب کا لباس، غذا، بود و باش یکساں تھی

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمودؔ و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

کیا آپ کو یہ یقین آئے گا۔ کہ ملک انوار عظمت، رفعت جیسے لڑکے جن کو لینے کے لئے جامعہ میں موٹریں آیا کرتی تھیں چولھے کے پاس بیٹھے اُبلتی ہوئی دال کو دیکھ رہے تھے کہ اب ان کی غذا کنکھیاں ڈلوٹا ہوا چاول) اور اُبلی دال رہ گئی تھی۔ . . . مجبوراً سب کو یہی راشن مل رہا تھا۔ چند دنوں تک تو یہ حالت تھی۔ کہ ایک غریب سے غریب مفلوک الحال شخص بھی وہ زندگی نہیں گزارتا تھا جو لکھ پتیوں، ان کے عیش و نعمت میں پلے ہوئے بچوں اور عورتوں نے گذاری!! پینے کا پانی حاصل کرنے کے لئے کئی کئی گھنٹوں تک قطار میں کھڑا رہنا پڑتا تھا!! ستم بالائے ستم یہ کہ کئی دنوں تک موسلا دھار بارش کا سلسلہ جاری رہا، اسی عالم میں کہیں موت ہو رہی ہے تو کہیں بچہ پیدا ہوتا ہے کسی جگہ بوڑھی ماں اپنے نوجوان بیمار بیٹے کے لئے بے قرار ہے

تو کہیں بوڑھوں کو ہسپتال تک جانے کا سہارا بھی نہ رہا۔ ایسے میں ہیضے کی واردا تیں بھی ہونے لگیں، کھانے پینے، رہنے سہنے کی تکلیفوں کا حال تو آپ سن چکے، یہ تکلیف انتہا کو پہنچ جاتی ہے جب ہمیں یہاں کی غلاظت سانس لینے نہیں دیتی باوجود خندقیں کھدی رہنے کی کیمپ کے اطراف غلاظت کے ڈھیر دماغ کو چکرا رہے تھے۔ انسان میں مشکلیں سہنے اور ماحول کے مطابق بنانے کی اتنی لچک ہے کہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگ اپنے خیموں کے اطراف ہی رفع حاجت کر لیتے تھے۔ میں اس عالم میں نیا وہاں پہنچا تھا۔ قریب تھا کہ مجھے قے ہو جائے کہ ایک دوست (نبی احمد کیلاٹ) نے سگریٹ سلگا دی۔ میں نے اپنے دوڑے کو جاری رکھا!

تمام باتوں کو دیکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ سب مصیبتیں برحق ہیں لیکن سب سے زیادہ تکلیف مجھے اس بات سے پہنچی کہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ کے انسانوں کے مجمع نے اپنے آپ کو کس طرح بے بس بنا لیا تھا! ہر شخص شکایت کرنے میں پیش پیش تھا۔ کسی کو شکایت ہے کہ راشن رکھا ہے لیکن تقسیم کرنے والوں کی کمی ہے کسی کو شکایت ہے کہ تقسیم کے وقت لوٹ مار ہوتی ہے۔ بہت سے لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ یہاں بھنگیوں کی کمی ہے۔ لوگ پریشان ہیں کہ داد فریاد سننے والوں کی کمی ہے۔ حکومت "یہ نہیں کرتی وہ نہیں کرتی وغیرہ وغیرہ، حالانکہ اس آبادی میں وہ سب مسلمان موجود تھے۔ جو ان شکایات کا انتظام کر سکتے تھے۔ امن

کے زمانے میں جلسے جلوس کا انتظام کرنے والے تھے۔ تاجر تھے۔ ڈاکٹر تھے۔ منشی تھے، پڑھے لکھے لوگ تھے۔ کاریگر تھے۔ مزدور تھے۔ بہتر انتظام کرنے کے لئے جس قسم کے لوگوں کی ضرورت تھی وہ سب موجود تھے۔ لیکن کمی تھی تو تنظیم کی۔ گاندھی جی نے ساری عمر اس بات کی تبلیغ کی کہ آزادی حاصل کرنے کے لئے تخریبی اور تعمیری دونوں طرح کے کام ساتھ ساتھ چلتے چاہئیں۔ مبادا کوئی ایسا موقع آئے کہ تنظیم کی کمی کی وجہ سے ہمارا شیرازہ بکھر جائے۔ میں آج آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ تنظیم کی کمی کی وجہ سے کیا قیامت صغرا کا منظر پیش ہے اور ایک ہی دھکے میں ہمارا شیرازہ کس طرح بکھر گیا! آگے جانے سے پہلے یہ بتا دوں کہ وہ مسلمان جو یہ سمجھتے تھے کہ پاخانے صاف کرنا تو محض بھنگیوں کا کام ہے آج کس بری طرح سے محسوس کر رہے تھے۔ کہ قدرت نے ہمارے اس خیال کی اس طرح سزا دی ہے کہ ہمیں کچھ عرصے کے لئے سنڈاس میں بند کر دیا ہے وہ تو دعا دیجئے بوڑھی ماؤں کو کہ اپاہجوں کا فضلہ خود ہی کہیں پھینک آتی تھیں۔ جی چاہتا تھا کہ اس نئی آبادی کے ایک ایک حصے میں جاؤں وہاں لوگوں سے بات چیت کروں ہر قسم کے دو دو چار چار آدمیوں کی فہرست بناؤں۔ ان کا جلسہ بلواؤں ان میں سے کام چلانے والوں کی ایک کمیٹی بناؤں۔ باقی لوگوں کی رضا کار ٹولیاں ایک ٹولی تو آنے جانے والوں کا انتظام کرے۔ ایک ٹولی میر محلہ کی

مدد سے راشن تقسیم کرے۔ ایک ٹولی شکووں شکایت سن کر لوگوں تک پہنچائے۔ کچھ لوگ رفضلہ اٹھانے کا کام کریں کچھ باہیت الخلا کو صاف کریں، کچھ لوگ اس بات کی نگرانی کریں کہ ہر خیمے والا اپنا آس پاس صاف رکھے۔ ایک ٹولی اسپتال تک بیماروں کو پہنچانے اور ان کی دوا دارو کا انتظام کرتی۔ غرضیکہ جتنے جتنے کام سامنے آتے ویسی ویسی ٹولیاں بنتی جاتیں

گاندھی جی نے دہلی کے ہندو مسلمان کیمپوں کا دورہ کرنے کے بعد ان ہی باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک دن شام کی عبادت میں وہ فرماتے ہیں :۔

" بھائیو، بہنو! کل میں نے پناہ گزینوں کے کیمپوں کے بارے میں جو کچھ کہا تھا آج پھر اسی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ہمارے ملک میں کانفرنسیں۔ میلے اور دوسرے مذہبی جلسے وغیرہ ہوتے رہتے ہیں۔ میں ۱۹۱۵ء میں ہردوار کے میلے میں شریک ہوا تھا۔ سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کے پاس دیکھ بھال کا کام تھا۔ مگر مجھ پر یہ اثر ہوا کہ لوگ کیمپوں میں رہنا نہیں جانتے چھوت کی بیماری، گندگی۔ غلاظت مکھیاں شور وغل۔ بدانتظامی۔ بے ترتیبی عام طور سے دیکھنے میں آتی ہے۔ آپ کبھی ملٹری کیمپ کو دیکھئے اس میں کس قدر خوبیاں ہوتی ہیں۔ ہر چیز کی صفائی وقت کی پابندی۔

انتظام۔ یہ تمام چیزیں آپ سیکھ سکتے ہیں۔ وہ گھنٹوں میں کینوس کا ایک شہر تیار کرتے ہیں۔ ہمارے پناہ گزین بھائی بھی ایسی ہی راہ اختیار کر سکتے ہیں۔ خود صفائی کر سکتے ہیں کھانا پکانا۔ کپڑے دھونا۔ خندقیں کھودنا یہ تمام کام نہایت شان کے ساتھ کئے جا سکتے ہیں۔ ضروری تبدیلی ہاتھ پیر ہلائے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پناہ گزین آج کی مصیبت کو نہایت آسانی سے ٹال سکتے ہیں اور کوئی بھی ایک دوسرے پر بوجھ نہیں ہو سکتا۔ خود دیکھ بھال کی جا سکتی ہے مگر کس کر ایک دوسرے کی مدد کی جا سکتی ہے۔ میں آپ کی خامیاں آپ پر واضح کر کے آپ کی بہترین خدمت کر سکتا ہوں یہ میری زندگی کا ناتوڑ رہا ہے۔" (اخبار تیج۔ دہلی)

جیسا کہ آپ جانتے ہیں جامعہ نگر میں ان دنوں چھٹیاں ہیں جو لوگ رہ گئے ہیں وہ کچھ عرصے تو اپنے بچاؤ کے کام میں لگے رہے لیکن جب پرانا قلعہ اور ہمایوں کے مقبرے کے پناہ گزینوں کا معاملہ پیش آیا تو تھوڑی سی تعداد میں ہونے کے باوجود وہ اس کام کے لئے کمربستہ ہو گئے اور ان کی یہ مختصر سی جماعت پناہ گزینوں کو آرام پہنچانے کے لئے جو کچھ کر سکتی ہے وہ کر رہی ہے ان کے ذمے راشن کی تقسیم کا اہم کام ہے شمس الرحمٰن صاحب ان کے سپہ سالار ہیں۔ اسمٰعیل پٹیل صاحب نے تو اپنی ذمہ داری میں اس درجہ کمال پیدا کیا کہ آگے چل کر "نائب کیمپ کمانڈر" ہو گئے

گویا پٹیل صاحب کو اس نئی بستی کا ڈپٹی کمشنر کہنا چاہئے۔ ہمارے سکاؤٹ آرگنائزر محمد اخلاص صاحب صدیقی بار بار یاد آتے تھے۔ کہ اگر یہ ہوتے تو میری تجویز کے مطابق ان ہی پناہ گزینوں میں سے ان لوگوں کو جمع کر لیتے جو خدمت کے لئے تیار ہو جاتے، یہ کمی یوں پوری ہو گئی کہ جمعیتہ علما اور احراریوں کے رضاکاروں نے ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ کانگریس کے زیادہ سے زیادہ رضاکار اسپیشل پولیس میں بھرتی ہو کر شہر میں امن و امان قائم کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ یہاں بھی ہمارے جامعہ کے دو سابق طالب علموں کرشنا نائر اور شرما صاحب نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسپیشل پولیس کے افسروں کی خدمت انجام دی۔

پناہ گزینوں کے کیمپ کا ایک دوسرا رخ بھی ہے، آدمی میں یہی تو ایک بڑی خوبی ہے کہ وہ مصیبتوں کو جھیل کر پھر اس میں راحت کے سامان بھی پیدا کر لیتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے دکانداروں نے جب یہ دیکھا کہ ان کیمپوں نے نئی بستیوں کی شکل اختیار کر لی ہے تو انھوں نے بھی عارضی دکانیں کھولنے کے سامان پیدا کر لئے۔ بس پھر کیا تھا، سب طرح کی دکانیں کھل گئیں۔ کہیں روٹی چاول بک رہے ہیں تو کہیں زردہ کہیں پان سگریٹ کی دکانیں ہیں تو کہیں چوڑیوں کی، چائے کی دکانوں کا تو کچھ نہ پوچھئے۔ ہر چار قدم پر چائے بیچنے والا نظر آتا ہے۔ لوہر سستی چائے یعنی ایک آنہ پیالی بیسب

کچھ اس لئے ممکن ہوا کہ شہر میں تو مسلمانوں کے لئے کاروبار بند ہو گیا تھا۔ دکانوں کا حال یہاں اونے پونے یوں بکنے لگا۔ کھانے پینے کا ذکر آیا ہے تو بلیماران کے فیاض لوگوں کی اس فیاضی کا ذکر بھی کردوں کہ اس محلے کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں ڈٹے ہوئے تھے۔ انھوں نے مصیبت زدہ بھائیوں کے لئے یہ انتظام کیا تھا کہ روزانہ پلاؤ کی دیگیں پکا کر کیمپوں میں بھجواتے تھے۔ جو باری باری لوگوں میں تقسیم ہوتا تھا گویا راشن میں اُبلے دال چاول کھانے والوں کے لئے یہ کھانا دعوت کا کام دیتا تھا

حسین صاحب۔ دہلی کے پناہ گزینوں کی جو بپتا میں نے سنائی ہے یہی حال مغربی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کا ہوا ہوگا ورنہ اپنا گھر بار چھوڑ کر کون جاتا ہے! یہ لوگ خوب اچھی طرح اپنے کام پر جمے ہوئے تھے ان میں اکثر لوگ خوش حال اور بہت سے دولت مند تھے۔ اپنے کاروبار کو بنانے میں انھوں نے اپنی عمر صرف کی تھی۔ کئی پشتوں سے کاروبار چلا رہے تھے انھوں نے نوآبادیاں بسائیں۔ کوٹھیاں اور حویلیاں بنائیں۔ نہریں تعمیر کیں، باغ لگائے، نمونے کے شہر آباد کئے، ڈاکٹری اور وکالت کے سلسلے میں اپنی پریکٹس چلائی۔ دکانوں، ساہوکاروں کی کوٹھیوں اور بنکوں کو ترقی دی، کاموں میں مہارت پیدا کی مزدوروں کو کام سکھلایا اپنے گاہکوں کا حلقہ بنایا۔ زمینداریاں اور جائدادیں پیدا کیں۔ ملازمت میں ساکھ اور اعتبار قائم کیا۔ کھیتوں کو زرخیز بنایا۔ سونا اگلوایا۔ ان سب چیزوں کو چھوڑ کر جانا

پڑا!

اب نئی جگہ میں نیا ماحول ہے اور طرح طرح کی مشکلیں ہیں کام کو از سرِنو شروع کرنا ہے۔ بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا سلسلہ چھوٹ گیا۔ دوستوں اور واقف کاروں سے جدا ہو گئے۔ ایک جگہ سے اکھڑا ہوا پودا دوسری جگہ لگایا جائے گا۔ یہ پودا جڑ پکڑ سکے گا؟ وہ ایسا ہی مضبوط اور تناور درخت بن سکے گا۔ جیسا پرانی زمین میں تھا، یہ تو مستقبل ہی بتلا سکے گا

۱۷ ستمبر۔ بدھ

جہاں تک خبروں کا تعلق ہے، پچھلے چند دنوں سے کوئی خاص خبر سننے میں نہیں آ رہی ہے، البتہ اکا دکا واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اگر لوگوں کے سامنے مغربی اور مشرقی پنجاب کی تباہی کا منظر نہ ہوتا تو دہلی میں اتنا کچھ ہونے پر بھی آپ یہ سن لیتے کہ تمام کاروبار معمول کی طرح جاری ہے اور قصہ آیا گیا ہوتا مگر اس دفعہ حالات معمول پر آنے کے لئے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ لگے گا۔ حالات معمول پر لانے کے لئے بسوں اور ٹراموے کا اجرا بھی مدد دیتا ہے۔ مگر اس دفعہ ان کے تمام مسلمان ملازم یا تو کیمپوں میں ہیں یا گھروں میں بند ہیں۔ اس لئے چہل پہل کا ایک بڑا ذریعہ رکا پڑا ہے۔ تاہم تھوڑے وقت کے لئے یہ دونوں سواریاں کام کرتی دکھائی دیتی ہیں

اب تک میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا سیاق و سباق خبروں سے تھا۔ اب میرے سامنے صرف وہ مسائل ہیں جو پچھلے دنوں کے قتل

غارتگری نے پیدا کر دئے ہیں مثلاً فسادات میں دہلی کا نقصان مسلمانوں بھ کے پیر کیوں آ کھڑے۔ تبادلۂ آبادی فسادات اور جامعہ۔ ہندوستان اور پاکستان میں امن کی کوششیں، اب کیا ہو وغیرہ، خبروں کے تعلق کے ساتھ میں نے جہاں تہاں ان چیزوں کے بارے میں اشارتاً کچھ لکھا بھی ہے اب جب کہ مطلع صاف ہو گیا ہے لوگوں کے بیانات خیالات تقریریں دوستوں کے خطوط اور آنے جانے والوں سے ایک دوسرے کا حال خود اپنا شاہدہ سامنے ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ہر ایک موضوع پر کچھ لکھوں لیکن ایک مشکل یہ ہے کہ اوکھلا گاؤں کا بنیادی مدرسہ جو فسادات کے زمانے میں دس دن کے لئے بند ہو گیا تھا، آج سے کھل گیا ہے میں معمول کی طرح مدرسے میں کام کرنے لگا ہوں اس لئے روز کا روزنچہ لکھنا مشکل ہے۔ اچھا تو یوں کرتا ہوں کہ اب میں تاریخ وار نہ لکھوں گا بس مواد جمع کرتا رہوں گا اور جب بھی موقع ملے کچھ باتیں موضوع وار آپ کے سامنے رکھوں گا۔

۲۔ تبادلۂ آبادی کا پس منظر

یہ سب کچھ سننے کے بعد حسین صاحب آپ سوچتے ہوں گے کہ دلی میں چند دنوں کے اندر اندر مسلمانوں کے پیر کیوں اکھڑے؟ حالانکہ یہ وہی دلی ہے کہ جب کبھی یہاں فرقہ وارانہ جھگڑے ہوئے تو چند دنوں میں امن ہوجاتا مگر سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ ان وجوہات پر نظر ڈالیں تو مجھے اس طرح نظر آتی ہیں

تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کی مرکزی قوت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ پاکستان کے علاقے کے مسلمانوں کا عمل دخل ہند کی حکومت میں نہ رہا۔ مسلم لیگ کے بیشتر رہنما جن کی حیثیت "کل "ہند" کی تھی پاکستان میں مقیم ہوگئے اور وہاں کی حکومت سے اس طرح وابستہ ہوگئے کہ وہ ہند میں دوسرے کروڑ مسلمانوں کے لئے کوئی کام نہیں کرسکتے تھے۔ تقسیم میں ایک غلطی یہ بھی ہوئی کہ جتنے مسلمان ملازم ہیں خصوصاً عہدہ داران سبھوں نے اپنے آرام اور "روشن مستقبل" کو دیکھ کر پاکستان کی راہ لی۔ فوج کی تقسیم میں بھی غیر مسلم فوجی ہندوستان میں آ گئے اور مسلمان پاکستان چلے گئے۔

گویا کسی جماعت کی پشت پناہی کے لئے جتنی طاقتیں ضروری ہیں وہ سب پاکستان میں منتقل ہوگئیں۔ اس انجام کو کسی نے نہیں سوچا کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی کثرت ہے خواہ ہندوستان ایک ہی رہتا ان کے لئے کسی خاص تحفظ کی ضرورت نہیں تھی ان کے لئے تو ہر حال میں بنا بنایا

پاکستان تھا۔ ہندستان کی اسکیم میں دفاع، امورِ خارجہ، رسل ورسائل کے علاوہ سارے اختیارات صوبوں کو تھے۔ پاکستانی صوبوں کو نہ طاقت کا ڈر تھا نہ زبان کے بدلنے کا اندیشہ، نہ مذہبی معاملات میں دخل اندازی کا سوال تھا نہ تعلیم میں کسی کے دخل کا۔ اگر ان چیزوں میں سہارے کی ضرورت تھی تو کم گنتی والے صوبوں کے مسلمانوں کو مگر یہ سہارے پاکستان منتقل ہوگئے اگر پاکستان کا مطالبہ جائز تھا تو یہ تحریک صرف اُن ہی صوبوں کے مسلمانوں کو چلانی چاہیئے تھی جہاں پاکستان بنا ہے۔ اقلیت کے صوبے کے مسلمان اگر اس چکر میں نہ آتے تو اس وقت ان میں برائی کا خاتمہ کرنے کے لئے کئی طرح کی طاقتیں پیدا ہو جاتیں!

فرقہ پرستی کے زہر نے اثر پھیلا دیا تھا جب ہند کی تقسیم ہوئی تو دونوں فریقوں کے خاص خاص علاقوں کے لوگوں نے جی بھر کر بدلہ لیا جس کا اثر دہلی پر بھی پڑا۔ پنجاب میں جو تکلیف دہ واقعات ہو رہے تھے اُن کا اثر پھیل رہا تھا۔ ہر طرح کے حادثات سننے میں آرہے تھے جس سے لوگ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ ایسی ہی بپتا ہم پر پڑے تو کیا ہوگا۔ صوبہ دہلی پنجاب کی سرحد سے ملا ہوا ہے بلکہ ایک زمانے میں اُسی کا حصہ تھا اسی لئے دہلی کے سب لوگوں نے اس بے چینی کو محسوس کیا

دہلی میں پناہ گزینوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی تھی یہ وہ لوگ تھے جو لٹ لٹا کر آئے تھے اور مفلوک الحال تھے اس لئے ان کے دل میں نفرت اور غصہ بھرا ہوا تھا۔

مکانوں کی قلت دہلی میں ویسے بھی ہے۔ پناہ گزینوں کے آنے سے یہ معاملہ اور بھی اہمیت پکڑ گیا جہاں کہیں مکان خالی نظر آتا (خواہ اس کے مکین چند دنوں کے لئے باہر گئے ہوں) پناہ گزینوں کی نظریں اس پر جاتی تھیں چنانچہ جھگڑے کی ابتدا سبزی منڈی میں ایک مکان پر قبضے سے شروع ہوئی۔ دوسرا واقعہ مکان ہی کے سلسلہ میں قرولباغ میں ہوا۔ فسادی عنصر نے پہلے سے اندازہ لگا لیا تھا کہ پنجاب کے طوفان سے دہلی کا بچنا بہت مشکل ہے اس لئے اس موقع پر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ باقاعدہ جنگ ہو تب تو بہت کچھ انتظامات اور اہتمام کرنے پڑتے ہیں لیکن فساد کے لئے چند شوریدہ سر لوگوں کا جان پر کھیل جانا کافی ہوتا ہے کیونکہ ان کا بڑا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ ابتری پیدا کر کے دہشت پھیلائیں۔ چونکہ اوپر کی وجوہات ان کے موافق تھیں۔ لوٹ سے مال کا لالچ تھا اور لوگوں کو بسنے کے لئے مکانات کی ضرورت تھی اس لئے فسادات تیزی سے پھیلے

حکومت ہند کو انتظامات سنبھالے دو ہی ہفتے ہوئے تھے لیکن بگڑے ہوئے کاموں کو سنبھالنے کے لئے بہت سی ذمہ داریاں اس کے سامنے تھیں۔ مثلاً مشرقی اور مغربی پنجاب میں پناہ گزینوں کا تبادلہ، خوراک کی نازک حالت۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ملازمین کا تبادلہ، فوج کی از سر نو تنظیم، یہ سب کام سامنے تھے نیز مشرقی پنجاب میں صوبے کی حکومت قائم نہ ہو سکی تھی جس سے

وہ صوبے کی حالت کو سنبھال لیتی۔ ایک مشکل یہ آپڑی تھی کہ فوج اور پولیس کے کچھ لوگ بھی پنجاب کے واقعات سے متاثر تھے کیونکہ ان میں سے بیشتر یا تو اسی علاقے کے رہنے والے تھے یا ان کے رشتہ دار وہاں تھے چنانچہ ایسے فوجیوں اور پولیس والوں نے بھی چشم پوشی سے کام لیا۔ . . .

. . . .

. . . . چنانچہ مسلمانوں کو فوج، پولیس اور اس کے انتظامات پر بھروسہ نہ رہا۔ حکومت نے مدراس رجمنٹ اور گورکھا رجمنٹ کو بلوا کر امن قائم کرنے میں مدد لی

فسادیوں کی ایک نیت یہ بھی تھی کہ دہشت پھیلا کر لوگوں کو اُن کے گھروں سے نکال دیں پھر خالی گھروں کو لوٹ لیں . . . .

. . . .

. . . . کیمپوں کے قائم ہونے کی وجہ سے لوگ اپنے گھربار چھوڑ چھاڑ کر جانے لگے۔ خبروں میں کیمپوں کا بار بار ذکر آرہا تھا۔ اس لئے لوگوں پر اس کا نفسیاتی اثر پڑا کہ جب اور سب گھر خالی کر رہے ہیں تو ہم کیوں نہ جائیں۔ یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر مسلمانوں کے پیر اکھڑے . . . .

. . . .

پاکستان اور ہندوستان دونوں جگہ بعض ملازمین . . . . . کی حمایت اقلیت کے فرقے کے لئے مہلک ثابت ہوئی اگر

حکومت اور عوام کے لیڈر اس نئی صورت حال کو دبانے کے لئے کوشش نہ کرتے تو یہ تشدد اور قحط دونوں مل کر ہندوستان اور پاکستان دونوں کی کمر توڑ دیتے۔ مگر بقول گاندھی جی قدرت ایک حد تک جنوں کو کام کرنے دیتی ہے پھر وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتی ہے کہ جنوں کا یہ چکر ختم ہو جاتا ہے، چنانچہ بعد کی تاریخوں میں آپ دیکھیں گے کہ ایسا ہی ہوا۔ مہاتما جی کے دل کا وہ کون سا گوشہ ہے جہاں صداقت چھپی رہی۔ سرکاری ملازمین۔ . . . . . کی طرف داری حکومت پر ایک بڑا الزام تھا، لوگ عام طور پر اپنے لوگوں کے عیب بیان کرنے میں چپ سادھ لیتے ہیں لیکن ایک دن گاندھی جی نے اپنی شام کی عبادت میں کہا:۔

"اس بات کی شکایتیں بار بار مل رہی ہیں کہ مسلمانوں کو ہندوستان کی یونین میں اپنے باپ دادا کے گھروں کو چھوڑنے اور پاکستان جانے کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ مرکزی وزارت کی یا ہندوستان کے کسی صوبے کی وزارت کی یہ پالیسی نہیں ہے۔ جب میں شکایت کرنے والوں سے یہ بات کہتا ہوں تو وہ میری بات پر ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا تو مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ غلط ہے یا سرکاری افسر اور ملازم وزارت کے حکم کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ بالکل ٹھیک ہے

(یعنی حکومت کی پالیسی ایسی نہیں ہے) تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے
کہ سرکاری ملازم وفاداری سے کام نہیں لے رہے ہیں۔ ان
کے وفاداری سے کام نہ کرنے کے کئی وجوہ بتلائے جاتے
ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ فوج اور پولیس کو فرقہ وارانہ
اصولوں کی بنا پر بانٹا گیا ہے (جس کی وجہ سے لحاظ اُٹھ گیا ہے)
اور آج کل جو فرقہ وارانہ تعصب پھیلا ہوا ہے وہ ان میں بھی
پیدا ہو گیا ہے

میں اپنی یہ رائے ظاہر کر چکا ہوں کہ اگر یہ سرکاری ملازمین
جن پر امن و قانون کی حفاظت کا دار و مدار ہے فرقہ پرستی کے
اثر میں آ جاتے ہیں تو حکومت کا نظم و نسق ختم ہو جائے گا
اور بدامنی و ابتری پھیل جائے گی۔ اگر حکومت کے نظام کو قائم رکھنے
کی کوشش نہ کی گئی تو سماج میں گڑبڑ پیدا ہو جائے گی۔ مجھے
امید رکھنی چاہئے کہ یہ صورت حال زیادہ عرصہ قائم نہ رہے گی"
(اخبار تیج دہلی مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۸ء)

فرقہ پرستی کے زہر نے انسانوں انسانوں کے درمیان جو خلیج حائل
کر دی تھی اس کا تصور بڑا دل خراش تھا اس فضا میں جب کبھی ایسے
واقعات سننے میں آئے کہ ایک نے دوسرے کو بھائی جانا اور اس
پر اعتبار کیا تو بے اختیار دل بھر آیا گویا انسانی فطرت بھوکی تھی اس
غذا کے لئے۔ آج جب ہندو مسلمانوں پر یکساں ایسی بپتا پڑی ہو

تو دوستی اور محبت کے قصے، افسانے نظر آنے لگے ۔ دہلی کے ایک صاحب . . . . نے تیج کے اڈیٹر کے نام ایک خط لکھا ہے یہاں اسے نقل کرتا ہوں اس سے گذشتہ اور آج کل کے زمانے کا فرق سامنے آتا ہے :۔

" مکرم بندہ جے ہند ۔ آج بہت عرصہ کے بعد جناب کو تکلیف دے رہا ہوں ۔ وہ بھی اس تخیل کے ساتھ کہ ہم دہلی والوں میں ہمیشہ پاس وضعداری رہی ہے ۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بلا امتیاز مذہب کس قدر بھائی چارہ تھا ۔ کوئی ڈبل بدل بھائی ہوتا تھا تو کہیں راکھی باندھ کر بھائی بہن کا رشتہ قائم کیا جاتا تھا اور پھر رشتہ اس قدر مستحکم ہوتا تھا کہ نسلاً بعد نسلاً قائم رہا کرتا تھا مگر آج ہماری قسمت ملاحظہ کیجئے کہ ہم وہی ہیں مگر صرف فرق اتنا ہے کہ پہلے ہم آپس میں بھائی بھائی تھے اور آج ہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں ۔ یہ کیوں ہوا ، کس نے کیا ۔ اس پر غور کرنے کا فائدہ! نہ اس ملک کا بٹوارہ ہوتا اور نہ ہمیں یہ دن دیکھنا پڑتا ۔ بس اب تو دہلی میں مسلمان ہونا ہی جرم ہو گیا ۔ خیر اللہ کی مرضی جو بھی اس کا نتیجہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ جب دہلی والے کو دہلی چھوڑنے کا خیال بھی ہوتا ہے تو یہ اس کے لئے ناقابل برداشت تکلیف کا باعث بن جاتا ہے ۔ اس کے

دل پر سانپ سا لوٹ جاتا ہے۔ ہم تو مخلوط حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے مگر ان سب کا نتیجہ کیا نکلا کہ آج مسلمان پانچویں کالم میں شمار ہے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ ایسا کیوں ہوا!

کیا یہ سب کچھ حکومت برطانیہ کے . . . . نہیں

اگر یہ سب کچھ صحیح ہے تو کیا مسلمان اب جب کہ اس کی آنکھیں کھل گئی ہیں ہندوستان میں عزت کی زندگی بسر کر سکتا ہے!

. . . . اس نے جو . . . . غلطی کی ہے اب فطرت کی طرف سے اس کی سزا یہی ہے کہ اس کو دیس سے نکال دیا جائے۔ کون مسلمان ایسا ہوگا کہ جو خوشی سے ہندوستان سے چلا جائے مگر کیا کیا جائے اس مقدر کو باوجود مہاتما گاندھی جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد جیسے مہا پرشوں کی ان تھک کوشش کے ہائے مقدر . . . . . ہرگز نہیں چاہتے کہ وہ ہماری سابقہ غلطی جو حقیقت میں حکومت برطانیہ کی پالیسی کی وجہ سے ہمارے لئے ایک حسین دھوکا تھا درگذر کر کے اپنے بھائیوں کی طرح ہندوستان میں امن سے رہنے دیں اور ہم کو ایک بار موقع دے کر دیکھیں تاکہ ہم حکومت ہند کی خدمت کر کے اپنے گناہوں کا کفارہ دے سکیں مگر شائد یہ ہماری قسمت میں نہیں

. . . .

. . . . ہم بادل ناخواستہ اپنے پیارے

وطن کو خیر باد کہنے کے لئے مجبور ہیں۔ آپ سے دیرینہ تعلق کی بنا پر امید ہے کہ میرے اس خط کو اخبار کے قیمتی کالموں میں جگہ دے کر مشکور فرمادیں گے تاکہ کم از کم میرا ضمیر مطمئن ہوجائے کہ میں نے اپنے ہم وطن بھائیوں کے کان تک اپنے دل کی پکار پہنچادی ہے اور پھر میں سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کی نادانستہ غلطی کی سزا بھگتنے کو تیار ہوجاؤں اور اپنے مادر وطن کو خیر باد کہنے سے قبل میرا ضمیر مطمئن ہوجائے اور میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔ اب میں آپ سے رخصت چاہتا ہوں . . . .

. . . .

. . . . میں

جہاں بھی ہوں گا ہندوستان کی ترقی کے لئے دل سے دعا کرتا رہوں گا اور مجھے موقع ملا تو دیس کی خدمت سے بھی گریز نہ کروں گا۔ چاہے میرے ہم وطن میری خدمات قبول کریں یا نہ کریں۔ یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میں مجبوراً اپنے دیس کو خیرباد کہہ رہا ہوں۔

آخر میں، میں آپ سے سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے یہ اور تحریر کردوں کہ میرا آپ کو خط لکھنے سے سوائے اس کے اور کوئی مقصد ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ

میں اپنے ضمیر کو مطمئن دیکھنا چاہتا ہوں وہ اسی شکل میں ممکن ہے کہ میرے دل کی پکار میرے برادران وطن سن لیں۔

میں خود حاضر ہوتا مگر واقعات (کمزوری انسان یعنی زندگی سے محبت) مجبور کر رہے ہیں کہ میں حاضر نہ ہوں یہ ضرور ہے کہ اگر مجھے دہلی سے جانا پڑا تو ایک مرتبہ جانے سے قبل درشنوں کے لئے حاضر ہوں گا کہ بس ہم دہلی والوں کی یہی وضع داری ہے۔"

جے ہند

(اخبار تیج دہلی ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

۳۔ تبادلۂ آبادی

ہندوستان اور پاکستان کے وہ علاقے جہاں تباہی بڑے پیمانے پر ہوئی ہے وہاں کے لوگوں کا جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر جانا، اُدھر سے اِدھر آنا ایک قدرتی بات ہے۔ جس طرح فسادات سے پہلے اتنی بڑی تباہی کا کسی کو گمان نہ تھا اسی طرح تبادلۂ آبادی کا یہ تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں تھا۔ جب پنجاب اور سرحد کا معاملہ حد سے آگے بڑھا تو دونوں حکومتوں کے نمائندوں نے لاہور میں ایک جلسہ کر کے طے کیا کہ مغربی پنجاب اور سرحد کے ہندو اور سکھ ہندوستان آجائیں اور مشرقی پنجاب کے مسلمان پاکستان چلے جائیں۔ ۳۰ر جون ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد ہی مولانا آزاد نے ایک تجویز لوگوں کے سامنے رکھی تھی کہ دونوں پارٹیاں یعنی کانگریس اور مسلم لیگ اپنے نمائندوں کی ایک کمیٹی اس بات کے لئے مقرر کردیں کہ وہ دونوں مجوزہ حکومتوں میں رہنے والی اقلیتوں کے مسائل طے کر کے ان کا اعلان کردیں۔ مگر مولانا کی تجویز پر کسی نے توجہ نہ دی۔ اور بعد میں وہ سب کچھ ہوا جن پر مولانا جیسے نگاہ رکھنے والے لوگوں کی نظر ہی جا سکتی ہے۔

دہلی گو چھوٹا سا صوبہ پنجاب سے ملحق ہے اس لئے

فسادات اور تبادلۂ آبادی کا اثر اس پر بھی پڑا اور یو پی کے مغربی اضلاع جن کی سرحد پنجاب سے ملتی ہے وہاں بھی کچھ شورش ہوئی اس میں کوئی شک نہیں کہ دہلی شہر کے محلے سبزی منڈی قرول باغ اور پہاڑ گنج میں زیادہ تباہی ہوئی ہے اس لئے وہاں کے بیشتر لوگ پاکستان چلے گئے مگر دوسرے لوگ اور مغربی یو۔پی کے مسلمانوں کا پاکستان جانا سمجھ میں نہیں آتا ہے ہجرت تو جان بچانے کی آخری تدبیر ہے۔ اس سے پہلے اور تدبیروں پر عمل کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ دہلی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہاں مسلمان جمے رہنے کے لئے تیار تھے۔ مگر امن کے بعد جو نئی مشکلات پیدا ہو گئیں ان پر قابو پانا بس کی بات نہیں تھی مثلاً ملازم پیشہ لوگوں کا کارخانوں میں دوبارہ کام پر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ہندو، دکانداروں کے ہاں سے کئی مسلمان علیحدہ ہو گئے۔ دہلی کے کاریگروں کا روزگار مندا پڑ گیا تھا خالی مکانات پر قبضے کی وارداتیں جاری تھیں اس لئے لوگ پاکستان جانے پر مجبور تھے۔ ان کا حل یوں نکل سکتا تھا کہ محلے کے مالدار لوگ اپنے اپنے محلوں میں اعلان کر دیتے کہ لوگوں کے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ گھر بیٹھے کھاتے رہیں جن کے پاس نہیں ہے ان کی مدد ہم کریں گے۔ اس طرح مہینہ دو مہینے کے لئے اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیتے اور ان کے نمائندے کانگریس اور حکومت کے ذمہ دار لوگوں سے مل کر محلہ کے بچاؤ کا خاطر خواہ انتظام کرتے پھر نوکریوں کا مسئلہ روزگار کا مسئلہ وغیرہ، ان کے لئے حکومت کی مدد

سے اپنے لئے راہ پیدا کر لیتے۔ مگر دولت کا کسی اچھے مقصد اور منظم طریقے سے خرچ ہونا بہت کم لوگ برداشت کرتے ہیں یوں سٹہ بازی میں لاکھوں کی دولت تباہ ہو جائے تو اسے من جانب اللہ سمجھ کر صبر کریں گے۔ لیکن دولت اور جان و مال کے تباہ ہونے سے پہلے جو فوری فرائض سامنے آتے ہیں۔ ان کے لئے فرار کی راہ اختیار کرنے کی تدبیریں سوچیں گے۔ یہ تو تھی دولت مند لوگوں کی بات اب لیڈروں کو لیجئے۔ لیڈر کو وہ آخری آدمی ہونا چاہئے جو جان دینے یا بھاگنے کے لئے آمادہ ہو اس سے پہلے لوگوں کے خطرات، تشکلات و دیگر مسائل کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کے درمیان رہنا چاہئے۔ ورنہ یہ خوب تحریک ہوئی، خوب تنظیم ہوئی کہ جب صاف راستہ چلنے کا زمانہ تھا تو آگے آگے تھے اور جب ٹیڑھی اور خاردار راہیں آئیں تو اپنے پیروں کو بھول بھلیوں میں چھوڑ کر چلتے بنے، اگر انتخاب کے وقت ۹۵ فیصدی مسلمانوں کو اپنا لیا تھا تو مصیبت کے وقت بھی ان کے درمیان رہ کر کام کرتے نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ لوگ جو ہمایوں کا مقبرہ اور پرانا قلعہ میں جمع ہو گئے۔ ان کا انتظام اُن ہی کھدر پوش "غدار" مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ جن کو لوگ "نیم مسلمان" "نیم ہندو" کہتے تھے۔ اگر یہ لوگ بھی دو قوموں کا نظریہ مان لیتے اور کانگریس کے ساتھ نہ رہتے تو مشکلات کہاں سے کہاں پہنچتیں! چنانچہ اسی دہلی میں سرکردہ مسلمانوں کی ایک جماعت نکل آئی جس نے تہیہ کر لیا کہ چاہے جان چلی جائے

مگر ہندوستان میں رہ کر اپنے آپ کو یہاں کا باشندہ ثابت کریں گے۔ ارادہ کرنے والوں میں جامعہ کے لوگ بھی ہیں۔ لوگوں کے ارادوں میں جان ڈالنے اور ان میں ثابت قدم رکھنے کے لئے جامعہ کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے ایک موقع پر ذاکر صاحب نے فرمایا:-

"بعض قتل ایسے ہوتے ہیں جن پر قاتل شرماتے ہیں اور مقتول فخر کرتے ہیں۔ بعض قتل ایسے ہوتے ہیں جو پوری زندگیوں پر بھاری ہوتے ہیں۔ بعض قتل گرتی ہوئی قوموں کو سنبھال لیتے ہیں۔ جامعہ کے لوگ اگر ایسے مقتولوں میں داخل ہو جائیں تو وہ کام کر جائیں گے جو پچھلے سب سوں پر بھاری ہوگا۔

پوری تقریر تو وہاں درج کروں گا جہاں جامعہ کی تحریک، اس کی مشکلات، اس کے لوگوں کے حوصلوں کا ذکر ہوگا

جہاں تک حکومت کی کوششوں کا تعلق ہے۔ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک پریس کانفرنس میں حکومت ہند کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے حکومت کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:-

"صوبہ متحدہ کے مسلمان باشندوں کو باہر بھیجنے کا کبھی کوئی سوال نہ تھا جب تک کہ وہ خود جانے کی خواہش نہ کریں جہاں تک میرا علم ہے یو۔ پی سے کوئی باہر نہیں جا رہا ہے۔ سوائے ان چند مسلمانوں کے جو مشرقی پنجاب سے یو۔ پی میں آ گئے ہوئے تھے اور جن کو پنجاب کی نیا دلہ آبادی سے متعلق سمجھا جائے گا

ہم میں سے کوئی بھی یہ تصور نہیں کرتا تھا کہ کسی وقت

بھی آبادیوں کا اتنا بڑا تبادلہ کیا جائے گا۔ شاید یہ ہمارے اندازہ کی غلطی تھی۔ لیکن یہ معاملہ بھی شل اور مختلف واقعات کے جو پنجاب میں ہوتے ہمارے سر آپڑا اور ہم اس کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہوگئے۔ جیسے جیسے ایک طرف سے دوسری طرف کو آبادی کا تبادلہ شروع ہوا یہ بات دشوار ہوتی چلی گئی کہ آبادیوں کے چھوٹے گوشے باقی رہ جائیں۔ اس وجہ سے ہم کو تمام پنجاب کو ایک علاقہ قرار دے کر یہ طے کرنا پڑا کہ مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب کے تبادلۂ آبادی کو ایک ہی مسئلہ قرار دیا جائے اور اس میں ہم نے صوبہ سرحد کو اور شامل کر دیا۔ اس کے علاوہ دوسرے علاقوں میں یہ معاملہ انفرادی ہے۔ جو لوگ جانا یا آنا چاہیں ان کو جانے یا آنے کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی

اگر اس تبادلۂ آبادی میں بقیہ ہندوستان کو بھی شامل کیا جائے تو ایک خوفناک اور ناقابل حل مسئلہ ہو جائے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہ عارضہ ہندوستان میں پھیلے۔ دونوں سلطنتوں کی وفاداری کے متعلق سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر حکومت اپنے باشندوں سے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یعنی چاہے وہ ہندوستان کے مسلمان، ہوں یا پاکستان کے ہندو، یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ اس کے

وفادار ہوں گے۔ فی الحال یہ کہنا مشکل ہے بالآخر ایک فرد کی کیا قومیت ہوگی کیونکہ ہم اس وقت ایک عارضی دور سے گزر رہے ہیں لیکن رفتہ رفتہ قومیت کا تعین کرنا ہی پڑیگا بہر حال وہ لوگ جو کسی ایک حکومت میں رہتے ہیں۔ ان سے اس حکومت کا وفادار رہنے کا مطالبہ کیا جائے گا اور ان کو وفاداری کا اظہار کرنا چاہئے ورنہ ان کو غیر ملکی قرار دیا جائے گا اور وہ ملکیوں کے حقوق سے محروم رہیں گے۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے ہم نے نہایت وضاحت سے اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ ہم کسی ایسی سلطنت کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو فرقہ وارانہ یا مذہبی سلطنت کہلائے ہم تو صرف ایک غیر مذہبی غیر فرقہ وارانہ حکومت کا تصور کر سکتے ہیں جس میں ہر فرد کو خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو برابر کے حقوق اور اختیارات حاصل ہوں۔ فطرتاً ایسی حکومت میں آبادی کی بڑی اکثریت کے تہذیبی نقطۂ نظر کو برتری حاصل ہوگی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ کسی شخص کو خاص اختیارات یا حقوق حاصل ہوں۔ صرف اس بنا پر کہ وہ کسی ایک خاص مذہب کا پیرو ہے اور نہ اس بنا پر کوئی شخص حقوق سے محروم کیا جا سکتا ہے ہم غیر مذہبی اور جمہوری حکومت چاہتے ہیں یہی ہمارا مطمح نظر ہے۔

اور ۶۵ برس سے جب سے کانگریس کی ابتدا ہوئی کانگریس کا
بھی یہ مقصد رہا ہے اور ہم اب بھی اس کے پابند ہیں۔ ابھی
حال میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اس نصب العین کی دوبارہ
تصدیق کی ہے۔ اس میں مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ ہم غیر
مذہبی اور جمہوری حکومت چاہتے ہیں۔ ان حالات میں اور
اپنے اس بنیادی اصول کی بنا پر ہم اس بات کا تصور نہیں
کر سکتے کہ لوگوں کو ہندوستان سے صرف اس وجہ سے باہر
نکال دیں کہ وہ کسی خاص مذہب کے پیرو ہیں۔ یہ بات ایک
جمہوری غیر مذہبی اور غیر فرقہ دارانہ حکومت کے اصول کے
بالکل منافی ہے"۔

دہلی کے متعلق پنڈت جی نے فرمایا "کہ یہاں سے بہت
سے مسلمان جا چکے ہیں۔ اولاً وہ لوگ جو یا تو خود پاکستان
گورنمنٹ کے ملازم تھے یا ان کے متعلقین تھے۔ دوسرے وہ
جنھوں نے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اب بھی بہت لوگ ہیں
جو غالباً جانا چاہتے ہیں۔ جو رہ گئے ہیں ہمیں امید ہے وہ دہلی
میں اسی طرح رہیں گے جیسے پہلے سے رہتے ہیں۔

اس وقت دہلی کے تین یا چار حصے ایسے ہیں جہاں
بہت سے مسلمان رہتے ہیں اور ہمیشہ سے رہتے آئے
ہیں۔ ان کے متعلق کوئی دشواری نہیں ہے۔ جو لوگ

ان محلوں سے باہر آگئے ہیں وہ ان میں واپس چلے جائیں۔
دہلی کے دو یا تین حصے جو زیادہ تر مسلمان آبادی کے محلے ہیں
ان کو اس بدامنی میں بہت نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی ہونی چاہئے
یہ بات کہ ان محلوں کا مستقبل واقعی طور پر کیا ہوگا۔ سوچنی پڑیگی
دہلی میں جو کچھ بھی انتظام کیا جائے وہ اس قسم کا ہونا چاہئے
جس سے یہاں امن و اتفاق بڑھے اور جس سے باہمی تصادم
نہ ہو۔ دہلی کے اُن باشندوں کو جو شہر میں واپس آنا چاہیں
اُن کے علاقوں میں بسانا بہتر ہوگا۔ جہاں ایسا کرنے میں
دشواری ہو تو سر دست دوسرے علاقوں میں بسا دیا جائے
اور اہل محلہ اور دوسرے لوگوں کے تعاون سے ان کے
لئے جگہ نکالی جائے لیکن یہ بات صاف طور پر سمجھ لینی چاہئے
کہ ہماری یہ پالیسی ہے کہ پُرانی دہلی کے باشندوں کو دہلی
میں رکھا جائے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ خود باہر جانا
چاہیں۔ (ایک پمفلٹ سے اقتباس)

جیسا کہ میں نے پچھلی تاریخوں میں کہا ہے حکومت ہند کی اس پالیسی کے مطابق دہلی کے ذمہ دار لوگ اس افراتفری کی حالت سے لوگوں کو روک رہے ہیں اوپر کا اقتباس میں نے ایک ایسے پمفلٹ سے لیا ہے جو یہ لوگ (مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمن سید عزیز حسن بقائی، محمد جعفری، حافظ محمد نسیم، سلطان یار خاں،

ہلال احمد زبیری۔ عتیق الرحمٰن عثمانی، ایس۔ ایم عبداللہ، شہر میں تقسیم کروا رہے ہیں۔ بعد کی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ ۱۰ ر نومبر کو صوبہ یو۔ پی کی مسلم لیگ کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعے مسلمانوں سے کہا ہے کہ وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر پاکستان نہ جائیں۔ قرارداد میں گاندھی جی اور پنڈت نہرو کی ان کوششوں کی تعریف کی گئی۔ جو وہ امن وامان قائم کرنے کے لئے کر رہے ہیں

یہ تو تھی تنظیم کی کمی کی وجہ سے لوگوں میں افراتفری کی بات، اب جبکہ امن ہو گیا ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ٹھہرانے کو تو ہمیں ہندوستان میں ٹھہرا لیجئے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد مسلمان ہندوستان میں خوش حال نہیں رہ سکتے۔ اگر یہ بات پاکستان بننے سے پہلے کہی جاتی تو یہ فائدہ ہوتا کہ کم سے کم وہ مسلمان جو اقلیت کے صوبوں میں ہیں پاکستان کی تحریک کا ساتھ نہ دیتے۔ اور محض پاکستانی صوبوں کے مسلمانوں کی کوششوں سے پاکستان بنتا تو یہ مصیبت ہم پر نہ آتی مگر اب اس احساس کا پیدا کرنا اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد اس وقت . . . . ساڑھے چار کروڑ ہے۔ پہلے تو یہ فرمائیے کہ ساڑھے چار کروڑ مسلمانوں کا منتقل ہونا کوئی آسان کام ہے کہ ظلمی آدمی کی طرح ایک پہاڑ پر سے دوسرے پر چھلانگ لگا دی۔ جب دو چار مہمان گھر آجاتے ہیں تو گھر کے انتظامات میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ ساڑھے چار کروڑ مسلمان پاکستان پہنچیں گے

تو ڈھانچہ کس طرح گزارہ سکے گا۔ ہندوستان کی حکومت جس کی آبادی ۳۴ کروڑ سے زیادہ ہے جس کے ذرائع وسیع ہیں جس کے خزانے کی حالت مضبوط ہے پچاس لاکھ ہندو، سکھوں کو بسانے میں دشواری محسوس کر رہی ہے۔ وہ بھی اس حالت میں کہ ان کے بدلے اتنے ہی مسلمان پاکستان بھیج رہی ہے۔ ایسی حالت میں ہندوستان کے ساڑھے چار کروڑ مسلمانوں کا پاکستان میں بس جانا کیونکر ممکن ہے جبکہ پاکستان کے ذرائع اور اس کی آمدنی محدود ہے اس کا بہت سا علاقہ ریگستانی ہے جوں جوں شمال مغرب کی طرف بڑھتے جائیے تو زراعت کے قابل زمین کم ملتی ہے پاکستان بننے سے پہلے اس عنوان پر بحث ہوا کرتی تھی کہ پاکستان معاشی اعتبار سے کس حد تک مضبوط ہو سکتا ہے۔ آیا وہ دنیا کی ترقی کی دوڑ میں مقابلہ کر سکتا ہے! اپنی حالت بہتر بنانے کے لئے دوسروں کا سہارا لینے سے یعنی برطانیہ اور امریکہ کی مدد کی وجہ سے کیا پاکستان ان کے دباؤ میں تو نہیں رہے گا۔ وغیرہ وغیرہ جب پہلے اتنی باتیں کہی جاتی تھیں تو پاکستان کی آبادی دگنی ہو جانے سے کیا یہ مسائل شدت کے ساتھ ہمارے سامنے آکر ایک نئی مصیبت کا سامنا نہیں بنیں گے! ایسی مصیبت جو زندہ رہنے ہی کو اجیرن کر دے اسی روشنی میں پاکستان والے سوچ رہے ہیں اور ٹھیک سوچ رہے ہیں۔ مثلاً سندھ کی وزارت اس کوشش میں ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اندھا دھند پاکستان نہ چلے آجائیں۔ پاکستان کے وزیر اعظم نے بھی حکومت ہند سے یہی کہا ہے کہ

صرف مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو پاکستان بھیجیں۔ پھر یہ سوچنے کہ پچاس ساٹھ لاکھ کے قریب مشرقی پنجاب اور دہلی سے مسلمان پاکستان گئے ہیں۔ تو آج کل وہاں کی حالت کیا ہے۔ اگر باقی ساڑھے چار کروڑ مسلمان پاکستان پہنچیں تو نقشہ کیا ہوگا۔ ذیل میں "نیا زمانہ" کا وہ اقتباس درج کرتا ہوں جس میں مغربی پنجاب کی ان دنوں کی حالت دکھائی گئی ہے:-

"گذشتہ دو ماہ میں تقریباً پچیس تیس لاکھ پناہ گزین پاکستان آچکے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر پناہ گزینوں کے کیمپوں سے آ رہے ہیں جہاں عام طور پر پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی تھی۔ بہت سے پناہ گزین ایسے بھی ہیں جو محلوں میں پڑے ہوتے تھے۔ ان کا غلہ ختم ہو چکا تھا وہ کئی دن سے فاقہ کر رہے تھے۔ جالندھر، لدھیانہ، انبالہ کے اکثر حصوں میں اپنا سارا مال واسباب لے کر کئی لاکھ مسلمان مختلف جگہ اکٹھا ہیں۔ ان کی کچھ تعداد تو لاریوں اور ریلوں کے ذریعے آ رہی ہے۔ لیکن زیادہ تر لوگ پیدل آ رہے ہیں۔ جب سے پناہ گزینوں پر حملے بند ہو گئے ہیں تب سے لوگ سردی اور فاقہ کشی سے مجبور ہو کر خود نکل پڑے ہیں اور ان علاقوں سے جو سڑکیں آتی ہیں ان پر میلوں تک پیدل چلتے ہوئے قافلے ملتے ہیں اور اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ دونوں طرف کے قافلے ایک ہی سڑک پر چلتے ہیں۔ ہزاروں

آدمی بھوک، پیاس، تھکن اور ہیضہ کی وجہ سے مر رہے ہیں۔ ہزاروں مویشی چارہ نہ ملنے کی وجہ سے کیمپوں یا راستے میں مر جاتے ہیں یہی صورت تقریباً یہاں کے غیر مسلموں کی پناہ گاہوں کی ہے۔ باہر سے آنے والے پناہ گزین یا تو سیدھے مختلف ضلعوں میں چلے جاتے ہیں یا لاہور اور امرتسر کی سرحد کے قریب واگہ کے مقام پر ٹھہرائے جاتے ہیں۔ یہ عارضی کیمپ ہے۔

ان کیمپوں کی حالت بڑی ناگفتہ بہ ہے۔ جو لوگ پہلے سے بھوکے پیاسے، کمزور، نڈھال آتے ہیں وہ بڑی جلدی پیچش اور ہیضہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ روزانہ سیکڑوں آدمی اس سے مرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں راشن کم ملتا ہے۔ کہ ایک وقت مشکل سے پیٹ بھرتا ہے۔ غلاظت کی صفائی کا نہ کوئی معقول انتظام ہے اور نہ پناہ گزینوں کو ہی منظم کیا جاتا ہے کہ وہ خود صاف کریں جس کی وجہ سے یہاں اس قدر سخت تعفن ہے کہ قدم رکھنا دشوار ہوتا ہے۔ ہیضہ کے بیمار وہیں غلاظت بکھیرتے ہیں۔ دوائیں اتنی محدود مقدار میں ہیں اور ڈاکٹر اتنے کم ہیں کہ بروقت کسی کو بھی طبی امداد نہیں مل سکتی ان کا ۔ ۔ ۔ انتظام تنخواہ دار سرکاری آدمیوں کے ذمے ہے جس کی وجہ سے بدنظمی اور رشوت ستانی ہے۔

پناہ گزین جو آتے ہیں ان میں زراعت پیشہ طبقہ کو اور دوسرے

پیشہ کے لوگوں کو شہروں میں بھیج دیا جاتا ہے

دیہات میں زمین پر کچھ تو با اثر لوگوں نے پہلے ہی قبضہ کر لیا ہے اور کچھ مقامی افسر اپنے رشتہ داروں کو اور دوستوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور باقی زمین پناہ گزینوں کو ملتی ہے۔ حکومت نے زمین کی تقسیم کے متعلق کوئی منصوبہ نہیں بنایا ہے اور یہ سارا کام مقامی ڈپٹی کمشنر کے سپرد ہے۔ جو اپنے ماتحت افسروں کے ذریعے کام کرتا ہے۔ ہر ضلع سے رپورٹیں آتی ہیں کہ کتنی زمین باقی ہے اور اسی کے مطابق پناہ گزین بھیجے جاتے ہیں۔ اس افراتفری کا نتیجہ یہ ہوا کہ حالانکہ ابھی مشرقی پنجاب کے آدھے آدمی آئے ہیں۔ لیکن زمین، مکانات اور دکانیں سب ختم ہو چکی ہیں۔ صرف شیخو پورہ میں تھوڑی سی زمینیں باقی ہیں۔ پھر جو کسان اور دیہاتی مشرقی پنجاب سے آئے ہیں۔ ان میں سے مزارع اور دوسرے لوگ ہیں۔ ان کے پاس نہ پیسہ ہے نہ مویشی جہاں وہ بسائے جا رہے ہیں وہاں کے مویشی یا تو غیر مسلم اپنے ساتھ لے گئے ہیں یا مقامی آدمیوں نے ان پہ قبضہ کر لیا ہے یا بھوک سے مر گئے ہیں۔ کسان جو مویشی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ ان کے لئے چارہ نہیں ملتا اور انھیں تیار فصلیں کھلائی جا رہی ہیں ان سب چیزوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ان علاقوں کی خریف کی فصلوں کا بڑا حصہ تباہ ہو چکا ہے۔ اور بہت

ساری زمین ایسی پڑی ہے جس پر ربیع کی کاشت ممکن نہ ہوگی، اور اس کا سخت خطرہ ہے کہ اس حصے میں چند ماہ بعد سخت قحط کا سامنا کرنا پڑے!

ان علاقوں میں استعمال کی چیزیں اور کپڑا وغیرہ نہیں ملتا۔ ان کی چور بازاری اپنی انتہا کو پہنچ رہی ہے کاشت کار مٹی میں کام کرتے ہیں اور اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ روزانہ اپنے کپڑے دھو کر صاف کریں۔ ورنہ یہ کپڑے کٹ کر گر جاتے ہیں۔ دیسی صابن جتنا پہلے چار آنے میں ملتا تھا اب دو روپیہ میں بھی نہیں ملتا۔ دیا سلائی کی قیمت تین آنے تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے علاوہ راولپنڈی ڈویژن میں زمین بہت خراب ہے۔ نہریں بھی نہیں اور کاشت کار عام طور پر بہت غریب ہیں۔ وہ ہمیشہ پیداوار کے وقت بیج کھاد وغیرہ کے لئے اور سال میں تین چار مرتبہ کھانے کے لئے غلہ اور روپیہ مقامی ساہوکار سے قرض لیتے تھے۔ اسی کے ہاتھ اپنا غلہ بیچتے تھے۔ اس فساد سے ساہوکار یکایک غائب ہوگیا۔ اور اس علاقے کی معاشی زندگی پر اس کی کاری ضرب لگی۔ لوگوں میں بے چینی بڑھ رہی ہے

شہروں کی حالت یہ ہے کہ شروع میں پناہ گزین کم تھے ساری دولت مکان اور دکانیں ہندوؤں کی تھیں مقامی لوگ

اور پناہ گزینوں سب نے مل کر خوب لوٹا۔ مکان پر قبضہ کیا۔ دکانیں کھولدیں، لوٹ کا سارا مال ادنے پونے بیچ دیا۔ اور ان میں ایک مجدود طبقہ خوب مالدار بن گیا۔ لوگ لوٹ کا مال کھا پی کر اپنی پرانی حالت پر آ گئے۔ ایک طرف تجارت اور صنعتیں اور عام کاروبار سب ختم ہو چکا ہے جس کی وجہ سے بڑی شدت کے ساتھ بے روزگاری بڑھ رہی۔ دوسری طرف اب پناہ گزین آ رہے ہیں۔ ان کے لیئے نہ زمین ہے (سوائے شیخوپورہ کے جہاں تھوڑی سی زمین رہ گئی ہے) اور نہ مکان اور نہ دکان باہر سے لوگ آتے جا رہے ہیں اور تمام شہروں اور دیہاتوں میں پھیلتے جا رہے ہیں اس کی وجہ سے* پرانے مقامی لوگوں نے پناہ گزینوں سے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ "جو دیکھو یہاں چلا آ رہا ہے۔ یہ سب ڈرپوک اور بھگوڑے ہیں۔ اگر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو وہیں مر کر جان دے دیتے ہمارے سر تو یہ مصیبت نہ پڑتی" جو نئے پناہ گزین آ رہے ہیں ان کی وجہ سے ہر جگہ دکانوں، مکانوں اور زمینوں کے لئے کشمکش بڑھتی جا رہی ہے۔ بہت سارے لوگ جنھوں نے غیر قانونی طور پر مکان، دکانیں یا زمین ہتھیالی تھیں ان میں دوسروں کو حصہ دینا پڑ رہا ہے۔ کاروبار، ملازمتوں اور مختلف پیشوں میں مقابلہ ہو رہا ہے اور آپس میں نفرت اور کشمکش بڑھ رہی ہے

---

* بہت سے لوگ تو ہمدردی ظاہر کرتے ہونگے مگر کچھ یوں بھی کہتے ہونگے

وہی لاہور جہاں شکل سے کبھی کوئی فقیر نظر آتا تھا آج وہاں فقیروں کے غول کے غول نظر آتے ہیں۔

ان حالات کی وجہ سے حکومت سخت پریشان ہے پاکستان کی مرکزی حکومت چاہتی ہے کہ اس سے عہدہ برآہونے کے لئے اب باہر سے آنے والوں کا سلسلہ بند ہو۔ جو لوگ بھی آئے ہیں انھیں بسایا جائے باقی نہ آئیں اس کے لئے وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستانی حکومت مزید لوگ نہ بھیجے انھیں وہیں بسائے اور خود چاہتے ہیں کہ جو غیر مسلم یہاں رہ گئے ہیں انھیں روکے اور اسی کی مہم راجہ غضنفر علی خاں چلا رہے ہیں لیکن . . . . .

. . . .

. . . . . نیچے کے افسر . . . ہاتھ نہیں بٹا رہے ہیں

اس کی چند وجوہات ہیں اس فساد کے . . . . . . زمانے میں شہروں اور دیہاتوں میں مسلمانوں کے ایک طبقہ نے لوٹ مار کے ذریعہ غیر مسلموں کی زمینوں، مکانوں اور کاروبار و دولت پر قبضہ کر لیا ہے . . . .

. . . .

یہ طبقہ یہ نہیں چاہتا ہے کہ ہندو اور سکھ واپس آئیں اور ان کی زمینیں، مکان اور کاروبار

چھن جائے۔

* اس رجحان کا نتیجہ یہ ہے کہ راجہ غضنفر علی کی امن کی ہم کامیاب نہیں ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہندو اور سکھ جو کیمپوں میں ہیں جن کے مکان اور زمین اور دکانیں لٹ چکی ہیں۔ ان کی جگہوں پر ان سے واپس آنے کے لئے کہا جائے اور مقامی آبادی اور نوکر شاہی کا رویہ ہمدردانہ نہ ہو تو وہ کیسے واپس آسکتے ہیں۔ ایک طرف تو تاجر طبقہ کے چلے جانے سے ساری معاشی زندگی درہم برہم ہو چکی ہے دوسری طرف حکومت کے آمدنی کے تمام وسائل شلاً انکم ٹیکس، ریل، مال گزاری اور کسٹم بھی برائے نام رہ گئے ہیں۔ اخراجات کا بار بڑھتا جا رہا ہے۔ اس طرح ظاہر ہے کہ بہت دنوں تک گذر نہیں ہو سکتا نہ کوئی تعمیری پروگرام بن سکتا ہے اور نہ ملک ترقی کر سکتا ہے سوائے اس کے کہ امریکہ سے قرضہ لے کر پاکستان کا پٹہ اس کے نام لکھ دیا جائے اور پاکستان ایران و ترکی کی طرح ایک تیسرے درجے کا محکوم ملک بن جائے۔

(نیا زمانہ بمبئی مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۴۸ء)

* یہ تو تھی اقتصادی بات اب سنئے مذہبی نقطہ نظر سے جب پاکستان بنا تو بعض لوگ غصہ سے کہا کرتے تھے کہ اسلام جس علاقے سے ہندوستان

میں پھیلا اب سکڑ کر اسی علاقہ میں مقید ہو رہا ہے ۔ میں کہتا تھا کہ بھائی بالکل غلط بات ہے یہ تو ایک اقتدار کی لڑائی تھی ، قصہ ختم ہوا ۔ ہم پانچ کروڑ مسلمان ہندوستان میں رہیں گے اور اپنے اچھے نمونے سے ثابت کریں گے کہ اسلام صحیح زندگی ، نمونے کی زندگی کے نظام کا نام ہے ۔ جو بھی اس پر عمل کرے گا وہ مسلمان کہلائے گا ۔ (اگر لوگ ہم جیسے مسلمان کے رویہ کی وجہ سے لفظ "مسلمان" سے بدکتے ہوں تو اس نمونے کی زندگی بسر کرنے والوں کو " خدا پرست " کہ لیجیے) یہی بات تو مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں کھول کر بیان کر دی ہے مگر لوگوں کو تو کافروں کی تعداد بڑھانے سے فرصت نہیں وہ مولانا کی تفسیر پر کیوں دھیان دیں جس میں صحیح تبلیغ کی راہ دکھائی گئی ہے جس سے دوسرے مذاہب والے بدکتے نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر کھنچے چلے آتے ہیں مگر ہم نے اپنے عمل سے قرآن شریف کے نام کو اتنا بدنام کیا ہے کہ دوسرا اس کی باتیں سننا پسند بھی نہیں کرتا ۔ لوگ فخر سے کہا کرتے ہیں کہ خواجہ اجمیری ریگستان میں آئے ۔ ہندوؤں کے بیچ میں رہے اور دلوں کو فتح کرتے گئے ۔ دلی میں ان کے شاگرد حضرت نظام الدین کی تعلیمات کے نقوش اب بھی پائے جاتے ہیں

ایک ہی دھکے میں ہمارے بعض مسلمان دوستوں کے خیالات

میں کس درجہ پستی آگئی ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک صاحب فرمانے لگے "اب ہندوستان میں نیشنلسٹ مسلمان وہی پارٹ ادا کریں گے جو قیامت کے دن یورپ پر سمٹنے والے کیا کرتے ہیں گویا آپ کے نزدیک ہندوستان کے ساڑھے چار کروڑ مسلمان جو پاکستان نہیں گئے ہیں وہ سب ختم ہو گئے ہیں جب آدمی اپنی زندگی سے اس درجہ مایوس ہو جائے تو اس کا کیا علاج ہے

بھائی واحد نے بچوں کے لئے ایک کتاب لکھی "اسلام کیسے پھیلا" اگر ہمارے خیالات کی یہی رو رہی اور بھائی واحد زندہ رہے تو شاید یہ لکھیں گے کہ "اسلام کیسے سکڑا" اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ہجرت کے مسئلہ کو مانتا نہیں ہوں، جب ہم یہ دیکھیں گے کہ ہمارے ڈٹے رہنے سے ہمارے ختم ہونے کا اندیشہ ہے تو عارضی طور پر ہم اِدھر اُدھر ہو سکتے ہیں میں تو جو کچھ کہہ رہا ہوں اس "رو" کے خلاف کہہ رہا ہوں کہ بھائی اب تو جب تک ہم ساڑھے چار کروڑ پاکستان منتقل نہ ہو جائیں۔ ہمارے زندہ رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے ایسا کہنے والے گویا خدا پر ایمان نہیں رکھتے ہیں یا خدا پر بھروسہ نہیں ہے۔ خدا پر بھروسہ اور تدبیر کا سہارا نہ لینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسا کہنے والوں کے نزدیک نقل مکانی کے وہ امکانات

رہتے ہیں جن سے فائدہ اُٹھا کر چند دنوں میں وہ ہندوستان سے پاکستان جا سکتے ہیں۔ مثلاً پاکستان میں ان کے رشتہ دار ہیں یا آبادی کا تبادلہ ابھی اس حد کو نہیں پہنچا ہے کہ پاکستان میں ایک دوسرے کا پرسان حال نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ ہندوستان کے دیہاتوں میں جو کروڑوں غریب مسلمان بسے ہیں وہ کس طرح منتقل ہو سکیں گے! ہمیں ہوش و حواس ٹھیک رکھ کر روزانہ کے حالات کو صحیح صحیح جانچنا چاہئے۔ اس کے مطابق تدبیریں کرنی چاہئیں۔ گاندھی جی، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور دوسرے بزرگوں نے تبادلہ آبادی کے خلاف جو آواز اٹھائی ہے اس کی تائید اس طرح کرنی چاہئے کہ ایک تو لوگوں کی ہمت بندھائے رکھیں۔ اور پھر ہمارے رہنما حکومت کی تدبیروں میں شریک ہو جائیں جیسا کہ دہلی میں ذاکر صاحب، مولانا حفظ الرحمن اور دوسرے رہنما ایسے کاموں میں لگے ہوئے ہیں مدراس کے دور اندیش ہندو اور مسلمان رہنماؤں نے امن کمیٹی قائم کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ دوسرے صوبوں کے مسلمان رہنماؤں کو چاہئے کہ وہ کانگریسی وزارت کی تدبیروں میں شریک ہو جائیں۔ بلیا ران کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے فرمایا:—

"آپ لوگ اطمینان سے اپنے گھروں میں بیٹھئے۔ جو تکالیف اور

پریشانیاں اُٹھانی پڑرہی ہیں اُن کو آپ گھروں میں بیٹھ کر برداشت کیجئے۔ مارے مارے پھرنا اور زیادہ تکلیف کا باعث ہے۔ ایسی حالت میں اگر آپ کو موت آئے تو آپ اپنے گھر پر ہیے حکومت کو تمام پریشانیوں اور تکالیف کا احساس ہے۔ اور حکومت ان کو جلد سے جلد دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ آپ افواہوں پر بھروسہ نہ کیجئے۔ افواہوں کو نہ پھیلائیے حکومت پر بھروسہ رکھئے۔ تکالیف میں اور زیادہ تکالیف پیدا نہ کیجئے۔ مقبرہ ہمایوں اور پرانا قلعہ میں پناہ گزینوں کے کیمپوں کی کافی دیکھ بھال ہو رہی ہے۔ آپ بھی اس میں مدد کیجئے۔ آپ کی جو عورتیں گھروں میں بیکار ہیں ان کو کام سے لگائیے۔ پناہ گزینوں کے لئے کپڑوں کی ضرورت ہے آپ توشک، لحاف، گدے سلوائیے۔ کمبل مہیا کیجئے اور ان کو تنظیم کے ساتھ تقسیم کرائیے۔ ہر مسلمان جو حکومت کا وفادار ہے حکومت اس کی محافظ ہے۔ اس کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں اور جو شخص خواہ وہ ہندو ہے یا مسلمان یا سکھ ہو اگر وہ انڈین یونین کا غدار ہے تو وہ یہاں سے چلا جائے۔ ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں کو بھائی بھائی بن کر رہنا ہے دیکھئے آپ کے سامنے ہندوؤں کا محلہ ہے وہ آپ کے بھائی

ہیں۔ آپ سب مل جل کر رہئے اس میں سب کی بھلائی ہے جو پناہ گزین پنجاب سے دہلی آئے ہیں وہ سب بھائی ہیں۔ اگر آپ ملک کی بھلائی چاہتے ہیں تو ان جھگڑوں کو بند کر دیجئے۔ جو اطمینان اور آسائش آپ کو اپنے گھر پر ملے گی وہ مارے مارے پھرنے سے نہیں مل سکتی اس لئے آپ اپنے گھروں کو نہ چھوڑئے۔" (اخبار جنگ ۳ راکتوبر ۱۹۴۷ء)

دہلی کے مسلمانوں کو پاکستان جانے سے روکنے کے لئے ۲۵ اکتوبر کو جمعیتہ العلماء نے جامع مسجد میں ایک جلسہ بلوایا تھا اس سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد پناہ گزینوں کو دیکھنے کے لئے مسجد میں آئے تھے لیکن تقریر کرنے کے لئے وہ پہلی دفعہ شاہجہاں کی اس مسجد میں آئے ہیں۔ حسین صاحب! پہلی دفعہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ جب سے فرقہ وارانہ ذہنیت نے زور پکڑا تھا۔ تو مولانا کے لئے کسی مسجد میں نماز پڑھنے چلا جانا دوبھر تھا۔ نادان دوست ان پر آوازے کستے ان کا راستہ روک لیتے تھے۔ مولانا کے لئے ریل گاڑی میں سفر کرنا مسلمانوں کے مجمع کو مخاطب کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ لوگ "مردہ باد" کے نعرے لگاتے تھے۔ یہی حال مولانا حسین احمد مدنی کا تھا مگر آج جب مولانا آزاد اپنی اسی وضع قطع میں اسٹیج پر آئے تو اس پیکر خلوص کے سامنے سب لوگ خاموش نیچی نگاہیں کئے بیٹھے تھے گویا وہ اپنی

شرارت پر پشیمان ہیں اور زبان حال سے "زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے۔ اپنے عقیدے پر قائم رہنے کے لئے ان بزرگوں نے زندگی بھر جتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں اسے دیکھ کر ان برگزیدہ ہستیوں کے قصے صحیح معلوم ہوتے ہیں جن کے مصائب اب ہمارے نزدیک کہانی کی صورت میں ہیں یہ دونوں عالم "قرآن کے مفسر" خدا اور رسول کی منشا کو سمجھنے والے ہم جیسے جاہلوں کی نظر میں ایسے تھے جیسے کہ وحی ہم پر نازل ہوئی ہے اور یہ بے دین ہیں۔ مولانا ابوالکلام نے اپنے ترجمان القرآن میں یہ مرکزی خیال قرآن شریف کی آیتوں کی روشنی میں پیش کیا کہ انسان کی اصل پرکھ نیکی اور بدی کا معیار ہے نہ کہ مذہب کے نام کا ٹھپہ (لیبل) مگر ہمیں تو نام پیارا تھا۔ گن پیارے نہیں تھے۔ نتیجہ کیا ہوا . . . . . . ہندوستان میں نیکی اور بدی کے نام پر محاذ قائم نہیں ہوتے بلکہ نام نہاد گروہ بندی کے نام پر . . . . . . اگر اکیلے حکیم اجمل خاں کے لئے یہ آسان تھا کہ وہ مسلمان ہونے کے باوجود دہلی کے ہندو اور مسلمانوں کے بادشاہ کہلاتے تھے تو ہندوستان کے بہت سے اچھے ہندو اور مسلمان لیڈروں کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ مل جل کر ایک اچھی حکومت بنائیں! اس موقع پر پھر مجھے یہی خیال آتا ہے کہ کم سے کم وہ مسلمان جو اقلیت کے صوبوں میں

تھے مولانا کا ساتھ دیتے اور پاکستان کے مسلمان مولانا سے مطالبہ کرتے کہ ہمیں دوستی اور محبت کی بنا پر پاکستان کا تجربہ کر لینے دیجئے۔ یہ دل ت بنی رہتی مگر نیکی کو بڑے صدمے سہنے پڑتے ہیں۔ شاید قدرت کو یہی منظور تھا کہ وہ صدمے سہہ کر نیکی سچائی کا ثبوت دے۔ معاف کیجئے میں آگے نکل گیا۔ مگر مجبور یوں تھا کہ مولانا آج پہلی دفعہ مسلمانوں کے پچاس ہزار کے مجمع کے سامنے آئے تھے۔ مولانا نے لوگوں کے زخموں کو کریدا نہیں، انھیں لعنت ملامت نہیں کی بلکہ بچھڑے ہوئے بھائیوں کی طرح گلے لگا۔تے ہوئے فرمایا (یہاں مولانا کی تقریر کا صرف وہ حصہ درج کرتا ہوں جو آپ نے ہجرت کے بارے میں فرمایا ہے)۔

"عزیزانِ گرامی! آپ جانتے ہیں کہ وہ کونسی زنجیر ہے جو مجھے یہاں لے آئی ہے۔ میرے لئے شاہجہاں کی اس یادگار مسجد میں یہ اجتماع نیا نہیں۔ میں نے اس زمانے میں بھی کہ اس پر لیل ونہار کی بہت سی گردشیں بیت چکی ہیں، تمھیں یہیں خطاب کیا تھا۔ جب تمہارے چہرے پر اضمحلال کی بجائے اطمینان تھا۔ اور تمہارے دلوں میں شک کی بجائے یقین۔ آج تمہارے چہروں کا اضطراب اور دلوں کی بے چینی دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار پچھلے چند سالوں کی بھولی بسری کہانیاں یاد آجاتی ہیں۔ اگر اس کی تفصیل بیان کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ

میں تمہیں لعنت ملامت کروں! میں تمہیں لعنت ملامت کیوں کروں! ایسا کر کے میں کیا پاؤں گا! اچھا ہے تم بھی اسے بھول جاؤ میں بھی اسے بھول جاتا ہوں!

وقت نے قوم کے پیدائشی حق کے احترام میں کروٹ بدلی ہے اور یہی وہ انقلاب ہے جس کی ایک کروٹ نے تمہیں بہت حد تک خوف زدہ کر دیا ہے تم خیال کرتے ہو کہ تم سے کوئی اچھی شے چھن گئی ہے اور اس کی جگہ بڑی شے آگئی ہے۔ یہ واقعہ نہیں واہمہ ہے حقیقت یہ ہے کہ بری شے چلی گئی اور اچھی شے آگئی۔ ہاں تمہاری بے قراری اس لئے ہے کہ تم نے اپنے تئیں اچھی شے کے لئے تیار نہیں کیا تھا۔

میں نے تمہیں ہمیشہ کہا اور آج پھر کہتا ہوں کہ تذبذب کا راستہ چھوڑ دو شک سے ہاتھ اٹھا لو اور بدعملی کو ترک کر دو۔ یہ تین دھار کا انوکھا خنجر لوہے کی اس دو دھاری تلوار سے زیادہ کاری ہے جس کے گھاؤ کی کہانیاں میں نے تمہارے نوجوانوں کی زبانی سنی ہیں

یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے اس پر بھی غور کر لو۔ تمہیں محسوس ہوگا کہ یہ غلط ہے۔ اپنے دلوں کو مضبوط بناؤ اپنے دماغ کو سوچنے کی عادت ڈالو

پھر دیکھو کہ تمہارے یہ فیصلے کتنے عاجلانہ ہیں، آخر کہاں جا رہے ہو؟ کیوں جا رہے ہو؟ . . . .

. . . .

آج اندھیرے سے کانپتے ہو کیا تمہیں یاد نہیں تمہارا وجود ایک اُجالا تھا۔ یہ بادلوں کے پانی کی سیل کیا ہے کہ تم نے بھیگ جانے کے خطرے سے اپنے پائینچے چڑھائے ہیں . . . . وہ تمہارے ہی اسلاف تھے کہ بجلیاں گریں تو ان پر مسکرا دئے، بادل گرجے تو قہقہوں سے جواب دیا، صرصر اُٹھی تو رُخ پھیر دیا۔ آندھیاں آئیں تو اُن سے کہا، تمہارا راستہ یہ نہیں! یہ ایمان کی کمی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبان سے کھیلنے والے آج خود اپنے ہی گریبانوں کے تار بیچ رہے ہیں اور خدا سے اس درجہ غافل ہو گئے ہیں کہ جیسے کبھی اُس پر ایمان ہی نہ تھا، یہ . . . . آج تم یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہو!

عزیزو! اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرو جس طرح آج سے کچھ عرصے پہلے تمہارا جوش و خروش بے جا تھا اُسی طرح تمہارا یہ خوف و ہراس بھی بے جا ہے۔ مسلمان اور

بزدلی یا مسلمان اور اشتعال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ سچے مسلمان کو نہ تو کوئی طمع ہلا سکتی ہے اور نہ کوئی خوف ڈرا سکتا ہے۔ چند انسانی چہروں کے غائب از نظر ہو جانے سے ڈرو نہیں۔ اُنھوں نے تمہیں جانے ہی کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ آج اُنھوں نے تمہارے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہے تو یہ عجیب بات نہیں ہے۔ دیکھو کہ تمہارے دل تو ان کے ساتھ رخصت نہیں ہو گئے؟ اگر دل ابھی تک تمہارے پاس ہیں تو ان کو خدا کی جلوہ گاہ بناؤ۔ جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے عرب کے ایک امی کی معرفت فرمایا تھا "جو خدا پر ایمان لائے اور اس پر جم گئے تو پھر ان کے لئے نہ تو کسی کا ڈر ہے اور نہ کوئی غم" ہوائیں آتی ہیں اور گذر جاتی ہیں۔ یہ صرصر سہی لیکن اس کی عمر کچھ زیادہ نہیں، ابھی دیکھتی آنکھوں ابتلا کا یہ موسم گزرنے والا ہے۔ یوں بدل جاؤ جیسے تم پہلے کبھی اس حالت پر نہ تھے۔

تیسری طاقت اپنے گھمنڈ کا بستارہ اٹھا کر رخصت ہو چکی ہے جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ سیاسی ذہنیت اپنا پچھلا سانچا توڑ چکی ہے۔ اب نیا سانچہ ڈھل رہا ہے اگر اب بھی تمہارے دلوں کا معاملہ بدلا نہیں اور دماغوں کی چبھن ختم نہیں ہوتی

تو پھر حالت دوسری ہے۔ لیکن واقعی تمہارے اندر بھی تبدیلی کی خواہش پیدا ہو گئی ہے تو پھر اس طرح بدلو کہ جس طرح تاریخ نے اپنے تیئں بدل لیا ہے۔ آج ہم ایک دور انقلاب کو پورا کر چکے ہیں، ہمارے ملک کی تاریخ میں کچھ صفحے خالی ہیں ہم ان ہی صفحوں میں زیب عنوان بن سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہم اس کے لئے تیار بھی ہوں! . . . .

. . . . میں کہتا ہوں جو اچھے نقش و نگار نہیں ماضی کی یادگار کے طور پر نظر آرہے ہیں وہ تمہارا ہی قافلہ لایا تھا۔ اُنھیں بھلاؤ نہیں انھیں چھوڑو نہیں، اُن کے وارث بن کر رہو اور سمجھ لو کہ اگر تم بھاگنے کے لئے تیار نہیں تو پھر تمہیں کوئی طاقت بھگا نہیں سکتی اور عہد کر لو کہ یہ ملک ہمارا ہے، ہم اس کے لئے ہیں اور اس کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری امداد کے بغیر ادھورے ہی رہیں گے

عزیزو! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں۔ چودہ سو برس پہلے کا پرانا نسخہ ہے جو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا اور وہ نسخہ ہے قرآن مجید

(پیام دکن)

۴- فسادات اور جامعہ

جب دہلی میں فسادات کا زور بندھا تو جامعہ والوں کے سامنے موت اور زندگی کا سوال آیا۔ فرد کے مقابلے میں کسی جماعت کا فیصلہ قوم کی زندگی پر بڑا اثر ڈالتا ہے اس لئے جامعہ والوں پر بھی بڑی ذمہ داری تھی۔ شمال کی طرف مشین گنوں کے چلنے کی آواز، جنوب کی طرف دھاڑ کا خطرہ، مشرق کی طرف سے مظلوم، ستم رسیدہ زخمی لوگ چلے آرہے تھے، مغرب کی طرف پاکستان کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ اس فضا میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے اپنے ساتھیوں کو جمع کرکے فرمایا:—

... یہ قیامت جو آج آپ دیکھ رہے ہیں۔ ایک وقتی جنون کا نتیجہ ہے جس میں سبھی مبتلا ہیں۔ ہندو مسلمان، سکھ سب نے جی بھر کے گناہ کئے ہیں سب نے اپنے دین کے، اپنے ایمان کے گلے پر چھری پھیری ہے، گاندھی جی سب کو ان کے گناہ کا احساس دلا رہے ہیں۔ توبہ کی طرف بلا رہے رہیں، سب کو اس ہلاکت کے گڑھے سے آگاہ کر رہے ہیں جس کی طرف وہ تیزی سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر لوگ گاندھی جی کی پکار سن لیں گے، اپنے کرتوتوں پر شرمائیں گے

اپنے گناہوں سے توبہ کرینگے تو بچ جائینگے ورنہ بیہودہ ہیں اور جسم اور روح کی موت اور دنیا کی ہلاکت

. . مگر مجھے یقین ہے کہ گاندھی جی کی آواز اپنا اثر کرکے رہے گی اور وہ ہمارے دلوں سے اس عارضی وحشت اور بہیمت کو دور کردیں گے ہماری انسانیت کو جگادیں گے۔ وہ ہندوستان جو آج اس قدر نیچے گرگیا ہے ایک پھر اٹھے گا اور ایکبار پھر دنیا کو امن اور تہذیب کا پیام پہنچائیگا۔ ہندوستانی قوم کے اس مصلح پر صرف ایک ہی قوم نہیں بلکہ سب قومیں فخر کریں گی، پوری انسانیت فخر کریگی

آپ دہلی کی اور آس پاس کی فضا کو دیکھ کر خائف اور پریشان مایوس اور دل شکستہ نہ ہوں خدا پر بھروسہ کیجئے اور اس بندے پر بھروسا کیجئے جس کا نام موہن داس کرم چند گاندھی ہے۔ اپنے ملک کی حکومت پر بھروسہ کیجئے جس کی باگ ڈور آپ کے عمر بھر کے آزمائے ہوئے لیڈروں کے ہاتھ میں ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں نے برطانیہ جیسی عظیم الشان سلطنت کے دانت کھٹے کردئیے وہ ان فساد کی قوتوں سے جو آج ابھر آئی ہیں شکست کھا جائیں گی؟ ابھی ان لوگوں کو حکومت کا کام ہاتھ میں لئے چندہی روز ہوئے ہیں۔ اُن کو یہ اندازہ نہ تھا کسی کو یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک دم سے قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ فساد کے پہلے حملے نے اچانک آلیا۔ اب وہ سنبھل گئے ہیں، اپنی قوت کو جمع کررہے

ہیں اور اس فتنہ کا سر کچلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ خطرہ ٹل گیا ہے خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے اور جو کچھ اب تک ہوا ہے اُس سے بھی بدتر حالات پیش آسکتے ہیں۔ یہ آگ سارے ملک میں پھیل سکتی ہے اپنے کو دھوکے میں نہ رکھئے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ کو بے فکری کا اطمینان دلایا جائے۔ میں آپ کو وہ اطمینان دلانا چاہتا ہوں جو خطرے کا پورا احساس رکھنے کے باوجود ہوتا ہے ..... قوموں کی زندگی میں کبھی کبھی یہ نازک موقع آتے ہیں۔ یہ وقت قدرت کی طرف سے آزمائش کا ہوتا ہے۔ اب آپ کے سامنے یہ سوال ہے کہ آپ اس آزمائش سے گزرنا چاہتے ہیں یا اُس سے بچ کر بھاگ نکلنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کا فیصلہ بھاگنے کا ہے تو بسم اللہ..... پاکستان کا راستہ کھلا ہوا ہے جو جانا چاہے شوق سے جائے مگر یاد رکھئے موت آپ کا پیچھا وہاں بھی نہ چھوڑے گی۔ کتنے ہوں گے جو راستے میں مارے جائیں گے۔ کتنے ریل کے بند ڈبوں میں گھٹ کر مر جائیں گے۔ لیکن اگر آپ کا فیصلہ اس آزمائش سے گزرنے کا ہو تو یہاں ڈٹ جائیے یہ یاد رہے کہ بہت ممکن ہے آپ مار ڈالے جائیں، لیکن آپ کا یہ قتل رائیگاں نہیں جائے گا۔ بعض قتل ایسے ہوتے ہیں جن پر قاتل شرماتے ہیں اور مقتول فخر کرتے ہیں بعض قتل ایسے ہوتے ہیں جو پوری زندگیوں پر بھاری ہوتے ہیں بعض قتل گرتی ہوئی قوموں کو سنبھال لیتے ہیں گری ہوئی قوموں کو اُٹھا کر کھڑا کر دیتے ہیں

جامعہ کے لوگ اگر ایسے مقتولوں میں داخل ہوجائیں تو وہ کام کرجائیں گے جو پچھلے سب کاموں پر بھاری ہوگا

جو لوگ موت کے استقبال کے لئے تیار رہتے ہیں اُن کے لئے زندہ رہنے کی راہیں بھی نکل آتی ہیں۔ کیا عجب ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی کشتی جس کو غلط رہنمائی نے اس بھنور میں ڈال دیا ہے آپ کے کمزور ہاتھوں سے پار لگ جائے۔ کیا خبر ہے کہ خدا آپ ہی کے ہاتھ سے مسلمانوں کی تنظیم کا کام لے جس کی بنا خدا کے خوف اور خلق خدا کی محبت، وطن کی وفاداری اور اہل وطن کی خدمت پر استوار ہو۔ اور کچھ نہ سہی تو آپ اپنی مثال سے اس وقت دہلی کے لوگوں کی ہمت بندھا ئیں گے۔ اب بھی جو مسلمان اپنے اپنے محلوں میں ڈٹے ہوئے ہیں وہ بھاگنے والوں سے زیادہ آرام میں ہیں۔ ان ہی لوگوں کی جرأت سے دہلی بچ جائے گی۔ آپ بھی اُس کے بچانے میں حصہ لیجئے۔ آپ میں سے جو لوگ ہمایوں کے مقبرے میں مصیبت زدوں کی خدمت کر رہے ہیں وہ اسے چھوٹا کام نہ سمجھیں۔ اگر آپ نے ہمایوں کے مقبرے کو بچا لیا تو دہلی کو بچا لیا اور دہلی کو بچا لیا تو ہندوستان کو بچا لیا۔ اس خیال کو دل میں لئے ہوئے کام کیجئے تو آپ کی قوت عمل دس گنی ہوجائے گی

بس یہی چند باتیں مجھے کہنی تھیں۔ ان پر غور کیجئے، اپنے دل کو مضبوط رکھئے۔ انجام کو خدا پر چھوڑ دیجئے۔

جامعہ کے فدائی جو پہلے سے اسی قسم کی باتیں سوچ رہے تھے ان کے ارادوں میں استحکام آگیا جو مرنے کے لئے تیار رہتا ہے اُس کے لئے زندہ رہنے کی راہیں کھل جاتی ہیں لوگوں نے سوچنا شروع کیا کہ صورت حال پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ فسادات کے آغاز ہی سے مدافعت کا نظام قائم ہو گیا تھا لیکن اب اس ارادے سے اس میں توسیع ہو گئی یعنی اور زیادہ منظم ہو گیا کہ یا تو زندہ رہیں گے یا ختم ہو جائیں گے اس کام کے سلسلے کچھ اور ہی تھے۔ ذیل میں اس نظام کا خاکہ درج کرتا ہوں۔ لیکن حسین صاحب لکھوں کا اس انداز سے کہ گویا ایک چیز دیکھ رہا ہوں اور لکھ رہا ہوں۔ ۷ ار ستمبر تک کے حالات میں نے اسی انداز سے لکھے ہیں۔ بعد میں عنوانات قائم کر کے نہج بدل دیا تھا مگر اس خاکہ کی حد تک پھر اُسی انداز سے سنئیے :۔

۱۔ صدر کمیٹی . . . . ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب

آپ کے ذمہ پورے نظام پر نگاہ رکھنا، حکومت ہند اور دوسرے رہنماؤں سے تعلق قائم رکھ کر یہاں کی اہم ضروریات مثلاً حفاظت کا انتظام اور خوراک کی فراہمی ہے۔ گزشتہ سیشن کے مسلسل کاموں کی وجہ سے آپ آرام کرنے کے لئے کشمیر جانا چاہتے تھے۔ وہاں نہ جا سکے اور راستے میں اپنا نام ظاہر کرنے پر قتل سے بچ گئے۔ پھر جامعہ نگر میں آرام کرنا چاہا مگر اب تو وقت بے وقت فون پر رہتے ہیں۔ گولیوں کی بوچھاڑ میں شہر کا چکر لگاتے ہیں۔ شہر کے انتظامی جلسوں میں

شرکت کرلے ہیں یا تو اپنی تکلیفوں کو بھول گئے ہیں یا قوت ارادی اور
میدان جنگ کو دیکھ کر تکلیفوں نے جان بچائی -

۲- ناظم اعلیٰ . . . . . اختر حمید خاں صاحب

اگرچہ یہ نئے نئے جامعہ میں آئے ہیں مگر یہاں کی کمان اس طرح سنبھال لی ہے جس طرح ایک تجربہ کار سپہ سالار نئے ماحول میں اپنے آپ کو ڈھال لیتا ہے ۔ پورا انتظام ان کے نقشے اور ہدایات کے مطابق ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے ۔ تمام شعبوں کو چلتا ہوا دیکھنا ، دستہ کے سپہ سالار کیلاٹ صاحب سے رابطہ رکھنا ۔ رات کے وقت موٹر میں چکر لگا کر دیکھنا کہ راستے مخدوش تو نہیں ہیں ۔ روزانہ شہر جا کر متعلقین جامعہ کے رشتہ داروں کو پناہ میں لے آنا ، شہر سے اور فوجی اسٹور سے ضروری سامان لانا ۔ ان کاموں میں لگے رہتے ہیں ۔ یہ فوجی نظام کو خوب جانتے ہیں تب ہی تو ہر جگہ کامیاب ہو کر آتے ہیں ان کا اطمینان اور سکون قابل رشک ہے سب کچھ کر رہے ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پریشانی اور تھکن نام کو نہیں ۔ جب پہلے دن حملہ آوروں کے آنے کی خبر ملی تو تمام مشنری کو حالات کے مطابق چلتی ہوئی حالت میں کر کے یہ آرام سے کرسی پر بیٹھے ہم لوگوں کو سمجھا رہے تھے کہ دیکھئے تمام مشنری اس وقت کام کر رہی ہے ۔ جب تک لوگ اپنے اپنے فرائض پر ڈٹے رہیں گے حملہ آور ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے" اگر اکبر صاحب مرحوم جتنی بے تکلفی مجھ سے ہوتی تو اس وقت پہلے تو یہ مجھ سے سگریٹ مانگتے پھر کہتے کہو دست نیو تھیسٹر زدالوں نے کبھی ایسی

ایسے سین پیش کئے ہیں! وہی عشق و محبت! میدان جنگ کی تنظیم ہی تو دکھانی چاہئے۔ میں جواب میں کہتا یہ بھی تو جامعہ سے عشق کا نتیجہ ہے یہ کہتے دیکھو بھائی اس بات پر ہماری تمہاری لڑائی ہو جائے گی۔ کافن بالا کا عشق اور ہے، یہ عشق اور .... انھیں خدمت کا بہت شوق ہے۔ بہار میں یہ جانا چاہتے تھے لیکن لوگوں نے جانے نہ دیا۔ گڈھ مکتیسر کے واقعات پر یہ زبردستی چلے گئے اور بہت سے لوگوں کی جانیں بچائیں ہندو مسلمانوں میں ایسے خدمت کرنے والے لوگوں کی بہت ضرورت ہے جو اچھوں کے لئے موم اور بُروں کے لئے فولاد ہوں۔ یہ حضرت ڈپٹی کمشنر بھی رہ چکے ہیں۔ ان کے بھائی اختر حامد صاحب بھی ان کا ہاتھ بٹا رہے ہیں

۲۔ ناظم پناہ گزین کیمپ .... برکت علی صاحب

انھیں اختر حمید صاحب کا نائب کہنا چاہئے۔ ان کا خاص کام پناہ گزینوں کی تنظیم، ان کی دیکھ بھال اور تکالیف کا سدباب کرنا ہے ان کا ہاتھ استادوں کے مدرسے کے طلبہ بٹاتے ہیں۔ دیکھئے پہلے انھیں اپنے شاگردوں کی کاپیوں، بکریوں اور مرغیوں سے فرصت نہیں تھی مگر اب یہ کس طرح میدان میں اتر آئے ہیں ان کے کام کی باقاعدگی اور انتھک کوششوں میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ چیز بارہا آزمائی ہوئی ہے مجھے خوشی اس بات سے ہوتی ہے کہ کام کے ساتھ ساتھ یہ واقعات حاضرہ اور نتائج کو اپنے ساتھیوں کے سامنے

اس طرح رکھتے ہیں جس سے لوگ ٹھنڈے دل سے اپنی غلطیوں کو ٹٹولنے کی کوشش کریں۔ لوگوں سے کہا کرتے ہیں کہ خدا سب چیزوں کو یونہی ہونے نہیں دیتا ہے بلکہ واقعات زندگی کو سنوارنے میں مدد دیتے ہیں یہ وقت جاننے کا ہوتا ہے کہ ہمیں جو ٹھوکر لگائی گئی ہے وہ کن غلطیوں کا نتیجہ ہے

خدا شر بر انگیزد کو خیرے ما در آں باشد

۴۔ سپہ سالار . . . . . ای۔ جے ا کیلاٹ صاحب

انھیں آپ خوب جانتے ہیں۔ وہ کون سا خطرے کا وقت ہے جس میں انھوں نے بندوق نہیں سنبھالی، امن کے زمانے میں تو یہ ہیں اور ان کی کتابیں لیکن خطرے کے وقت آپ کیلاٹ صاحب کو آگے آگے پائیں گے۔ جامعہ نگر کی بڑھتی ہوئی آبادی کو دیکھ کر انھوں نے کئی لائسنس حاصل کر لئے ہیں اس لئے ایک چھوٹا سا دستہ تیار کر لیا۔ حملہ کس کس طرح ہو سکتا ہے یہ اسے خوب سمجھاتے رہتے ہیں اور تدبیریں بھی بتلاتے ہیں . . . . ۶۰ برس کی عمر میں خطرے کے وقت یہ چستی یہ توانائی راتوں کو جاگنا، دن میں صرف چند گھنٹے آرام کرنا . . . . بے شک خدا ایسے ہی لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنے آپ کو مدد کا مستحق بنائیں۔ ان کی نگرانی میں جامعہ کے نوجوانوں کا دستہ ہے جس میں (۱) آزاد رسول صاحب (۲) مجتبیٰ حسین صاحب (۳) ابوالکلام صاحب (۴) نبی احمد صاحب کیلاٹ (۵) اشفاق محمد خاں صاحب (۶) رضی الدین صاحب (۶) جمیل اختر صاحب

(۸) محمد محفوظ صاحب (۹) عبدالباری صاحب (۱۰) اسمٰعیل پٹیل صاحب (۱۱) منظور احمد صاحب (۱۲) اقبال احمد صاحب (۱۳) اختر حامد صاحب (۱۴) باورچی خانے کے رشید احمد صاحب ہیں۔ یہ سب تندرست نوجوان اور دلیر ہیں۔ جی ہاں انھوں نے اس وقت جان کی بازی لگادی ہے یہ مورچہ پر آگے آگے رہتے ہیں۔ اس نیت سے کہ کچھ کریں گے یا مر جائیں گے . . . . خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنی زندگی میں موت کا استقبال کریں . . . . . اس سے بڑھ کر ان سے اور کیا مطالبہ کیا جا سکتا ہے

۵۔ ناظم ٹیلیفون . . . . چودہری محمد علی صاحب

غیر معمولی فکر رکھنے سے ٹیلیفون چوبیس گھنٹے کام کرنے لگا ہے جامعہ کھلی ہوتی تو لوگ دیکھتے کہ چودہری صاحب نے فون کے مشکل ترین انتظام کو کس طرح قابو میں کرلیا ہے اور وہ بھی ایسے مشکل زمانے میں۔ ان کے ساتھی (۱) حافظ فیاض احمد صاحب (۲) نبی احمد صاحب (۳) سعید انصاری صاحب (۴) محمد صدیق صاحب (۵) ناصر صاحب (۶) عبدالرؤف صاحب (۷) عبداللطیف صاحب (۸) ابوسالم صاحب ہیں۔ حافظ صاحب کو رات کو نیند نہیں آتی ہے اس لئے انھوں نے ۱۲ سے ۴ تک کا وقت لیا ہے یہ ادھر گاؤں کی خبریں بھی ہم لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اگر کوئی خبر غلط ہو تو قصور گاؤں والوں کا مگر یہ مفت میں بدنام ہوتے ہیں۔ کہنے لگے ایک موقع پر تو میرے جھوٹ نے کام بنا دیا

فوجی دستہ واپس جا رہا تھا، میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ گاؤں سے خبر آئی ہے کہ حملہ ہونے والا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کوشش کر کے دستہ کو رکوا لیا اس طرح لوگوں کی پریشانی دور ہوئی

۶۔ ناظم اطلاعات . . . . ظفر علی صاحب منصوری

ظفر صاحب غیر معمولی مستعدی اور رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں جتنی زیادہ تکلیف دی جائے گی یہ اتنا ہی خوش ہوں گے۔ اس کیفیت کے ساتھ ان کا چہرہ مجھے بڑا معصوم نظر آتا ہے۔ تعجب ہے کہ ظفر جیسا آزاد منش آدمی اتنی پابندی کے ساتھ ہر وقت دفتر اطلاعات میں دکھائی دیتا ہے تمام تندرستی کے جتن غالباً انھوں نے اسی زمانے کے لئے کر رکھے تھے عافیت بخیر اس کو کہتے ہیں ان کے مددگار سید حسن صاحب ہیں۔ سید صاحب کی سخت جانی سے آپ واقف ہیں۔ یہ بات نہیں کہ صبح کو نہ شام کا لانا ہے جو ئے شیر کا بلکہ ان کی مسکراہٹ بھی آپ اسی طرح پائیں گے

۷۔ مدیر بلیٹن . . . . محمد عاقل صاحب

یہ مجھ سے تو ریڈیو کی خبریں لیتے ہیں اور ناظم اطلاعات سے دوسری کام کی چیزیں۔ ذاکر صاحب اور اختر حمید صاحب سے قریبی رابطہ رکھ کر کچھ اور مواد بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر نیوز بلیٹن کا مسودہ تیار کر کے عبدالرؤف صاحب کو دے دیتے ہیں۔ رؤف صاحب

کے ذمہ اسے ٹائپ کروانا اور خاص جگہوں پر لگوانا ہے۔ ٹائپ کا کام محمد اسحاق صاحب کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسی بلیٹن سے میں نے ٹائپ کرنا سیکھا ہے۔ جی ہاں صلاحیت ہو تو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ مصعب صاحب نے بھی تو اسی طرح سیکھا تھا۔ رؤف صاحب کے لئے اخبار کی اشاعت کا کام کوئی نیا نہیں ہے۔ یہ اپنی اقامت گاہ اور جماعت میں کامیابی کے ساتھ اس کام کو چلا چکے ہیں

۸۔ ناظم مطبخ . . . عبدالحی صاحب

جی ہاں وہی عبدالحی صاحب جنھوں نے جوبلی کے زمانے میں نازک حالات پیدا ہونے پر کھلانے پلانے کے کام کو سنبھال لیا تھا یہ ہمیشہ دوراندیشی سے کام لے کر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ پناہ گزینوں کو کھلانے پلانے کا انتظام اختر صاحب نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ یہاں بھی اساتذوں کے مدرسے کے طلبہ مدد دے رہے ہیں۔ شبیر احمد خاں صاحب کی ہمت دیکھئے کہ صبح و شام لوگوں کو چائے پلا کر ان کو گرماتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ دام وصول کر لیتے ہیں

۹۔ ناظم نماز . . . عبدالواحد صاحب سندھی

مدرسہ کھلا رہنے پر جب اس کام کی تنظیم کر لی تو اب کیا مشکل بات تھی۔ عبادت کا شوق اور خدا سے لو لگانا کام میں جان ڈال دی ہے یعنی پناہ لینے والوں میں سے تقریباً سب کو نمازی بنا لیا ہے۔ اس کام

میں ماسٹر برکت علی صاحب نے ان کا ہاتھ بٹایا ہے۔ یہ انقلاب اس وقت ہوا جب جمعہ کی نماز میں مولانا خواجہ عبدالحی صاحب نے ایک موثر خطبہ دیا اور فرمایا کہ "خدا خیر و شر دونوں طرح سے مومنوں کو آزماتا ہے، خیر کی آزمائش تو یوں ہوئی کہ میرے سامنے بیسیوں ایسے مالدار لوگ بیٹھے ہیں جن کے پاس ہزاروں سے زیادہ دولت تھی مگر ان میں نماز بہت کم پڑھتے ہوں گے اور اب شر سے ہماری آزمائش ہو رہی ہے تو کیا یہ موقع بھی ہم کھو دیں گے۔" تقریر حالات حاضرہ کے پیش نظر بہت موثر تھی تفصیل کا یہاں موقع نہیں نتیجہ یہ ہوا کہ سب لوگ نماز پڑھنے لگے۔ بعد میں مولوی فضل الرحمن صاحب بھی جامعہ نگر آ گئے اور روزانہ مغرب کے وقت قرآن کی تفسیر بیان کرنے لگے۔

۱۰۔ پہرے دار . . . . .

ان کی تعداد کافی ہے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :-

اصغر اصلاحی صاحب۔ احسان الحق صاحب۔ ظہور الحق صاحب۔ عبدالحفیظ صاحب قدوائی۔ مصعب الرحمن صاحب۔ شعیب الرحمن صاحب۔ معین الدین صاحب۔ عرفان بیگ نوری صاحب۔ حافظ نبی احمد صاحب۔ عبدالواحد سندھی صاحب۔ غیاث الدین صاحب۔ منشی شفیق احمد صاحب۔ مستری سعید احمد صاحب۔ فائق صاحب۔ ادریس صاحب (صدیقی صاحب)

یہ سب اپنا کام محنت اور جانفشانی سے کرتے ہیں۔ میدان جنگ میں ان کی جو اہمیت ہے وہ آپ جانتے ہیں اس اعتبار سے ان کا کام

ہ کسی سے پیچھے نہیں ہے

اسکاؤٹ بچے . . . . زیر نگرانی عبدالرؤف صاحب

جامعہ میں اگرچہ چھٹیاں ہیں لیکن چند بچے وہ ہیں جن کے متعلقین آج کل جامعہ میں کام کر رہے ہیں اور چند بچے فسادات سے پہلے جامعہ میں داخل ہونے کے لئے آئے تھے۔ ان کا کام پیغامات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا ہے۔ یہ ویسے بھی خطرے سے لاپرواہ ہوتے ہیں۔ لیکن آج کل کے انتظامات انھیں جشن کی طرح معلوم ہوتے ہیں اس لئے ان کے کام میں اور بھی جان پڑ گئی ہے۔ چند بچوں کے نام یہ ہیں عنایت احمد۔ نظام الدین۔ اکرام الدین۔ خواجہ عبیداللہ۔ آصف انور مسعود احمد خاں

۱۲ - نامہ نگاری اور تاثرات قلم بند کرنا . . . . خادم

میرے ذمہ چار دفعہ پابندی کے ساتھ ریڈیو سن کر بلیٹن تیار کرنے والوں تک خبریں پہنچانا ہے۔ آج کل کے موضوع پر ہند کے مشہور لوگوں کی تقریریں اور بیانات سن کر ان کا خلاصہ بھی پیش کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے لئے سکون کی جگہ چاہئے اس لئے ریڈیو کا انتظام ہیچ مزاری میں رکھا ہے۔ آج کل اس طرف کی چاروں کوٹھیاں خالی کر کے لوگوں کو مرکز میں رکھا گیا ہے۔ یوں یہ جگہ زیادہ خطرے کی ہو گئی ہے۔ میرے ساتھ صرف چوکیدار رہتا ہے۔ آخری خبریں اور گاندھی جی کی تقریروں کا ریکارڈ جو بالعموم دس بجے سنایا جاتا ہے، رات کو

ساڑھے دس بجے لے کر لالٹین کی روشنی دھیمی کئے چپ چاپ مرکز کی طرف چلا جاتا ہوں۔ فاصلہ اور راستہ کی دشواریوں کا آپ کو علم ہے۔ اندھیری راتیں بلکہ بعض دفعہ خوب خوب مینہ برستا ہے مگر اطمینان یہ ہے کہ ایک نئے تجربہ سے دوچار ہوا ہوں اور ابھی تک کوئی دن ناغہ نہیں کیا ہے۔ اہم لوگوں کے وارد ہونے اور اہم واقعات کے پیش آنے پر موجود رہتا ہوں تاکہ صحیح تاثرات نوٹ کر سکوں۔ فسادات کی اطلاع اور دوسرے تاثرات کو لوگوں کے سامنے اس رنگ میں پیش کرتا ہوں کہ لوگ یہ نہ خیال کرنے لگیں کہ خدا کیا ہے جو اس اندھیر کو دیکھ رہا ہے اور خاموش ہے بلکہ لوگ اس مہم کو زندگی کے سنوارنے کا ذریعہ بنائیں۔ ان کے خیالات میں اگر غلطیاں ہیں تو وہ سوچیں اگر وہ ان سے ہٹ کر نیکی اور بدی کو پہچاننے میں غلطی کرتے تھے تو اب عقل سلیم سے کام لیں سو اس کے بعد جو کچھ وقت ملتا ہے، آپ کے نام کا یہ خط مکمل کرتا ہوں۔ اس میں بھی ڈیڑھ دو گھنٹے لگ ہی جاتے ہیں۔ کسی مرض سے متاثر آدمی اور کیا کر سکتا ہے۔

۱۳- جامعہ نگر سے باہر پناہ گزینوں کی خدمت ۱

۱- رضاکاروں کے سپہ سالار شمس الرحمٰن صاحب

۲- نائب کیمپ کمانڈر اسمٰعیل پٹیل صاحب۔

۱۶ ستمبر کے روزنامچے میں میں نے یہ بات لکھ دی ہے کہ جامعہ نگر میں باوجود گرمیوں کی چھٹیاں ہونے کے جو لوگ رہ گئے ہیں وہ

کچھ عرصہ تو اپنے بچاؤ کے کام میں لگے رہے لیکن جب پرانا قلعہ اور ہمایوں کے مقبرے کے پناہ گزینوں کا معاملہ پیش آیا تو تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود وہ اس کام کے لئے کمربستہ ہو گئے اور ان کی یہ مختصر سی جماعت پناہ گزینوں کو آرام پہنچانے کے لئے جو کچھ کر سکتی ہے وہ کر رہی ہے ان کے ذمے راشن کی تقسیم کا اہم کام ہے۔ کامریڈ شمس الرحمٰن صاحب ان کے سپہ سالار ہیں۔ شمس صاحب جس طرح تحریر و تقریر اور مباحثہ سے لوگوں کو متاثر کر لیتے ہیں۔ اسی طرح خدمت سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا ہے ان کے ساتھیوں میں قیصر صاحب مشکور صاحب عزیز صاحب افتخار صاحب ۔ اصلاحی صاحب ۔ سید حسن صاحب۔ نصیر صاحب زیدی صاحب مصعب صاحب ۔ اکرام صاحب ۔ قراق صاحب مسعود الحق صاحب ۔ شعیب صاحب ۔ جمیل اختر صاحب ہیں

اسمٰعیل پٹیل صاحب نے تو اپنی ذمہ داری میں اس درجہ کمال پیدا کیا کہ یہ آگے چل کر نائب کیمپ کمانڈر ہو گئے۔ گویا پٹیل صاحب کو اس نئی بستی کا ڈپٹی کمشنر کہنا چاہئے

جو اساتذہ جامعہ نگر سے باہر ہیں ان کی بے چینی قدرتی طور پر ہم سے کچھ کم نہیں ہے ہم تو یہاں کے انتظامات سے یک گونہ مطمئن ہو گئے ہیں لیکن جو باہر ہیں وہ بے چین ہوں گے کہ جس پودے کو انہوں نے اپنے خون سے سینچا ہے نہ جانے کس لمحہ اس پر کیا مصیبت آئے اساتذوں کے خطوط سے چند جملے نقل کرتا ہوں جس سے ان کی بیقراری

کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے -

شبیر احمد صاحب ندوی الہ آباد سے لکھتے ہیں " . . . . یہ نہ معلوم تھا کہ اس ملاقات کے بعد اتنا بڑا انقلاب آجائیگا ورنہ جامعہ چھوڑ کر آتا ہی نہ، اب تو آپ لوگوں کے حفاظت سے رہنے کی فکر ہے اے کاش کہ میں بھی آپ ہی لوگوں کے ساتھ خطرے میں رہتا یہاں امن کے ساتھ رہتے ہیں جو کوفت ہو رہی ہے اسے میرا جی ہی جانتا ہے آپ میری کوفت کا اندازہ اس سے کرسکتے ہیں کہ عید کے ایک ہفتہ بعد سے مسلسل بیمار رہوں اور آج بھی اس قابل نہیں ہوں کہ سفر کرسکوں لیکن میرے پاس ہوائی جہاز کے دام ہوتے تو دلی چلا آتا "

قیصر صاحب زیدی رامپور سے تحریر فرماتے ہیں : -

" . . . . . . پانی طوفانی ہو یا ساکن، مچھلی کا اس سے جدا رہنا بہت بڑی اذیت کا باعث ہے اور کیا لکھوں - خدا لایزال آپ حضرات کو امن و عافیت میں رکھے اور اس سرزمین پر پھر وہ حالات پیدا ہوں جن کے لئے قومی کارکنوں نے جان کی بازی لگانے میں کبھی کوتاہی سے کام نہیں لیا "

رشید نعمانی صاحب لکھنؤ سے تحریر فرماتے ہیں : -

ہمارے بعض متعلقین حیدر آباد میں ہیں ادھر ہفتوں سے وہ لوگ ہم سب کو با صرار دکن چلے آنے کی دعوت دے رہے ہیں میرے لئے وہاں کئی ایک نوکریاں طے کرلی گئی ہیں - مکان بھی لے لیا

۱ گیا ہے، زاد راہ کا بھی انتظام قریب ہو چکا ہے لیکن میری کیفیت یہ ہے کہ ترک وطن پر آمادہ ہوتا ہوں اور نہ دکن کے سفر کے لئے بیچاتا ہوں کہ خدا و ندان جامعہ کا سب سے زیادہ نا قابل توجہ اور کم از بندہ میں ہی ہوں پھر بھی یہ نہیں چاہتا کہ بارہ برس جس جگہ رہا ہوں اور جن لوگوں کے ساتھ اٹھا بیٹھا ہوں اس کو اب چھوڑ دوں بزرگوں نے مشورے دئے احباب نا عاقبت اندیش کہتے ہیں مستقبل کی فکر نہ کرنا یقیناً حماقت ہے لیکن جذبہ ہے کہ برقرار اور آرزو ہے کہ مستقل جاتا ہوں کہ موقعے بار بار نہیں ملتے۔ وسائل اور حالات ہر مرتبہ حسب خواہش نصیب نہیں ہوتے مگر .... سہ

برگشتہ ہوئی دنیا رسم و رہ الفت سے اک میری طبیعت ہے جو باز نہیں آتی

اس بھروسہ پر جامعہ سے طلبی آ رہی ہوگی، روپیہ آ رہا ہوگا وطن میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہا ہوں تمام سابقہ مشغلے مسدود۔ سیر و تفریح سے وحشت بہت کم آدمی ایسے ہیں جن کے پاس بیٹھ کر وقت گزار سکتا ہوں۔ یہ اتفاق دیکھئے کہ جھگڑوں سے پہلے ہمارے کئی اساتذہ پاکستان میں تھے۔ جھگڑوں کے بعد لوگ دہلی سے پاکستان جانے لگے مگر جامعہ کے استاد دہلی آنے کے لئے بے چین ہیں۔"

عتیق احمد صاحب کراچی سے لکھتے ہیں:۔

"...... یہاں کی یک سو زندگی سے تو جامعہ نگر کی خطرے کی زندگی اچھی تھی۔"

عتیق احمد صاحب نے ایک دلچسپ ہدایت اسی خط میں دفتر والوں کو یہ بھی دی ہے کہ موصوف کے چلتے وقت ابتدائی ششم کی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔ لکھتے ہیں۔

"اس کھڑکی کو بھی ضرور بند کر دیجئے گا۔ ورنہ برسات میں سامان خراب ہو جائے گا۔"

یہ تو "کیمیا نکا" والی بات ہوئی کہ چاروں طرف آگ لگی ہو مگر احساس فرض یا محبت مجبور کر رہی ہے کہ پانی کا گلاس لئے کھڑا رہے۔

محمد سرور صاحب جن کا گھر پاکستان میں ہے لاہور سے لکھتے ہیں۔

"۔ ۔ ۔ ۔ لاہور میں ۱ ½ ماہ رہنے کے بعد اکثر دل میں آیا کہ اگر میں جامعہ نگر میں ہوتا اور خدانخواستہ جامعہ پر حملہ ہوتا اور مدافعت میں جان جاتی تو وہ موت اس زندگی سے جو مجھے اس زمانے میں یہاں گذارنا پڑی ہے کہیں زیادہ پرلطف ہوتی، آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس زمانے میں جامعہ اور جامعہ کے احباب کس قدر یاد آتے ہیں۔ خدا کرے راستہ جلد کھلے اور ہم لوگ جامعہ نگر پہنچ جائیں"

محسن صاحب میری یہ مخاطبت آپ کے نام ہے اس لئے آپ نے دوسروں کی سب بے چینیاں پڑھ لی، شاید یہ اوراق آپ کے علاوہ اوروں کو بھی پڑھنے کا موقع ملے اس کی اجازت دیجئے کہ آپ کے خط کا اقتباس بھی پیش کردوں

"۔ ۔ ۔ ۔ لیکن واہ رے دِل۔ لی، ایسے ایسے خونچکاں واقعات سننے کے بعد بھی تیری یاد دل سے محو نہیں ہوتی پاکستان میں لوگ آگئے گویا جنت میں پہنچ گئے! بعض لوگ جو دہلی میں معمولی حیثیت کے تھے، یہاں بڑی بڑی دکانوں پر قبضہ کئے ہوئے ہیں لیکن جب دلی کا نام ان کے کانوں میں پہنچتا ہے تو ان کے دل سے ٹھنڈی آہیں نکلتی ہیں اور کہتے ہیں کہ ہائے دلی اب اس دلی کو دیکھنا کب نصیب ہوگا! کاش ہم لوگ وہیں رہتے اور وہیں ہمارا خاتمہ بالخیر ہوتا۔ کیا کیا جائے اہل وعیال کے جانوں کے خوف سے دلی چھوڑنی پڑی ورنہ ہم کو ان کا فکر نہ ہوتا تو ہم جیتے جی دلی ہرگز نہ چھوڑ آتے۔" والدین سے اجازت نامہ منگوایا ہے۔ وہاں سے اطلاع آتے ہی فوراً دہلی پہنچ جاؤں گا۔ دعا فرمایئے کہ جلد از جلد جامعہ نگر حاضر ہو جاؤں "

جامعہ کا یہ پودا شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ہاتھوں کا لگایا ہوا تھا جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ مولانا محمد علی لائے اور جس کی آبیاری حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری نے کی پھر یہ مقدس امانت ڈاکٹر ذاکر حسین کے سپرد ہوئی۔ خدا کا فضل اور ان بزرگوں کے فیض کا اثر ہے کہ جامعہ بچی رہی لیکن فساد زدہ علاقوں کی طرح جامعہ بھی مشکلات میں پھنس گئی

۴۔ ابتلاء کا یہ دور جامعہ کے لئے نیا نہیں ہے۔ جامعہ قیام کے ابتدائی زمانے میں خلافت کے چندوں سے چلتی تھی جب خلافت کی تحریک ختم ہوئی تو ۱۹۲۵ء میں جامعہ کے سامنے موت اور زیست کا سوال تھا۔ اس حالت میں حکیم اجمل خاں اسے دلی لے آئے اور اپنی مسیحائی سے زندہ رکھا میں نے اس وقت کا نقشہ "ایک معلم کی زندگی" میں اس طرح کھینچا تھا:۔

"مگر ۱۹۲۲ء کا سا لطف کہاں۔ جلسے ٹھنڈے پڑ گئے دعوتیں بے لذت ہو گئیں۔ جماعتوں میں وہ رونق نہ تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کوئی بڑی دکان ایک مقام پر دیوالیہ ہو کر دوسری جگہ آئی ہے اور وہ یہاں اپنے ٹوٹے پھوٹے سامان کی مرمت کر رہی ہے اس امید پر کہ اس کا کام پھر چل پڑے گا۔"

(ایک معلم کی زندگی صفحہ ۹۴)

دوسرا دور وہ تھا جب حکیم صاحب کا سایہ سر سے اُٹھ گیا پھر اس کی تمام ذمہ داری ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب پر آ پڑی۔ ذاکر صاحب خودداری اور محبت کا مجسمہ ہیں، خودداری کا تقاضہ یہ ہوا کہ آپ تو اس کے کارکن ایثار سے کام لیں پھر کچھ کر کے دکھائیں۔ محبت کا تقاضہ یہ ہوا کہ لوگ کھنچے کھنچے چلے آئیں۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں جامعہ کے کارکنوں نے عہد پیمان کیا کہ وہ خود جامعہ کو چلائیں گے اور ان کا کوئی رکن ڈیڑھ سو روپیوں سے زائد تنخواہ نہ لے گا جب ذاکر صاحب نے اپنے

ساتھیوں میں یہ قوت آزمائی قوم سے مخاطب ہو کر کہا۔

"روپئے دو ہی طرح سے وصول ہوتے ہیں ایک ٹیکس سے دوسرے نذر سے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اپنے کام سے ہم اپنے کو اس بات کا مستحق بنائیں گے کہ قوم ہمیں نذر دے۔ ممکن ہے آپ لوگوں کو میری یہ باتیں غرور سے بھری معلوم ہوں لیکن میں بہت خاکسار واقع ہوا ہوں اور اس وقت ایسا کہنے پر مجبور ہوں امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے"

(ایک معلم کی زندگی صفحہ ۱۸۰)

ذاکر صاحب کی خودداری اور محبت کا یا اثر ہوا کہ حلقہ ہمدردان جامعہ قائم ہوا طلبہ کی تعداد بڑھی فیسوں کی آمدنی ہونے لگی۔ راجہ نوابوں نے دست تعاون بڑھایا۔ خودداری اور محبت نے جامعہ نگر میں بستی کی شکل اختیار کرلی پھر ۱۹۴۶ء میں جوبلی کے موقع پر لوگوں نے دیکھا کہ چاروں طرف نفرت کے شعلوں کی لپیٹ میں جامعہ نگر ہی ایک ایسی بستی تھی جہاں مسلم لیگ اور کانگریس کے بڑے بڑے رہنما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے!

وہ زندگی کیا ہوئی جس میں گرہیں نہ پڑیں اب ۱۹۴۷ء کے موجودہ فسادات میں جامعہ مشکلات کے تیسرے دور میں داخل ہوئی ہے یہاں روپئے پیسوں سے بڑھ کر جانوں کے ضائع جانے کا اندیشہ تھا۔ زندہ وہی رہ سکتا ہے جو موت کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ ذاکر صاحب

کا غیر معمولی عزم یہاں بھی آڑے آیا انھوں نے ساتھیوں کو جمع کرکے
وہ تاریخی تقریر کی جو میں اس باب کے شروع میں درج کرچکا ہوں
اب کیفیت یہ ہے کہ ہم لوگ ڈٹے ہوئے ہیں تبادلۂ آبادی کی وجہ
سے ہمدردان جامعہ کا نظام درہم برہم ہوگیا ہے یکم جنوری ۱۹۴۸ء
سے جامعہ کے کھلنے کا اعلان کردیا ہے۔ مگر اس سال لڑکے کم آئیں گے
کہ سرپرستوں نے اپنے اپنے صوبوں میں بچوں کو داخل کرادیا ہے لیکن
سرپرستوں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ آئندہ سال بچوں کو بھیجیں گے
یوں جامعہ کا کام دوبارہ چل پڑے گا۔ انشاء اللہ میں نے ۱۹۲۵ء
کی آپ بیتی میں جامعہ کے بارے میں لکھا تھا:۔

" وہ جامعہ جہاں سے نئی پود تیار ہوکر سارے ہندوستان (بشمول
پاکستان) میں پھیلے گی، بڑھے گی، تناور درخت کی طرح جہاں ایک
طرف پھل دے گی تو دوسری طرف حادثات کا مقابلہ کرتے ہوئے
ثابت قدم رہے گی۔ مگر اپنے اصولوں کو ہاتھ سے نہ جانے دے گی
وہ اصول کیا ہیں ایک مسلمان کی حیثیت سے صحیح راستے پر چلنا
ارادے، فکر اور عمل کی آزادی، آزاد ہندوستان میں ہندو
مسلمان کا مل جل کر رہنا ہاں ان اصولوں کی عمارت کا پہلا معمار
(عمارت سے مراد جامعہ نگر کی بستی ہے) ذاکر حسین ہے۔ اس
معمار کو فخر ہے کہ اس کے ساتھی سرکاری ذہنیت سے الگ ایک
خاندانی خیال رکھتے ہیں۔ اس لئے جامعہ کے لوگوں کے کاموں

کا حساب کتاب ہی دوسرے انداز پر ہے۔"

(ایک معلم کی زندگی صفحہ ۱۵۸)

بے شک جامعہ والے حادثات کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جگہ ثابت قدم ہیں

۵۔ فسادات میں دہلی اور پنجاب کا نقصان

جیسا کہ میں نے ۱۰ ستمبر کے روزنامچے میں لکھا تھا، فسادات تو اوائل ستمبر میں شروع ہوکر وسط ستمبر میں بند ہو گئے تھے لیکن اس کے اثرات کام کر رہے تھے۔ وسط اکتوبر میں دہلی کے نقصان کا جو اندازہ لگایا گیا ہے وہ اس طرح ہے:۔

"دہلی میں فسادات کی وجہ سے جو جانی نقصان ہوا اگرچہ سرکاری حلقوں کے بیان کے مطابق ایک ہزار انسان ہلاک ہوئے مگر اس کا صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ دہلی جیسے مرکزی تجارتی شہر میں تمام نظام بگڑ گیا تجارت بند ہو گئی اور نارمل زندگی پر جیسے فالج گر گیا ہو اگر ہم تمام کرفیو کے اوقات کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ۲۰۹ گھنٹوں یعنی ۲۹ دن کے لئے کرفیو لگ چکا ہے۔ دہلی نواسیوں کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا۔ تقریباً ایک لاکھ بیاسی ہزار ایک سو اشخاص تیس ہزار گھر اور دکانیں اس فساد کے دنوں میں چھوڑ کر رفیوجی کیمپ میں چلے گئے جن میں سے ایک لاکھ اشخاص پاکستان کے لئے روانہ ہو چکے ہیں اور باقی ماندہ آہستہ آہستہ اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔ دہلی راشننگ ڈیپارٹمنٹ کو ہزار اگ مہیا کرنے کے لئے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انھیں ان رفیوجی کیمپوں کے

علاوہ پچھمی پنجاب کے آئے ہوئے ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار ہندو اور سکھ شرنارتھیوں کو بھی خوراک دینا پڑی۔ فسادات کے دنوں میں تقریباً دو ہزار تین سو اشخاص پکڑے گئے اور دو گاؤں پر اجتماعی جرمانہ ہوا اور دس ہزار گیلن سے زیادہ پٹرول خرچ ہوا

شہر میں اتنے عرصے تک جو گڑبڑ رہی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں پولیس کے کافی افسر اور کانسٹبل چلے گئے اور کچھ فسادات کے دنوں میں پولیس اسٹیشن سے مفرور ہو گئے اس لئے انتظام کے لئے پولیس کم ہو گئی لیکن پھر بھی لوگوں کے سہیوگ سے حکومت نے جلد اس آگ پر قابو پا لیا۔ دہلی پراونشل کانگریس کمیٹی سٹوڈینس کانگریس سٹوڈینس فیڈریشن نے بھی ہاتھ بٹایا※

سونے اور چاندی کے داموں میں بھی کافی کمی ہو گئی کیونکہ پنجاب میں شرنارتھیوں نے اپنا سونا اور چاندی بیچنا شروع کر دیا ہے اور سندھ کے شرنارتھیوں نے بھی بمبئی میں   چاندی کی قیمت تہتر روپئے آٹھ آنے سے ترسٹھ روپئے پر آ گئی ہے۔ سونے کی قیمت ایک سو دس روپیہ بارہ آنے سے تانوے روپئے تک ہو گئی

کارخانوں کو بھی بہت نقصان ہوا۔ چند ہفتوں تک کام جانے بند رہے چالیس ہزار مزدور جنہیں گھنٹوں کے حساب سے مزدوری دی جاتی ہے۔ بیکار ہو گئے۔ ان میں بڑی تعداد دہلی چھوڑ گئے

※ جمعیۃ العلماء اور ساحر ابرار کا ذکر اگلے صفحے پر ہے

اور ابھی تک واپس نہیں ہوئے۔ ان کے علاوہ کارخانوں کے گودام مال سے بھرے پڑے ہیں لیکن مال گاڑیاں نہ چلنے کی وجہ سے پوربی پنجاب یا دیگر علاقوں میں مال نہیں بھیجا جا سکتا۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہی حالت کچھ دیر اور رہی تو ہزاروں مزدور بے کار ہو جائیں گے اور بھوک اور افلاس اپنا تسلط جمائے گا۔ دہلی مونسپل کمیٹی کو بھی بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کی آمدنی گیارہ گیارہ لاکھ جو اگست دسمبر میں ہوتی اب صرف چار لاکھ رہ گئی ہے۔ تقریباً پندرہ روز تک تمام محصول کی چوکیاں بند رہیں، دوسرے قسم کے ٹیکس بھی نہیں لئے جا سکے کیونکہ ملازم اپنی ڈیوٹیوں پر جاتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ٹاؤن ہال کی بلڈنگ کو ایمرجنسی کمیٹی نے لے لیا تھا اس لئے کمیٹی کی میٹنگ ہفتوں تک نہ ہو سکی سب سے زیادہ مشکل بیچارے ان پرامن شہریوں کو ہوئی۔ جنس اشیاء کی قیمتیں بڑھ جانے کی وجہ سے کافی دقتیں اٹھانی پڑیں۔ کافی راشن کی دکانیں ایک لمبے عرصے تک بند رہیں۔ دودھ بالکل عنقا تھا جس سے بیماروں کو حاملہ عورتوں اور بچوں کو سخت تکلیف ہوئی اس کے علاوہ اسکول اور کالج کافی عرصہ تک بند رہے جس سے پڑھائی میں کافی حرج ہوا۔ فیڈریشن سوشلسٹ پارٹی کیمونسٹ پارٹی، احرار اور جمعیتہ العلماء نے جس سرگرمی سے اس بدامنی کو دبانے میں حصہ لیا اس سے

حکومت کے ہاتھ اور بھی مضبوط ہو گئے۔ اسپیشل پولیس نے اور اسپیشل مجسٹریٹوں نے جس جانفشانی سے کام کیا وہ بھی قابل تعریف ہے۔ اس کے علاوہ یو۔ٹی۔سی آفیسر اور بوائے اسکاؤٹ نے بھی حکومت کی کافی مدد کی انھوں نے شہر کے گلی کوچوں میں سے لاشوں کو اٹھایا اور اپنی نگرانی میں انھوں نے خوراک کو راشن کی دکانوں تک پہنچایا۔ اس آگ سے دہلی کے اسٹاک ایکسچینج کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ ہندوستانی لوہے کا حصہ جس کی قیمت پہلے ۳۷ روپیہ تھی اب ۲۸ روپیہ یعنی ۲۵ فیصدی کم ہو گئی" (اخبار تیج دہلی مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

جہاں تک چیزوں کے بھاؤ کا تعلق ہے وہ اس طرح ہیں۔

"سبزیوں کی گرانی نے عوام کو پریشان کر دیا ہے۔ آلو ایک روپیہ سیر۔ ادرک روپیہ سیر، پیاز ڈھائی روپیہ سیر، لہسن ڈیڑھ روپیہ پالک، شلجم، چقندر، بینگن، گھیا، ٹنڈے، ترئی آٹھ آنے سیر بھنڈیاں روپیہ سیر فروخت ہو رہی ہیں۔ گوبھی کا پھول چار آنے سے لے کر ایک روپیہ تک۔ انڈا تین آنے سے چار آنے تک ڈبل روٹی چھ آنے کی مرغی چار روپیہ سے چھ روپیہ تک، ٹماٹر دو روپیہ سیر۔

کوئلہ بڑی دقت سے ملتا ہے۔ بلیک مارکٹ سے آٹھ دس روپیہ من آسانی سے مل جاتا ہے۔ بازار میں چپاتی

تین تڑ کی دو آنے کی ایک ملتی ہے۔ عام طور پر روٹی ایک روپیہ سیر فروخت ہو رہی ہے۔ بازار میں معمولی کھانا کھانے والوں کا پیٹ ایک روپیہ سے لے کر ڈیڑھ روپیہ تک میں بھرتا ہے۔

دودھ میں پانی زیادہ ملایا جا رہا ہے اور دس آنے سیر کا جو دہ آنے سیر بکا فروخت ہو رہا ہے۔ وہی جودہ آنے اور ایک روپیہ سیر فروخت ہو رہا ہے۔ مٹھائی چار روپیہ سیر اور نمکین چیزیں چار اور پانچ روپیہ سیر فروخت ہو رہی ہیں۔

شہر سے بے شمار مسلمان پاکستان جا رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے بکری کا گوشت چھ آنے سیر سے ایک روپیہ سیر تک فروخت ہو رہا ہے۔ بہت سے محلوں میں آج گوشت آواز لگا کر چھ آنے سیر فروخت ہوا۔ بڑا گوشت بیچنے والے قصابوں نے بھی چھوٹا گوشت فروخت کیا۔ شہر میں اب بڑا گوشت قطعی نہیں ملتا۔ انگریز بھی اب چھوٹا ہی گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ مچھلی بنگالیوں کو کسی قیمت پر دستیاب نہیں ہوتی۔ دالوں کی قیمت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ عام طور پر دالیں ایک روپیہ سیر فروخت ہو رہی ہیں۔ (اخبار انجام دہلی مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۷ء)

جو لوگ پاکستان جا رہے ہیں وہ کوڑیوں کے مول اپنا سامان فروخت کر رہے ہیں۔ ایک طرح سے اسے بھی نقصان ہی میں شمار کرنا چاہئے۔ چند چیزوں کی قیمت فروخت یہ ہے:۔

"سائیکل دس پندرہ روپئے میں، سنگرمشین ۲۰ روپئے میں۔ ریڈیو ۳۰ سے ۵۰ روپیوں تک۔ تانگے، گھوڑے پچاس پچاس روپئے میں تانبے کے برتن ۸ سیر سونے کے زیورمیں روپیہ تولہ چینی کے کوڑیوں کے مول۔ فرنیچر ٹکے سیر۔ (پیام دہلی مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

گاندھی جی نے پنڈت سندرلال کو اپنا خاص ایلچی بناکر پنجاب کے دورے پر روانہ کیا تھا تاکہ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھ کر صحیح تاثرات قلبند کریں اور گاندھی جی کو ان کے بارے میں کارروائی کرنے میں سہولت ہو چنانچہ پنڈت جی نے ایک غیرجانبدار مبصر کی حیثیت سے اپنے تاثرات اخبارات میں شائع کئے ہیں، ان کے اقتباسات مناسب موقعوں پر درج کرتا رہوں گا۔ یہاں وہ حصہ سنئے جو فسادات میں پنجاب کے نقصان سے متعلق ہے۔

"پنجاب کے فرقہ وارانہ فسادات و مظالم کے حالات جن کی بدولت لاکھوں انسانوں کی آبادیاں اپنے جدی مکانوں کو چھوڑنے پر مجبور ہوئیں اور جو مصائب اور تکالیف ان کو برداشت کرنا پڑی ہیں ان کے قصے تمام ملک میں پھیل چکے ہیں۔ فریقین کے اخبارات ان کو بڑے پیمانے پر شائع کرتے رہتے ہیں۔ ان قصوں کے فطری اثرات اچھے اور برے ملک پر پڑ چکے ہیں لیکن زیادہ اثرات خراب ہی پڑے ہیں۔ بعض اوقات یہ قصے نہایت مبالغہ کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور بالعموم یہ یک طرفہ پہلو لئے ہوئے ہوتے ہیں تاہم یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو کچھ قصے بیان کئے گئے

ہیں۔ اصلی واقعات ان سے بھی زیادہ تاریک ہیں۔ یہ تمام معاملہ اس درجہ غیر معمولی ہے کہ فی الواقع کوئی شخص بھی آنکھ سے دیکھے بغیر ان چیزوں کا تصور نہیں کر سکتا

گزشتہ اکتوبر میں مشرقی اور مغربی پنجاب میں میں نے دو ہزار میل سے زیادہ کا سفر کیا۔ میں حدود صوبہ سرحد، کشمیر اور بہت سی ریاستوں کی سرحد تک گیا۔ کچھ سفر ریل سے کچھ ہوائی جہاز سے کچھ موٹر سے اور کچھ ملٹری گاڑیوں سے کیا مجھے تیس تیس اور چالیس چالیس ہزار کے قافلوں میں گذرنے کا اتفاق ہوا۔ کچھ ان میں مسلمانوں کے قافلے تھے جو جانب مغرب جا رہے تھے اور دوسرے ہندوؤں اور سکھوں کے تھے جو مشرق کی جانب جا رہے تھے۔ ان پناہ گزینوں میں سے میں نے بہت سے لوگوں سے بات چیت کی۔ میں نے پناہ گزینوں کے کیمپوں میں قیام کر کے بھی دیکھا۔ مجھے ان لوگوں کو جمع کرنے اور ان سے تبادلۂ خیالات کرنے کا بھی اتفاق ہوا، جو اب تک اپنے مواضعات میں رکے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر ایسے انفرادی قصوں کا بیان کرنا بے کار ہوگا کہ جن سے کتابیں بھری جا سکتی ہیں۔ یہاں پر صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ سب چیزوں کو اپنی آنکھ سے دیکھنے اور حکام ضلع دہر دو ڈومینیئنوں کے جو افسران جو ایک دوسری

ڈومینین میں کام کر رہے ہیں۔ شرقی اور غربی پنجاب کے اور سنٹرل پاکستان کے وزرا سے گفتگو کرنے کے بعد میرا اندازہ یہ ہے کہ ہر دو جانب مقتولین کی تعداد پانچ لاکھ ہوگی۔ مال و متاع کا نقصان چند ارب روپیوں کا ہوگا۔ اغوا شدہ عورتوں کی تعداد پچیس ہزار کے قریب ہوگی اور جن لوگوں کو زبردستی تبدیل مذہب پر مجبور کیا گیا ان کی تعداد اس سے زیادہ ہوگی

اقتصادی تباہی اور نقصانات عظیم کا اندازہ کرنے کے لئے میں لاہور شہر گیا جس کے چاروں طرف فصیل ہے اور جو ابھی کچھ دنوں پہلے نہایت خوش حال خطہ تھا۔ اور جہاں کی آبادی بہت گھنی تھی۔ اس خطہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی آبادی قریب قریب برابر تھی۔ مسلمانوں کی اکثریت بمشکل بہ قدر ایک فی صدی کے ہوگی۔ شہری کاروبار زیادہ تر ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ آج کم از کم دو تہائی لاہور محض کھنڈر ہے۔ جب میں لاہور کے تباہ شدہ علاقے سے گذرا تو میری آنکھوں کے سامنے مظفر پور اور مونگیر کا وہ منظر آگیا جو ۱۹۳۴ء کے زلزلے کے بعد ہوا تھا۔ لاہور میں ہندوؤں نے مسلمانوں اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے مکانوں کو آگ لگائی۔ اور گرادیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج

پنجاب کا صدیوں کا دار السلطنت تباہ و برباد ہے
میں امرتسر کی گلیوں اور بازاروں میں گھوما۔ امرتسر کی حالت لاہور سے بھی زیادہ خراب ہے۔ لاہور میں تو کہیں کہیں ہندو بھی نظر آجاتے تھے۔ اگرچہ وہ زیادہ تر شل قیدی کے تھے اور ان کے لئے گلیوں میں نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ کوئی کوئی ہندو کی دوکان بھی کھلی دکھائی دیتی تھی اور کچھ مغربی پنجاب کے حکام کھلوا رہے تھے۔ لیکن امرتسر میں تو کوئی مسلمان نام کو بھی نہ تھا۔ سوائے مغربی پنجاب کے افسر کے جو وہاں تعینات تھا اور اس کے چند ملازم جو قریب قریب اپنے مکان کے احاطے میں شل قیدی کے تھے۔
امرتسر میونسپلٹی کے ایک بڑے افسر نے مجھے بتلایا کہ چنگی کی آمدنی تقریباً ساڑھے چار لاکھ روپئے کی ہوتی تھی امسال کل آمدنی کا تخمینہ پچیس تیس ہزار کا ہے۔ امرتسر کو قریب قریب تمام ہندو کاروباری لوگ بھی چھوڑ گئے اور جو ہیں وہ چھوڑ رہے ہیں اور دہلی اور بمبئی جاکر آباد ہو رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ امرتسر کو کچھ تو اس وجہ سے غیر محفوظ سمجھتے ہیں کہ وہ سرحد پر ہے اور اس وجہ سے کہ بدقسمتی سے ہندوؤں اور سکھوں میں بھی کش مکش بڑھ رہی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ لاہور تو پھر بھی کاروباری اور تعلیمی مرکز بنا

جائے گا لیکن اگر صورت حال بالکل ہی بدل جائے تو امرتسر تو ہمیشہ کے لئے ایک سرحد، سکھوں کی چھاونی بن کر رہ جائے گا مغربی اور مشرقی پنجاب کے بہت سے دیگر مقامات اور مواضعات کی کم و بیش یہی حالت ہے جہاں دیکھئے گاؤں کے گاؤں غیر آباد پڑے ہیں۔ مکانات جلے پڑے ہیں۔ مویشیوں کے گلے جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور کوئی دیکھنے والا نہیں فصلیں کھڑی ہیں کوئی کاٹنے والا نہیں۔ تمام کاروبار تمام تجارت قریب قریب تباہ ہو چکی ہے اس لئے کہ اگر تجارت کا ایک شعبہ ایک قوم کے ہاتھ میں تھا تو دوسرا شعبہ دوسرے کے ہاتھ میں تھا۔ زندگی اس طرح گھلی ملی تھی کہ ایک کی تباہی کے بعد دوسرے کا تباہی سے بچنا مشکل تھا۔ لاہور کے ایک بازار میں مسلمان درزیوں نے مجھ سے کہا کہ ان کے بچے بھوک سے مر رہے ہیں۔ اس لئے کہ ہندو بزاز اور ہندو خریدار دونوں ختم ہو چکے ہیں۔

جو لوگ، بچے عورتیں لمبی لمبی قطاروں میں قافلوں کی شکل میں سفر کرتے ہیں ان کے مصائب کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ انتقال آبادی اور انخلا کا روبار بعینہ یہی صورت ہے کہ بڑے بڑے درختوں کو اس زمین سے جہاں انھوں نے پرورش پائی ہے جڑ سے اکھاڑ کر سینکڑوں میل کے فاصلے

پرے جاکر دوبارہ لگایا جائے اور وہ بھی نہایت بھدی قسم کے طریقے سے یہی نہیں کہ اس سفر میں بہت سے درخت مرجائیں گے بلکہ وہ بھی جو اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ ان میں سے بھی بہت سی نئی آب و ہوا میں زندہ نہ رہ سکیں گے۔ پھر یہی نہیں کہ جو درخت اکھاڑے جاتے ہیں وہ ہی خراب نہیں ہوتے بلکہ جو درخت باقی رہ جاتے ہیں ان کی بھی جڑیں جل جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر دو جانب مکمل تباہی اور بربادی ہی نظر آئے گی۔ آج کل مشرقی اور مغربی پنجاب کی کیفیت ہے۔ امرتسر اور لاہور کے درمیان بھی ہزاروں مٹی کے ڈھیر سڑک کے ہر دو جانب دیکھنے میں آتے ہیں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ان پناہ گزینوں کی قبریں ہیں جو سفر میں انتقال کر گئے۔ غالباً یہ مٹی کے ڈھیر کسی ایک شخص کی قبر کے نہ تھے بلکہ ہر ایک ڈھیر میں کثیر التعداد مردے دفن تھے۔ جب ایک چھوٹا سا قافلہ جو مغرب کی جانب سے دس گیارہ موٹر ٹھیلوں میں آتا ہوا لاہور پہنچا تو ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان موٹر ٹھیلوں میں جن میں ان گنت آدمی بھرے ہوئے تھے، پانچ عورتوں کے راستہ میں بچے پیدا ہوئے ان میں سے چار ماؤں نے اپنے چھوٹے بچوں کو کسی طرح بچا لیا لیکن پانچویں کے متعلق یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ وہ راستہ

میں گر گیا یا ٹھیلے ہی میں کچل گیا۔ خوش قسمتی سے گنگا رام ہاسپٹل لاہور میں اب بھی تھوڑا بہت مختصر پیمانہ پر کام کر رہا ہے۔ یہ بائیں اور بچے فوراً ہسپتال بھیج دیئے گئے

جب ہم لوگ امرتسر اور جالندھر کے درمیان دریائے بیاس کے بائیں کنارے موٹر سے سفر کر رہے تھے تو ہم کو راستہ میں ایک بڑا قطعہ آراضی ایسا ملا کہ جن پر بستر ے، ٹرنک اور دیگر سامان بکثرت بکھرا ہوا پڑا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ تیس چالیس ہزار آدمیوں کا ایک قافلہ شرق کی جانب سے آرہا تھا۔ اس قافلے نے اس جگہ قیام کیا۔ ان بدنصیبوں کو یہ نہ معلوم تھا کہ اس رقبہ میں بیاس اور دوسری ندی کا پانی آجاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طوفان کے پانی نے ہر فرد و بشر کو ختم کر دیا

انتقال آبادی کی کاروائی انسانیت کے ساتھ ایک گناہ عظیم ہے۔ شاید اس سے تاریک تر گناہ انسانی تاریخ میں نہ ہوا ہوگا۔ یہ کتنا مشکل ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے مجھے تو اکثر خیال آتا ہے کہ کم از کم ہمارے ایک درجن چوٹی کے لیڈر جن میں سب پارٹیوں کے لیڈر شامل ہونے چاہئیں اور نیز برطانوی قوم کے سیاسی لیڈروں پر اس جرم کا مقدمہ انھیں پناہ گزینوں کے سیدھے اور غیر جانبدار

نمائندوں کی عدالت میں چلایا جانا چاہیئے جن پران مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹا ہے

اب ذرا سوچئے کہ جرائم کا سلسلہ کیسے شروع ہوا ہے غیر جانبدار شخص یہ تسلیم کر چکا ہے کہ موجودہ مصائب کی ابتداء مسلم لیگ کے ڈائرکٹ ایکشن کے دن یعنی ۱۶ راگست ۱۹۴۶ء سے شروع ہوئی۔ معاملہ میں الجھن ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں واقعات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہر شخص کو اپنے گناہ کا اقرار کرنا چاہیئے۔ عام خیال ہے کہ کلکتہ میں جانی نقصان مسلمانوں کا زیادہ ہوا اور مالی نقصان ہندوؤں کا زیادہ ہوا۔ مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ وہ مات کھا گئے اور شروع اکتوبر میں نواکھالی میں واقعات شروع ہو گئے۔ نواکھالی کے واقعات کی ہندو پریس نے بہت مبالغے کے ساتھ اشاعت کی۔ ان واقعات کا نظرتاً ہندوؤں پر بہت برا اثر ہوا نتیجے میں بہار اور گڑھ مکتیشر کے واقعات ظہور پذیر ہوئے

لیکن ان سب چیزوں کا اثر پنجاب پر زیادہ پڑا۔ یونینسٹ گورنمنٹ اس کے نقائص خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں اس نے راشٹریہ سیوک سنگھ اور مسلم لیگ نیشنل گارڈ والوں پر پابندیاں عائد کر رکھی تھیں اور کسی نہ کسی طرح اپنے صوبے کو فرقہ وارانہ فساد سے بچائے رکھا

شروع مارچ ۱۹۴۷ء میں خضر حیات وزارت کو مستعفی ہونا پڑا برطانوی سلطنت کے لوگوں کو اپنے مقاصد کے حصول میں پنجاب کی پارٹی پالٹکس سے بہت مدد ملی۔ خضر حیات کے استعفے سے اگلے دن ہی ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے جلسہ ہوا جس میں انھوں نے عہد کیا کہ مسلم لیگ کو وزارت نہ بنانے دیں گے۔ اسی دن لاہور میں کچھ فساد ہوا اور چند مسلمان مقتول ہوئے۔ یہ فساد تین چار روز تک چلتا رہا اس کے بعد ایک ایسا ہی فساد امرتسر میں ہوا۔ اس کے بعد راولپنڈی، میانوالی، ملتان، ڈیرہ غازی خاں اور سرحد کے دوسرے اضلاع میں سخت فسادات ہوئے کہا جاتا ہے کہ صوبہ سرحد کے کچھ مسلم رضاکار بہار گئے تھے اور وہاں سے کچھ مسلم مقتولین کی ہڈیاں لائے تھے۔ جن کے جلوس انھوں نے صوبہ سرحد کے قصبوں اور دیہاتوں میں د نکالے۔ اگرچہ راولپنڈی اور صوبہ سرحد کے اضلاع میں سخت فسادات ہوئے۔ تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ لاہور میں کچھ سکون رہا۔ وہاں پر نہ بہار کا نہ راولپنڈی کا اثر پڑا۔ وسط مئی کے قریب تقسیم پنجاب کے مباحثے نے انتہائی زور پکڑا امرتسر اور لاہور کے حالات دگرگوں ہوگئے۔ وجہ یہ تھی کہ ان دونوں شہروں میں ہر فرقہ ان شہروں کے حصول

کا حد درجہ خواہشمند تھا۔ اس بات کی تحقیق کرنا کہ کس فریق کا جرم زیادہ سنگین تھا بے نتیجہ ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ امرتسر کے ایک فرقہ کے لوگ جب زیادہ پریشان ہوئے تو انھوں نے لاہور میں اپنے ہم مذہبوں کے پاس چوڑیاں اور مہندی بھیجی اس کے معنی صاف تھے فسادات بڑھتے گئے ۳ رجون کے اعلان نے آگ میں ایندھن کا اضافہ کر دیا۔ لاہور میں فسادات ۳۰ رجون کو درجہ انتہائی پر پہنچ گئے جب کہ شاہ عالمی دروازے کے اندر محل نما تعمیرات سپرد آتش ہو گئے . . . .

. . . لاہور اور امرتسر میں فسادات بیک اوقات ہوئے ۲۱ رجون کو شاہ عالمی دروازہ کی آگ کے بعد ہندو لاہور سے بھاگنا شروع ہو گئے لیکن عام انتقال ۱۵ راگست کے بعد شروع ہوا۔ ۱۷ راگست کے باونڈری کمیشن کے فیصلے کے بعد سے لاہور تیزی کے ساتھ مسلمانوں کا اور امرتسر ہندوؤں کا شہر بننا شروع ہو گیا۔ ہر دو شہروں میں اقلیت حد درجہ خوف زدہ ہو گئی

خون کھولا دینے والے مظالم کی داستانیں جن کے مرتکب ہر فرقہ کے افراد دوسرے فرقہ کے افراد پر ہوئے۔ ہزارہا برس سے سننے میں آتی ہیں۔ ان کے دوہرانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بہرحال ان سب کا ایک نتیجہ بالکل صریح ہے۔ کوئی جرم ایسا نہ ہوگا جس کا مرتکب سکھ نہ ہوا ہو کوئی جرم ایسا نہ ہوگا

جس کا مرتکب مسلمان نہ ہوا ہو۔ کوئی جرم ایسا نہ ہوگا جس کا مرتکب ہندو نہ ہوا ہو

جب کبھی کوئی جھوٹی یا سچی خبر کسی فریق کو دوسرے فریق کی طرف سے پہنچی تو اسی فریق نے اس کا بدلا دوسرے فریق کے افراد سے اپنے علاقے میں بدتر طریقہ پر لینا شروع کیا اور یہ چکر درچکر نہایت زوروں سے چلنے لگا اور یہ ظاہر ہونے لگا کہ فطرت انسانی کس حد تک گر سکتی ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اصل فطرت انسانی پر ظاہری مذہب کے لیبل سے کوئی فرق نہیں پڑا۔"

بیان کے ایک اور حصہ میں پنڈت جی فرماتے ہیں :۔

" اس معاملے میں ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے ان فسادات میں برطانیہ کا حصہ بھی کچھ کم نہیں ہے، میرا یقین ہے کہ کسی غیر جانبدار عدالت کے سامنے یہ ثابت کرنے میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ اسلحہ اور گولی بارود کا زیادہ تر ذخیرہ . . . .

جو مشرقی پنجاب میں اور ریاستوں میں ہندوؤں اور سکھوں نے استعمال کیا یا جو مغربی پنجاب اور سرحد میں مسلمانوں نے استعمال کیا یا جو ذخیرہ ان اغراض میں استعمال کیا جانے والا تھا وہ ذمہ دار برطانوی افسروں کی معرفت آیا۔ لائل پور کے مسلم ڈپٹی کمشنر نے وہاں کے ہندو چیرمین میونسپل بورڈ سے کہا کہ اگر اس ضلع سے برطانوی افسر کو ہٹا دیا جائے تو پھر ایک ہندو

یا سکھ بھی نہ بچے گا۔

راولپنڈی کے تمام ہندو اور مسلمانوں کی قریب قریب سب کی یہ رائے تھی کہ وہاں کے مارچ کے فسادات کے انگریز ڈپٹی کمشنر اور انگریز ہوم سکرٹری براہ راست ذمہ دار تھے۔ مشرقی پنجاب کے ایک ضلع میں جب ہندوؤں نے یہ طے کر لیا کہ اقلیت کے لوگوں کو نہ ستایا جائے گا تو ایک برطانوی فوجی افسر نے آگ کو دوبارہ سلگانے کی غرض سے طویل سفر کار میں کیا راستہ میں لوگوں پر گولیاں چلائیں اور ہلاک کیا۔ ایک دوسرے ضلع میں جب ایک فرقہ کے لوگ پاس کی چھاؤنی میں فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے کمانڈر کے پاس گئے تو اس برطانوی کمانڈر نے ان لوگوں سے کہا کہ ان کو برطانوی گورنمنٹ سے درخواست کرنی چاہئے کہ ملک کے انتظامات کا پھر چارج لے لے اور اس درخواست پر زیادہ سے زیادہ ہندوستانی لوگوں کے دستخط کرائے جائیں اور اس مقصد کے لئے ایک فہرست بھی کھول دی گئی لیکن بعد میں اس خیال کو ترک کیا گیا۔ خود لائل پور میں جولائی ۱۹۴۷ء کے آخر میں ایک برطانوی فوجی افسر نے مسلم افسر سے کہا کہ "تمہارا خیال ہے کہ ہم ہندوستان سے جا رہے ہیں نہیں ہم ملایا میں چھپ جائیں گے اور جب یہاں کے حالات خراب ہو جائیں گے تو واپس آجائیں گے اس قسم کی مثالیں بکثرت دی جاتی ہیں اور اس سے بھی خراب قسم کی

مثالیں موجود ہیں ۔ بااختیار برطانوی افسران نے اپنے سامان کو فسادات کی آگ لگانے اور جگہ جگہ پہنچانے ہی میں نہیں بلکہ اسے کو مسلسل جاری رکھنے میں استعمال کیا۔ ہم کو شرم کے ساتھ اس امر کا اقبال کرنا پڑتا ہے کہ ہم تو برے ہی سہی لیکن یقیناً نہ ہندو اور نہ مسلمان نہ سکھ اتنا برا ہے جتنا کہ وہ اپنے فریق مخالف کو دکھائی دیتا ہے ۔" (قومی آواز لکھنؤ ۳۰ ر نومبر ۱۹۴۶ء)

یونائیٹڈ پریس آف امریکہ کے سٹاف نامہ نگار مسٹر جمر بیلڈ نے جو صوبہ سرحد کا دورہ کر کے واپس آئے ہیں ایک مضمون میں لکھا ہے :-

" پشاور شہر کی زندگی میں جنگ کا پہلو نمایاں ہو گیا ہے تمام دوکانداروں اور بینکروں کے نکل بھاگنے اور پاکستان کی ریلوے اور موٹر ٹرانسپورٹ کا نظام درہم برہم ہو جانے کی وجہ سے صوبہ سرحد کی اقتصادی بنیادیں ہل گئی ہیں ، گندم کے بھاؤ بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں ۔ کھانڈ مارکیٹ سے غائب ہو گئی ہے اور نمک کی بھی کمی ہے ۔ البتہ پھل سستے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ موٹر گاڑیوں کا نظام ٹوٹ جانے کی وجہ سے پھل باہر نہیں جا سکتے ۔ سرکاری حلقے خوراک کی قلت کی وجہ ٹرانسپورٹ کی کمی بتاتے ہیں جبکہ عام لوگ گورنمنٹ پر نااہلیت اور چور بازاری کا الزام لگاتے ہیں۔"

ڈاکٹر خان صاحب نے مجھے بتایا کہ چارسدہ کے علاقہ

کے دیہات میں جہاں گندم کی بہت زیادہ پیداوار ہوتی ہے لوگوں کو پیٹ بھر کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ گندم ایک روپیہ سیر تک رہا ہے اور کھانڈ کا تو نشان تک نہیں۔ بنوں میں فاقہ کشی اور قحط تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ پشاور کا مشہور ڈین ہوٹل جہاں ٹھہرنے کے لئے جگہ نہیں ملتی تھی خالی پڑا ہے۔ ایک روز ۲۵ کمروں میں سے صرف ۱۴ کمروں میں لوگ ٹھہرے ہوئے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ باہر کے بیوپاری آنے کم ہو گئے۔

چوک یادگار میں کابلی سودخواروں نے اڈے قائم کر لئے ہیں۔ وہ پرانے ایکسچیج میں بیٹھ کر افغان اور پاکستان سکوں کا تبادلہ کرتے ہیں لیکن بنک بالکل بند ہیں۔ لائیڈز اور امپیریل بنک کھلے ہیں مگر اشاف کی کمی رکاوٹ بنی ہوئی ہے زری کا کام کرنے والے بیکار ہیں۔ کیونکہ ہندوستان سے زری کے آڈر آنے بند ہو گئے ہیں اس بدحالی کا اثر افغانستان پر بھی پڑ رہا ہے۔ کیونکہ افغانستان کو گندم اور پٹرول نہیں پہنچ رہا ہے نتیجہ میں افغانستان کا ٹرانسپورٹ سسٹم ٹوٹ گیا ہے۔

پشاور میں رونق پہلے کی طرح ہے۔ برقعہ پوش عورتیں اور دہشت ناک لوگ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ مگر کاروبار بالکل بند ہے اور غریب لوگ سخت مصیبت میں ہیں۔

"پاکستان کے صوبائی نمائندوں کی کانفرنس میں جو اگلے روز منعقد ہوئی۔ ہر صوبے اور ریاست میں بنکوں کی کارگزاری پر غور کیا گیا۔ پاکستان سرکار کے بینکنگ کے صلاح کار مسٹر بینیڈکلٹس نے بتایا کہ ابھی پنجاب اور صوبہ سرحد میں بنکوں کی پوزیشن تسلی بخش نہیں۔ کیونکہ تربیت یافتہ سٹاف کی سخت کمی ہے۔ اس مقصد کے لئے جو خاص اسٹاف بھرتی کیا گیا ہے انہیں ٹریننگ دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ جب تک سٹاف ٹرینڈ نہیں ہو جاتا بنک ہفتہ میں تین چار روز کام کریں گے"

(تیج دہلی ۷ دسمبر ۱۹۴۷ء)

۶- ہندوستان میں امن کے لئے کوششیں

ہندوستان میں امن قائم کرنے اور اسے قائم رکھنے کا سہرا سب سے زیادہ گاندھی جی کے سر ہے۔ آپ کی کوششیں انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے جاری ہیں۔ دن میں حکومت ہند کے وزرا، لیڈروں اور عام لوگوں سے فرداً فرداً مل کر امن قائم رکھنے کے لئے ٹھوس تجاویز پیش کرتے ہیں کیمپوں کا دورہ کرتے ہیں۔ شام کی عبادت میں روزانہ حالات حاضرہ کے مطابق لوگوں کو امن کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جب وہ "بھائیو، بہنو" کے خطاب سے اپنی بات شروع کرتے ہیں تو ان کے لب ولہجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پاس دل کی بات کا یقین دلانے کے لئے خلوص اور سچائی کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ لوگ ان کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں۔ اس کی انھیں پرواہ نہیں ہے۔ ذیل میں مہاتما جی کی وہ تقریر درج کرتا ہوں جو اُنھوں نے جامع مسجد میں جاکر دہلی کے پناہ گزینوں سے بات چیت کرنے کے بعد شام کی عبادت میں کی تھی

" آپ لوگ اس وقت بے چین بیٹھے ہیں دلوں میں چین ہے یا نہیں آپ جانیں یا خدا لیکن میرے دل میں بے چینی ہے۔ آج سے پندرہ سال پہلے جب میں دہلی آیا تو آچاریہ سرشی چندر سے ملا تھا وہ بنگالی تھے مگر انھیں ہندوستانی ہونے پر فخر تھا انھوں نے

کہا دہلی کے بادشاہ انگریز نہیں ہیں، حکیم اجمل خاں صاحب ہیں
حکیم صاحب بڑے جید ماہر حکیم تھے ان کے پاس نہ صرف ہزاروں
مسلمان آتے تھے بلکہ ہزاروں ہندو بھی آتے تھے۔ وہ مالداروں سے
جو کچھ لیتے تھے، غریبوں کو دیدیتے تھے۔ ہندو بھی انھیں دہلی
کا سردار سمجھتے تھے کیونکہ یہ دونوں کی خدمت کرتے تھے

میں ڈاکٹر انصاری کے ہاں رہا کرتا تھا۔ مگر آج ان کے
گھر والے ہندوؤں سے ڈر رہے ہیں۔ وہ آج کل ہوٹل میں
رہتے ہیں۔ آخر ہم ایسے پاگل ہندو اور سکھ کیوں ہیں!! میں جب
ہندو اور سکھوں کے کیمپ میں گیا تو بہت سوں کی آنکھوں میں
غصہ تھا لیکن بہت سوں کی آنکھ میں محبت بھی تھی۔ ہندو مسلمان
سب ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں میں کس شاخ کو پسند کروں
کس کو ناپسند! . . . .

میں پرانے قلعے میں گیا تھا۔ کچھ لوگ پاکستان جانا چاہتے ہیں۔
کیا وہ جنت ہے کیا ہندوستان دوزخ ہے! . . . . . !
دونوں نہ جنت ہیں نہ دوزخ، بلکہ ہمارا عمل ہمارے ملکوں کو
دوزخ یا جنت بنائے گا۔ میں بعض دفعہ سوچتا ہوں کہ ہندو
کو کس طرح سمجھاؤں، مسلمان کو کس طرح سمجھاؤں دونوں دکھی ہیں
ہم سب کے لئے شرم کی بات ہے جو لوگ میری آواز سُن
رہے ہیں سُن لیں کہ یہ دہلی آپ کی بڑی شاندار دہلی ہے۔ یہ ہندو

مسلمان سب مل کی دہلی ہے۔ مغل بادشاہ اگرچہ باہر سے آئے لیکن سب ہندوستانی بن گئے۔ پہلے پہل کچھ کچھ لڑائیاں ہوئی تھیں لیکن محبت غالب تھی۔ آج جواہر اور سردار کا سر شرم سے نیچا ہے، ان لوگوں کے پاس خدائی طاقت نہیں ہے اور اس وقت تو دنیاوی طاقت بھی نہیں ہے جب حکومت ہند مضبوط ہو جائے گی تو پھر ان کے ہاتھوں میں طاقت آئے گی اس وقت تو آپ ہی ان کی طاقت ہیں۔ بعض دفعہ میں خدا سے کہتا ہوں کہ اس حالت کو دیکھنے کی بجائے اچھا تو یہ ہے کہ تو مجھے اٹھا لے ورنہ دہلی کو پھر سے آباد کر دے۔ ہندو کہتے ہیں کہ سارے چار کروڑ مسلمان پاکستان کے جاسوس ہیں۔ یہ جھوٹ ہے اگر ایسا ہو تو وہ اسلام کو نقصان پہنچائیں گے۔ میں بہت سے مسلمانوں سے ملتا ہوں، ان کی باتوں پر اعتماد ہے حکومتوں کو آپس میں لڑنے دو ہم رعایا آپس میں کیوں لڑیں۔ حکومتیں جانیں اور ان کا کام۔ مسلمان ہمارے بھائی ہیں وہ ہندوستان میں رہیں گے پاکستان کی حکومت کو ایسا انتظام کرنا چاہیئے کہ پنجاب میں ایک بھی ہندو لڑکی رہ جائے تو اسے کوئی بھی ہاتھ نہ لگا سکے۔ میں یہی بات جواہر سے کہتا ہوں۔ انھیں اور ان کے ساتھیوں کو چاہیئے کہ امن قائم کرنے کے لئے اپنی جانیں دے دیں۔ میں ہندو مسلمان سکھوں میں سے کسی

کے گناہ کو چھپانا نہیں چاہتا۔ ایک انگریزی اخبار نے آصف علی پر الزامات لگائے ہیں کہ انھیں آج کل دہلی اس لئے بلایا گیا ہے کہ انھوں نے حکومت سے بے وفائی کی اور پاکستان کی حمایت کی۔ آخر اس بارے میں اخبار والے نے جواہر لال سے کیوں نہیں پوچھا۔ وہ تو دو مہینوں سے یہاں ضروری کاموں سے آنا چاہتے تھے۔ جواہر لال نے بلایا، وہ مولانا ابوالکلام کے دوست ہیں مولانا آپ کے دوست ہیں، آپ ان باتوں کا خیال کیوں نہیں کرتے! مسلمانوں پر بے جا الزام نہ لگاؤ۔ مسلمان حکومت ہند کے وفادار ہیں۔

مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ الزاموں کی تردید کریں۔

(۱۳ ستمبر ۴۷ء کے ریڈیو نشر سے نقل کی گئی)

ہندوستان میں امن قائم رکھنے کی بڑی ذمہ داری حکومت ہند پر آتی ہے جب دہلی میں فسادات شروع ہوئے تو مرکزی وزارت نے فوراً ہی اقدامات شروع کئے پہلے تو چند وزیروں کی ایمرجنسی کونسل بنائی پھر صنعت و حرفت کے وزیر سی۔ ایچ بھابھا کی صدارت میں ایمرجنسی کمیٹی قائم کر کے اس کا دفتر شہر کے بیچوں بیچ ٹاؤن ہال میں کھلوا دیا۔ یہاں ایک کنٹرول روم بھی قائم کر دیا گیا جہاں سے فوج اور پولیس کو ہدایت دے کر شہر کے مختلف محلوں میں بھیج دیا جاتا تھا۔ اسی کنٹرول روم میں لوگوں کی شکایات سنی جاتیں اور اس کے مطابق کارروائی ہوتی، ایمرجنسی کمیٹی

کے جلسے روزانہ ہوتے تھے جس میں تازہ صورت حال پر غور کر کے
کارروائی کی جاتی تھی اسی مشنری کے صدر اعلیٰ یعنی وزیر اعظم پنڈت
جواہر لال نہرو نے شہر میں گھوم پھر کر پولس اور فوج کو ہدایات دیں،
اپنی شخصیت سے کام لیا، جلسوں میں شرکت کی، تقریروں کے ذریعے
لوگوں کو راہ راست دکھائی۔ ۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا ریڈیو سے
تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں نے مشرقی اور مغربی پنجاب کا چکر لگایا، میں نے یہاں جو کچھ دیکھا
اور سنا اس سے میرے دل کو سخت چوٹ لگی۔ پنجاب اور دہلی
کے چند دنوں کے بھیانک واقعات دیکھ کر میرا دل سخت حیران
اور پریشان ہے۔ شاید اس وقت ہر شخص کی یہی کیفیت ہو۔
بہر صورت اب خواہ کیسے ہی بھیانک واقعات پیش آئیں
ہم کو ان کا سامنا کرنا ہوگا۔ ان کے مقابلے کے لئے تیاری
کرنا ہوگی اور بالآخران پر فتح پانی ہوگی۔ ہم کو اب ایک ایسی
جماعت منظم کرنی ہے جو ان تمام مشکلات پر قابو پا سکے۔ ہم نے
اس جماعت کی تشکیل کے لئے بہت کچھ کر لیا ہے
مشرقی پنجاب اور دیگر مقامات میں جو پناہ گزین آئے
ہیں ہم نے ان کے لئے بڑے بڑے کیمپ ڈال دئے ہیں
مشرقی پنجاب سے جو لوگ جانا چاہتے تھے ہم نے ان کے
جانے کے لئے انتظامات بھی کر دئے ہیں۔ ہم نے یہ سب کچھ

کیا اس میں ہمیں بڑی حد تک کامیابی ہوئی۔ حالات نے ہم کو بڑے تبادلۂ آبادی کے لئے مجبور کر دیا!

اس کے بعد دیگر واقعات ظہور میں آئے۔ ہنگامے مشرقی پنجاب کے جنوبی اضلاع اور دہلی تک پھیل گئے۔ دہلی بھی اس کی لپیٹ میں آئی اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت دہلی کی حالت بھی خراب ہے۔ ہنگامہ اور فساد پھیلنے کے جو نتائج برآمد ہوئے وہ یہ ہیں کہ مغربی پنجاب سے اپنے لوگوں کو لانے کے لئے ہم نے جو انتظامات کئے تھے ان میں خلل پڑا اور قدرتی طور سے ہم کو تمام توجہ مشرقی پنجاب اور دہلی کے اوپر صرف کرنا پڑی اس طرح ہمارے دیگر کاموں میں بڑی رکاوٹیں پیدا ہوگئیں

میں نے جو کچھ دیکھا وہ سخت بھیانک ہے میں نے بہت لوگوں کو دم توڑتے دیکھا۔ موت خواہ کتنی بری اور تکلیف دہ کیوں نہ ہو لیکن ایک نہ ایک دن ہر فرد کو اس کا سامنا کرنا ہے۔ لیکن جو کچھ پیش آیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ بدترین ہے۔ ہمارے لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اس پر میری گردن شرم سے جھک گئی ہے ان بداعمالیوں کے نتائج اور اثرات بڑی مدت کے بعد جاکر زائل ہوں گے۔ بدی کا بدلہ بدی نہیں ہے آپ کسی کو قتل کر کے قتل کی روک تھام نہیں کر سکتے۔ افسوس ہمارے بہت سے لوگوں نے ایسا ہی کیا ان کے اوپر جنون طاری ہوگیا۔

ہم ان حالات کا کیونکر مقابلہ کریں گے؟ محض افسوس کرنے اور قسمت کا رونا رونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ سب سے پہلے ہمیں حالات کا جائزہ لینا چاہیئے حالت بہت خراب ہے۔ اس لئے نہیں کہ نظم ونسق کا شیرازہ منتشر ہو گیا ہے بلکہ اس سے زیادہ خراب بات یہ ہوئی کہ ملک کی روح اور اس کا جذبہ دونوں متاثر ہو چکے ہیں کیا ہمارے ان خوابوں کی یہی تعبیر ہے! جو ہم نے وطن عزیز کی طویل جنگِ آزادی کے موروں پر دیکھے تھے؟

اگر یہ غلط ہے۔ اور ہر شخص کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہ غلط ہے۔ تو ہمیں اپنی پوری طاقت سے اس خرابی کے خلاف لڑنا چاہیئے اور جنتا کو بتانا چاہیئے کہ جو کچھ ہوا ہے۔ غلط ہوا ہے۔ جن لوگوں نے تنگ نظری کی وجہ سے کیا وہ بھی غلط اور جن لوگوں نے انتقام کے جذبہ سے کیا وہ بھی غلط ہے۔ اس کے علاوہ جنتا کے لئے ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ ہنگامے ان کی راہ میں سخت حائل ہیں اور ان ہنگاموں کی وجہ سے نہ صرف دنیا کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑی بلکہ اپنے ضمیر کے سامنے بھی اور یہ اتنی خراب اور ذلیل بات ہوئی ہے کہ اس پر قابو پانے کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہوگی۔

اس میں شبہ نہیں کہ حالت اب بھی نازک ہے۔ حالات کی نزاکت محض فوجی نقطہ نگاہ سے نہیں ہے کیونکہ فوج اور پولیس کے

نقطۂ نگاہ سے ہم جلد حالات پر قابو پالیں گے مگر ہم محض فوج کی امداد سے ہی ہندوستان میں زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ جب تک ہم اپنی بیماری اور بُرائی کو دور کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ فوج ہمارے لئے کچھ نہیں کر سکتی اس لئے میں کہتا ہوں کہ صورت حال بہت نازک ہے۔ آخر ہم کس قسم کا ہند بنانا چاہتے ہیں؟ کیا ہم اس کی تعمیر کر رہے ہیں یا ہم اسے تباہ کر رہے ہیں!

اس حماقت کو اب ختم ہونا چاہئے۔ امن اور سکون قائم ہونا چاہئے اور نظم و نسق کو اپنی اصلی حالت پر آنا چاہئے۔ مغربی پنجاب سے ہمیں اپنے آدمیوں کو لانا ہے اور جہاں ضرورت ہو وہاں تبادلۂ آبادی میں مدد دینی ہے بنقص امن اور قتل و غارتگری سے ہمارے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور پناہ گزینوں کو خاطر خواہ مدد نہیں مل سکتی۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کریں کہ آپ اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کے لئے کس قسم کا ہندوستان چھوڑنا چاہتے ہیں۔ اگر اس قسم کے حالات رونما ہوتے رہے اور میری طرح آپ کا بھی یہ خیال ہے کہ اسے ختم ہونا چاہئے تو آپ اس کے لئے تیار ہو جائیے کہ برائی کو پوری طرح روکنا ہے اور کسی کے ساتھ کوئی رو رعایت نہیں ہوگی۔ ہم پوری طاقت سے اس کا مقابلہ

کریں گے اس کی وجہ سے لوگوں کو کبھی کبھار تکلیف بھی ہوگی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ کبھی زیادتی بھی ہو جائے مگر آئندہ چل کر یہی مفید ہوگی مظالم بہت کافی ہو چکے ہیں اگر ہم نے اس کی ابھی روک تھام نہ کی تو یہ آگ اور پھیلے گی اور ہماری جنتا کو اور اسی کے ساتھ ہماری اُمیدوں کو جلا کر بھسم کر دے گی!

اس لئے میں آپ تمام لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ان باتوں پر غور کیجئے اور میدان میں آئیے اور ہماری مدد کیجئے۔ ہم محض فوج ہی کے ذریعے اسے دبانا نہیں چاہتے، بلکہ ہم عوام کی مدد سے اسے ختم کرنا چاہتے ہیں، ایسے لوگوں کی مدد سے جن کے خیالات اچھے ہیں ارادے نیک ہیں اور جن کے پیش نظر ہندوستان کی آزادی اور اس کی بھلائی ہے

میں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ باہر نکلیں اور ہماری مدد کریں وہ شانتی اور اچھائی کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں اور اس جنون کو بند کرائیں۔ صرف دہلی ہی میں نہیں بلکہ آس پاس کے تمام اضلاع میں اور مشرقی پنجاب میں یہ لوگوں کو بتائیں کہ اس خون ریزی کو بند کرنے سے نہ صرف ان بھائیوں کی مدد ہوگی جو مغربی پنجاب میں گھرے ہوئے

ہوئے ہیں اور جن کی جانیں خطرے میں ہیں بلکہ ہمیں بھی ان تعمیری کاموں کے لئے موقع مل جائے گا جن کا ہم بہت پہلے عزم کر چکے ہیں۔

یاد رکھئے مغربی پنجاب سے پناہ گزینوں کے لانے میں اگر تاخیر ہوئی تو ان کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ یہ بھی نہ بھولئے کہ دلّی اور دوسری جگہوں کے فسادات کی وجہ سے پناہ گزینیاں کے کام میں تاخیر ہو رہی ہے۔ ہماری فوجیں اور دوسرے کارکن فسادات کی ان جگہوں پر لگے ہوئے ہیں حالانکہ وہ دوسری جگہ عوام کی بہتر خدمت کر سکتے تھے

آج صبح کو ہمارے رہنما اور بزرگ مہاتما گاندھی دلّی تشریف لائے ہیں۔ میں ان سے ملنے کے لئے گیا تھا۔ ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا رہا۔ میں سوچتا تھا کہ ہم ان بلند عزائم اور نصب العینوں سے کس قدر نیچے گر گئے ہیں۔ جنھیں مہاتما جی نے ہمارے سامنے رکھا تھا

میں دیہاتوں اور گاؤں میں جاتا ہوں تو عوام تپاک دل کے ساتھ۔ مجھے دیکھ کر گاندھی جی کی جے! جواہر لال کی جے! کے نعرے لگاتے ہیں۔ یہ نعرے سُن کر شرم سے میری گردن جھک گئی۔ یہ ان لوگوں کے نعرے تھے جنھوں نے مہاتما گاندھی کے نام قتل و غارت غارتگری اور لوٹ مار میں حصہ لیا ہو گا محض

نعرے لگانے سے ان کے گناہ دھل نہیں جاتے اور محض مہاتما گاندھی کا نام لینے سے ہم ان خرابیوں پر قابو نہیں پا جائیں گے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان باتوں پر عمل کریں جن کی پچھلے طویل زمانے میں انھوں نے تلقین کی ہے۔ آج ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ براہِ راست مہاتما گاندھی کی ہدایتوں کے مخالف اور اس سے متضاد ہے۔ اس کے تصور سے بھی مجھے شرم آتی ہے اور اپنے ان کاموں کے اچھے ہونے پر شبہ ہوتا ہے جو ہم نے جنگ آزادی کے زمانے میں کئے ہیں۔ اگرچہ اس کے اچھے نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ میرا یہ شبہ زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہے گا۔ کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ اچھے کام کے اچھے نتائج ضرور ہوں گے جس طرح مجھے اس کا یقین ہے کہ بُرے کام کے نتائج ہمیشہ بُرے ہوتے ہیں

اس ملک میں کافی برائیاں ہو چکی ہیں اب اس سلسلے کو ختم ہونا چاہیے اور اچھے کاموں کا سلسلہ شروع ہونا چاہیے اور مہاتما گاندھی کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا چاہیے ہم تمام لوگوں کا اشتراک عمل چاہتے ہیں۔ دلی پنجاب کے بعض حصوں میں ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ زیادہ اہم ہو مگر ہے یہ آل انڈیا مسئلہ اور جنتا کا کام ہے کہ اس پر قابو

پائے اور اس نعوبات کو آگے بڑھنے نہ دے ، یاد رکھئے کہ اس کے نتائج ممکن ہے کہ اس سے کہیں زیادہ شدید مصیبت کی صورت میں ظاہر ہوں مثلاً قحط اور وبائی امراض ان جگھوں میں پھیل جائیں ۔ اس وقت بھی ہم قحط کے دروازے پر ہیں ہمارے پاس کھانے کی چیزیں کافی نہیں ہیں ۔ اور ان فسادات نے کھیتیاں ، مویشی اور زراعتی زمینوں کو تباہ کر دیا ہے مجھے نہیں معلوم کہ غذائی صورت حال پر اس کا فوری طور پر کیا اثر پڑے گا اس لئے ہم کو فوراً سخت اور مسلسل کام کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ لینی چاہیئے ۔ اس لئے میں آپ لوگوں کو کام کرنے کے لئے دعوت دیتا ہوں

میں فوج اور پولیس سے بھی ایک اپیل کرنی چاہتا ہوں میں نہایت صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے شکایت ملی ہے کہ انھوں نے غیر جانب داری سے کام نہیں کیا ہے اور لیسا اوقات لوٹ مار روکنے کی بجائے وہ تماشہ میں ہو کر رہ گئے ہیں ۔ یہ ٹھیک نہیں ہے اگر کوئی شخص چاہے وہ فوجی ہو یا شہری وہ اپنے فرائض کو ٹھیک طور پر ادا نہیں کرتا تو اسے اس عہدے سے ہٹ جانا چاہیئے اور اپنے فرائض کی کوتاہی کے نتائج بھگتنے کے لئے اسے تیار رہنا چاہیئے اس میں ذرا بھی کمزوری نہ آنی چاہیے کیونکہ محض بہت سے

انسانوں کی زندگی کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک قوم کا مسئلہ
ہے۔ ہندوستان کا مسئلہ ہے جس سے ہم نے اب تک
محبت کی ہے، اور جس کی خدمت میں اب تک ہم لگے ہوئے
ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ جو کام مدتوں اور نسلوں میں انجام
دیا ہوا سے تباہ اور ختم ہوتے ہوئے ہم دیکھتے رہیں اس لئے
میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ چاہے آپ شہری ہوں چاہے
فوجی یا سپاہی آپ اپنی ذمے داریوں کو محسوس کیجئے۔
موجودہ ہنگامے کو ختم کرنے میں مدد دیجئے

جے ہند

اخبار مسلم بمبئی۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۷ء

جب دہلی میں ۲ اکتوبر کو گاندھی جی کی پیدائش کا دن منایا گیا
تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پنڈت جی نے کہا:-

ہم یہاں گاندھی جی کی یاد میں جمع ہوئے ہیں، لیکن کس
بات کی یاد میں۔ ذرا آپ یہ سوچئے! میں بتیس سال پہلے ان
سے ملا تھا۔ اور اس عرصے میں میں نے انہی کے زیر سایہ پرورش
پائی ہے۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں لوگ ان
کے سایے میں آگے بڑھتے رہے۔ ان کی روشنی کی جھلک
ہم پر بھی پڑی اور لوگ سمجھنے لگے کہ ہم بھی بڑے ہوئے ہیں۔
اب ہم کو صفائی سے طے کرنا ہے کہ ہم کدھر جائیں اور کدھر

نہیں۔ اگر ہم کو مقابلہ کرنا ہے تو ضرور کرنا ہو کیونکہ یہ صرف باتوں کا مقابلہ نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ ہم آج تک جن اصولوں پر چل کر آزادی کی لڑائی لڑتے رہے وہ ختم نہیں ہو جاتے۔ ہم نے اپنے سامنے آزاد ہندوستان کا نقشہ رکھا تھا، اسے حال ہی میں کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی میں دہرایا تھا، اور جمہوری سوسائٹی اور ہر شہری کو برابر کے حقوق دینے کے فیصلے کئے تھے۔ ہم چاہتے تھے کہ مٹھی بھر آدمیوں کے ہاتھ میں طاقت اور دولت نہ رہ سکے اور ہم بھی باقی ملکوں کی طرح زندہ ہو جائیں۔ خالی پیٹ سوراج بھی نہیں چل سکتا۔ دوسروں کی جیبوں سے روپیہ لے کر اپنی جیبوں میں ڈالنے سے کسی ملک کی دولت نہیں بڑھا کرتی بلکہ ملک کی دولت بڑھانے والے تو کسان اور مزدور ہوتے ہیں

ہم نے جس طرح کا یہ پروگرام بنایا ہے اس کے مطابق ہم یقینی طور پر پانچ سال کے عرصے کے اندر اندر ملک کی حالت بدل دیتے۔ لیکن بجائے اس کے کہ ہم اس طرف توجہ دیتے ہم نے اپنی شکتی ایک دوسرے کے مکان گرانے اور ایک دوسرے کو مارنے میں خرچ کرنی شروع کر دی

پچھمی پنجاب میں جو اتیاچار ہوئے ہیں ان سے ہماری

آنکھیں بند نہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے کوسنے اور گالی دینے سے کچھ نہیں بنتا۔ ہمارے پرکھاتے انہاں میں ہندوستان اس لئے جیکا تھا کہ اس میں مہذب اور عقلمند انسان تھے۔ چھوٹے دماغ کے آدمی بڑی قومیں نہیں بنا سکتے لوگ کہتے ہیں کہ جواہر لال انٹرنیشنلزم کی طرف دیکھتا ہے، اور ہندوستان کی اندرونی حالت کی طرف نہیں دیکھتا۔ لیکن اتہاس کو الٹا کر دیکھ لیجئے کہ جب جب ہندوستان والوں نے تنگ نظری اختیار کی ہے وہ گراوٹ میں مبتلا ہوئے ہیں۔ جن لوگوں نے اس موقع پر فساد برپا کئے ہیں انھوں نے دیس کے ساتھ غداری کی ہے، اور وہ بھی اس طرح کی کہ شاید کسی اور نے نہیں کی۔ ہر انسان کے جسم پر چلایا ہوا خنجر بھارت ماتا کے جسم میں لگا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں پاکستان سے خطرہ ہے لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس سے کوئی خطرہ نہیں خطرہ صرف ایک بات کا ہے، اور وہ بات ہے آپس کی جہالت اور کمزوری

ہندو راجیہ قائم کرنے والوں کے ہم مخالف ہیں، اور اس نعرے کا بڑے زوروں کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔

اخبار تیج، دہلی

مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء

۳۰ ستمبر ۱۹۵۱ء کو ایک اور محلے میں تقریر کرتے ہوئے پنڈت جی نے فرمایا:-

"........ ہندو اسٹیٹ کا خیال بے معنی ہے

. . . .

. . . . اگر ہندوستان میں ہندو حکومت قائم ہوئی تو ہم ایشیائی ممالک کی رہنمائی کے قابل نہیں رہیں گے اور نہ ہم پست ملکوں کی کوئی امداد کر سکیں گے ...."

اخبار انجام، دہلی
مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۵۱ء

ایک موقع پر ملاحوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے پنڈت جی نے فرمایا:-

.... دنیا کی تاریخ یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستان کی طرح کوئی ملک نئے خیالات کا روادار نہیں ثابت ہوا، عیسائیت ہندوستان میں یورپ میں پھیلنے سے پہلے آچکی تھی - یہودیوں کو یہاں آئے ہوئے عرصہ دراز گذر گیا اور ان کا یہاں سواگت کیا گیا تھا، اسلام ہندوستان میں سیاسی فتح کی بجائے صحت مند تمدنی حیثیت سے آیا تو ہندوستان نے اسلام کا بھی سواگت کیا۔ ہندوستان کا زوال اس وقت شروع ہوا جب لوگوں کی

ذہنیت پر تنگ خیالی غالب آنے لگی ۔ ورنہ ایک زمانہ تھا جب دنیا کے ہر تمدن اور ہر مذہب کا ہندوستان میں سواگت کیا جاتا ۔ اس رواداری کی بدولت دنیا کی نہایت مہذب قوموں میں ہندوستان نے نام حاصل کیا ۔ ہندوستان کی خوبی ہمیشہ یہ رہی ہے کہ اس شے نے اپنے تمدن کو چھوڑے بغیر بدیسی تمدن کا اثر لیا اور اسے اپنے تمدن میں ملا لیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

تیج ۔ دہلی

۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء

ان فسادات میں ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ صرف پنجاب اور دہلی کے صوبوں میں گڑبڑ ہوئی ہے ۔ ہندوستان کے باقی صوبوں کا کام معمول کی طرح جاری رہا ۔ برطانیہ کے وہ لوگ جو ہندوستانیوں کے جھگڑوں سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں انھوں نے بھی دیکھ لیا کہ باقی صوبوں میں کس طرح امن و امان ہے ۔ اس کا اظہار برطانیہ کے ایک وزیر نے اپنے بیان میں کیا ہے ۔ تاہم یو پی کے بڑے صوبے میں جسے ہندوستان کی جان کہنا چاہیئے ۔ احتیاطی تدابیر کے طور پر وہ سب تدبیریں ہوئیں جو ایک مہذب صوبے کی وزارت کے شایان شان ہیں ۔ اس کا سہرا یو پی کے وزیر اعظم پنڈت گووند بلبھ پنت کے سر ہے ۔ آپ کی شرافت اور نیک نفسی ہندوستان بھر میں مشہور ہے ۔ آپ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے صوبے میں داخل ہونے والے لوگوں کی آمد پر پابندیاں

لگا کر صوبے کو ایک بڑی مصیبت سے بچا لیا ورنہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یو۔پی کی سرحدیں پنجاب اور دہلی سے ملتی ہیں، یہاں بھی تباہی کا اندیشہ تھا۔ پنڈت پنت جی کی اسمبلی کے ایک رکن پنڈت جھابیر تیاگی نے خود ہی ایک کانسٹیبل کا روپ بھر کر اور پانچ سو کانسٹیبلوں کی بھرتی کر کے صوبے کی بڑی خدمت کی ہے۔ پنڈت گووند ولبھ پنت کے دوروں اور ان کی تقریروں نے لوگوں میں اچھے خیالات پیدا کرنے اور جنونی حرکات سے روکنے میں بڑا کام کیا ہے۔ علی گڑھ کے دورے میں پندرہ ہزار سے زائد کے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے پنت جی نے فرمایا:-

صوبائی حکومت مسلم اقلیت کے حقوق کا تحفظ کر رہی ہے اور ہندو اکثریت کا فرض ہے کہ وہ مسلمان کا تحفظ کرے اور ایک مسلمان کی جان بچانے کے لئے ننانوے ہندوؤں کو جانیں قربان کرنا پڑیں۔ تب بھی ہمیں پس و پیش نہ کرنا چاہیے۔ اس سے ہندوستان یونین کی شہرت بڑھے گی . . . . .

. . . .

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کو چاہیئے کہ وہ ہندوستان کو اپنا ملک سمجھیں۔ حقوق کے تحفظ کے ساتھ ذمے داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، اس لئے جو مسلمان پاکستان سے وفاداری کو زیادہ اہمیت دینا ضروری سمجھتے ہیں، ایمانداری کا مقتضا یہ ہے کہ وہ پاکستان چلے جائیں۔ لیکن جو مسلمان ہندوستان میں

رہنا چاہیں ان کے لئے مادر وطن کی فرماں برداری ناگزیر ہے۔

پنت جی نے پنجاب کے فسادات پر اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان فسادات کے پس پشت جذبہ انتقام کام کر رہا ہے اور اسی جذبے کی وجہ سے فساد کی بنیاد پڑی۔ ایک فرقہ غلطی کرتا ہے۔ دوسرا اس پر سبقت لے جاتا ہے لیکن بدنظمی اور انتشار کی رفتار میں روز بروز جو اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی روک تھام ہمارا فرض ہے۔

کانگریس ۱۹۱۹ء سے برابر ہندو مسلم اتحاد کے لئے آواز بلند کر رہی ہے اور آج جبکہ گاندھی جی کی زیر قیادت عدم تشدد کے ذریعے ہم کو آزادی حاصل ہو گئی ہے، نفاق اور آپس کی پھوٹ کا بیج دوبارہ کس طرح بویا جا سکتا ہے ہندوستان میں خالص جمہوری نظام قائم ہو گا۔ تمام شہری ریاست کے برابر کے باشندے ہوں گے۔ اور کسی شخص کی غداری برداشت نہیں کی جا سکتی۔ خواہ اس کے نتیجے میں ہمیں پاکستان سے مقابلہ کیوں نہ کرنا پڑے۔ مذہب کی صحیح روح اتحاد ہے نہ کہ مختلف فرقوں میں نفاق پیدا کرنا۔ آج ہم کو پچھلے واقعات کو نظر انداز کر کے کتاب زندگی کا نیا باب شروع کرنا چاہئے

وزیر اعظم نے اس پر اظہار شکر کیا کہ صوبہ یوپی اس صورت حال اور وارداتوں سے پاک ہے جن سے پنجاب

اور دوسرے مقامات آلودہ ہیں۔ انھوں نے صوبے کے باشندوں کو نصیحت کی کہ وہ جھوٹی افواہوں اور خودغرض لوگوں کی ریاکاریوں سے گمراہ نہ ہوں۔ وزیر اعظم نے سرکاری ملازمین کی خدمات کا اعتراف کیا جنھوں نے قیام امن کے لئے اپنے آرام و آسائش تک کو قربان کر دیا اور جو بیشتر راتیں آنکھوں میں کاٹ دیتے ہیں

قیام امن کے سلسلے میں بعض لوگ جیل گئے اور بعض کو اجتماعی جرمانے ادا کرنے پڑے۔ میں جانتا ہوں کہ ان اقدامات کی وجہ سے میری شہرت پر کتنا اثر پڑا ہے۔ لیکن میں اپنے فرض سے مجبور ہوں ورنہ مجھے سخت اقدامات کرنے سے کوئی قلبی راحت حاصل نہیں ہوئی۔ پنڈت پنت نے کہا کہ جس طرح ایک سرجن کو آپریشن کرنا پڑتا ہی یا ڈاکٹر کو کسی پاگل کو پاگل خانے میں بند کرنا پڑتا ہے، اسی طرح میرا کام شرارت پسندوں پر پابندی عاید کرنا ہی۔ بعد میں بیمار تندرست ہوکر ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

پنڈت پنت نے اخبار نویسوں کی خدمات کا اعتراف کیا جنھوں نے فرقہ وارانہ فضا کے دوران میں قیام امن اور اتحاد کے لئے بہت مدد پہنچائی۔ آخر میں انھوں نے عوام سے پرزور اپیل کی کہ وہ حکومت سے اشتراک عمل کریں۔

پیام، حیدرآباد دکن۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۸ء

پنڈت پنت اور ان کی وزارت کے بارے میں میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا اندازہ ان تاثرات سے لگائیے جو "سٹیٹسمین" کے نمائندہ خصوصی نے مغربی اضلاع میں بارہ سو میل کا دورہ کرنے کے بعد شائع کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

میرٹھ ڈویژن جس میں قوی الجثہ جاٹ آباد ہیں اپنے محلِ وقوع کی وجہ سے شروع ہی سے معرضِ خطر میں تھا۔ پناہ گزینوں کی ایک کثیر تعداد جو پہلے بلا روک ٹوک آ رہے تھے اور اب حکومت کی نگرانی میں آ رہے ہیں، پاکستان سے غم کی داستانیں ساتھ لائے ہیں۔ مقامی آبادی سے اُن کے ملتے جلتے ہی حکومت کے لئے مسئلے اُٹھ کھڑے ہوئے، ڈیرہ دون، مسوری، بلند شہر اور حال ہی میں سہارن پور اور ہر دوار میں حالات نے جو شکل اختیار کی وہ حکومت کے لئے گویا ایک سخت آزمائش تھی پولیس کی طاقت، افسروں کی مستعدی، اور سیاسی ہوشمندی کے باوجود بہت سی ناخوش گوار چیزیں رونما ہوئیں لیکن جو ٹل گیا اس کو دیکھتے ہوئے جو ہوا وہ کچھ بھی نہ تھا

حکومت کے صدر مقام لکھنؤ میں لوگ اب بھی مغربی "آتش فشاں" کی باتیں کرتے ہیں اور جنون کے پھر سر اٹھانے کا اندیشہ ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا خیال محض وہم نہیں ہے، لیکن اس کی منصفانہ نوعیت دلالت کرتی ہے کہ اس علاقے

۔۔ میں جس سختی سے اور بلا رو رعایت امن و قانون کا تحفظ کیا جا رہا ہے
اس کی داد نہیں دی گئی اور نہ ان افسروں کا حق ادا کیا گیا جو
سارے صوبے میں امن قائم رکھنے کے ذمے دار ہیں۔ ان میں
سب سے ممتاز شخصیتیں میرٹھ اور سہارن پور کے دونوں کلکٹروں
کی ہیں۔ ایک گٹھیلے بدن کا ادھیڑ گڑھوالی ہے دوسرا سیدھے
سادے لباس و انداز کا آدمی جو پنشن پانے کے قریب عمر ہونے
کے باوجود طبیعتاً جوان ہے۔ سہارن پور میں پولیس کا افسر اعلیٰ
ایک کشمیری برہمن ہے جو کبھی ایک مشہور کھلاڑی تھا اور اب
نظم و ضبط کے معاملے میں ایک سخت قسم کا افسر ہے۔ ان سب کے
اوپر ڈویژنل کمشنر سوجا سنگھ کھیرا کی شخصیت ہے جو اپنی کھری
انصاف پسندی کے لئے مشہور رہیں ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس
ڈویژن کے بہت کم افسروں کو دو مہینے سے نیند بھر سونے کا
موقع نہیں ملا ہے

نتائج سے ان کے کام کا اندازہ ہوتا ہے۔ قدرے دہشت
اور افواہوں کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ چند مستثنیات کے
ساتھ مغربی اضلاع کی زندگی اعتدال کے اتنے قریب ہے
کہ اس سے زیادہ کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ہندو مسلمان
بے تامل اپنے کام کاج میں لگتے جاتے ہیں۔ دہرہ دون
اب خاص کر ہندوؤں اور سکھوں کا مرکز بن گیا ہے، لیکن

یہاں کے لوگوں کی سمجھ میں آگیا ہے کہ تشدد کا نتیجہ تشدد کرنے والوں کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ کلکٹر کے مکان پر ملاقات کے لئے ایسے امیدواروں کی بے حد قطاریں جن کے ہاتھ میں اپنے دوستوں یا عزیزوں کے لئے ضمانت کی درخواستیں دکھائی ہوتی ہیں۔ اس کا ثبوت ہیں کہ حالات کو قابو میں لانے کے لئے سخت کارروائی کی گئی ہے۔ جوالاپور جس کو مسلم آبادی نے خالی کردیا ہے اب بھی سنسان نظر آتا ہے کیونکہ خالی مکانوں میں دوسروں کو دخیل کرنے کی ہمت افزائی نہیں کی جارہی ہے گڈھ مکتیشر کے میلے کا جس میں پار سال خوب خوں ریزی ہوئی تھی حکومت نے اس سال جس طرح انتظام کیا ہے اس سے بھی حکومت کے ارادے کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ حکام کے قول کے مطابق میلے کی ممانعت کردینا اقبال شکست کے مترادف ہوتا اور ہندو الگ خفا ہوتے۔ اس لئے ہر امکانی احتیاط کرنے کے بعد میلے کی اجازت دے دی گئی۔ موٹر پر علی گڑھ سے میرٹھ جاتے ہوئے مجھے ان پابندیوں کا اچھی طرح تجربہ ہوگیا جن سے جانے والوں کو سابقہ پڑتا تھا راستے کے ایک بڑے حصے میں ہر دو میل پر فوجی پولیس کی چوکی تھی اور جو لوگ ڈیوٹی پر تھے انھوں نے ہمیں نہیں گذرنے دیا۔ حالانکہ میرے میزبان کے سرخ پوش چپراسی نے اپنے

آقا کے اونچے سرکاری عہدے سے انھیں مرعوب کرنے کی کوشش بھی کی۔

میلے میں فوجی پولیس کی تین پوری طرح مسلح کمپنیوں نے جاتریوں میں امن قائم رکھا۔ راستے میں چھ سو گھوڑ سوار جو اُس پاس کے دیہات سے بھرتی کئے گئے تھے؛ مرد، عورت اور بچوں کے اس جم غفیر کی نگرانی کر رہے تھے جو گنگا کو جا رہے تھے یا وہاں سے واپس آ رہے تھے۔ لاسلکی پیغامات وصول کرنے اور بھیجنے والے آلے، درجنوں کی تعداد میں خطرے کے علاقے میں نصب کئے گئے تھے۔ اور فضا میں ہوائی جہاز پر پہرہ دے رہے تھے۔ ایک سینیر افسر نے اعتراف کیا نہ جاتریوں کی تعداد جو پچھلے سالوں میں ایک لاکھ کے لگ بھگ ہوا کرتی تھی اس سال بہت حکمت عملی سے کم کر دی گئی ہے۔ کیونکہ جاتریوں سے ہیضہ کے ٹیکے کا سارٹیفکٹ سرکاری طور پر طلب کیا گیا

• ہمت بندھائے رکھنے اور تلخی گھٹانے میں کانگریسیوں نے حکام کی بڑی امداد کی۔ ضلع افسران اس امداد کے سلسلے میں ان کی دل کھول کر تعریف کرتے ہیں۔ ان کا ہاتھ بہت سے لیڈروں نے بٹایا ہے۔ لیکن وزیر پولیس مسٹر لال بہادر شاستری کا ایک حالیہ دورہ سب سے

زیادہ مفید ثابت ہوا ہے۔ سہارن پور میں بہت جلد امن قائم ہوجانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ضلع کے لوگوں پر کانگریس کا بڑا اثر ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مجلس قانون ساز میں اس حلقے کے چار نمائندوں میں سے تین کانگریسی ہیں۔ مولانا مدنی کا صدر مقام دیوبند، سہارن پور سے دور نہیں ہے۔ انھوں نے قیام امن کے لئے جو کوشش کی اس کی خاص طور پر تعریف کی جاتی ہے۔ کانگریسیوں کے علاوہ کمیونسٹ بھی امن جتھوں میں شریک ہو گئے ہیں اور مفید کام انجام دے رہے ہیں فی الحال مغربی اضلاع کی صورت حال امید افزا ہے۔ لیکن مستعدی سے دیکھ بھال کرنے کی ابھی ایک عرصے تک ضرورت رہے گی
(قومی آواز لکھنؤ - ۲۰ دسمبر ۱۹۴۷ء)

امن کے سلسلے میں دہلی میں دو اور کام اچھے ہوئے ہیں ایک تو دہلی کی حکومت اور کانگریس کی نگرانی میں محلہ وار جلسے دوسرے آل انڈیا ریڈیو نے "دہلی میں امن کی ضرورت" کے نام سے سہ روزہ تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس میں دہلی میں رہنے والے مشہور لوگوں سے اس موضوع پر تقریریں کروائیں۔ یہاں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی تقریر درج کرتا ہوں:۔

بھائیو، دوستو، ساتھیو! میں نے یہ تینوں لفظ جان کر بولے ہیں۔ آدمی کو آدمی کا بھائی قدرت بنائی ہے ہم کو تم کو قدرت نے ایک دیس میں پیدا کیا ہے، اسی مٹی سے ہم سب

بنے ہیں اسی کی مٹی میں ہم سب ملتے رہے ہیں، اسی میں پلے بڑھے
ہیں اور اسی میں مرتے جلتے گڑتے ہیں۔ اس کے تاروں سے
سرگوشیاں کرنے والے پہاڑوں کی طاقت اور مضبوطی اس کے
میدان کو موت کے بعد زندگی بخشنے والے دریاؤں کا فیض رساں
بہاؤ اس کے جنگلوں کی عارفانہ دم کشی، اس کی چڑیوں کی چہک
اس کے پھولوں کی مہک یہ سب تم جانو ہمارے تمہارے سب
کے رونگٹے رونگٹے میں بسے ہوئے ہیں ہم نے تم نے سب
نے اس کے آرام اور اس کے ہر دکھ میں ایک سا حصہ لیا ہے۔
اس کی نسیم نے سب سے ایک سی اٹھکیلیاں کی ہیں۔ اور اس
کی لو نے ہم سب کو ایک سا جھلسایا ہے اس کی زمین نے جو اُگلا
ہے اس سے ہم نے سب نے پیٹ پالا ہے اور اس کے
کالوں اور قحطوں نے ہم سب سے کبھی بھی نہیں پوچھا کہ تم ہندو
ہو مسلمان ہو سکھ ہو؟ اس کے جانوروں نے تمہاری ہماری
سب کی مدد کی ہے اور ہاں اس کے سانپوں نے تم کو ہم کو
ہاں تم کو اور ہم کو یکساں ڈسا ہے اور تم کو ہم کو یکساں
فائدہ پہنچایا ہے۔ قدرت نے جو رشتہ جوڑا ہے اسے
توڑنے پر کیوں تلے ہو؟

ہاں تم شاید کہو کہ آدمی خالی قدرت کا حصہ نہیں ہے
کہ قدرت نے جو بنا دیا وہی رہے۔ آدمی ہے اپنی دنیا

آپ بھی بناتا بگاڑتا ہے۔ تو یہ بالکل سچ ہے۔ اسی لئے تو میں نے تمہیں دوست کہہ کر پکارا ہے ہم کو تم کو قدرت نے ایک دیس میں پیدا کر کے بھائی بہن بنایا ہے۔ بلکہ ہم اپنی خوشی سے مل جل کر صدیوں ساتھ رہے۔ غم، شادی میں ایک دوسرے کے شریک رہے۔ آپس میں سلوک کئے ہیں۔ ایک دوسرے کے عیبوں سے چشم پوشی کی ہے۔ ہنر ڈھونڈے ہیں، سیکھے ہیں سکھائے ہیں۔ ایک نے اپنی کمی دوسرے سے پوری کی ہے۔ ایک نے دوسرے کو برتا ہے۔ پرکھا ہے۔ سمجھا ہے۔ محبت کی ہے وفاداری کی سب رسمیں نباہی ہیں۔ ایک دوسرے کے جان و مال میں دخیل رہے ہیں۔ غلامی کی لمبی اندھیری رات کو اسی ٹمٹماتے دئے کے سہارے کاٹ کر سحر کی ہے۔ آزادی کا روشن سورج نکلتے ہی کیوں دل بیٹھے جا رہے ہیں۔ کیوں نگاہیں بدلی جا رہی ہیں۔ دوستو! دوستی کی رسمیں نباہو دوستوں کو دشمن نہ جانو کسی عارضی جنون میں صدیوں کی دوستیوں کو ختم نہ ہونے دو۔ مجنونوں کا علاج کرو۔ وہ بھی بھائی ہیں۔ وہ بھی دوست بن جائیں گے دشمن جان کر دوستی اور وفاداری کے مطالبے نہ کرو۔ دوستی سے وفاداری کی جڑیں مضبوط کرو۔ دوستی کا پودا شبہہ اور بدگمانی اور نفرت کی زمین میں جڑ نہیں پکڑتا۔ محبت بھروسہ اور یقین سے کام لو اور دیکھو کہ اس میں یہ پودا کیسا لہلہاتا

ہے اور اس پروفاکے پھول کھل کر کس طرح اپنی خوشبو سے کینہ اور کپٹ کی گندی فضا کو مہکا دیتے ہیں اور اپنی شفاف خوش رنگی سے شک اور شبہ کے گدلے پن کو کیسے کاٹ دیتے ہیں۔ بھائیو دوست بنو، دوستی کے حق ادا کرو، دوستی کے تقاضے پورے کرو اور پورے کراؤ۔

بھائی دوست بن جائیں تو اس عظیم الشان کام میں جو ہم سب کے سامنے ہے ساتھی بن سکتے ہیں، دوستو۔ دیکھو صدیوں کی غلامی کے بعد، ایسی غلامی کے بعد جس نے ہمارے بدنوں ہی کو نہیں جکڑ رکھا تھا جس نے ہمارا پیٹ ہی نہیں کاٹا تھا جس نے ہمیں دباؤں اور طاعون ہی کا شکار نہیں بنا رکھا تھا بلکہ جس نے جہل اور بے عملی کے بوجھل طوق بھی ہماری گردنوں میں ڈال رکھے تھے جس میں ہم سوچنا سمجھنا بھول گئے تھے جس میں ہم سے بھلے بُرے کی تمیز چھن گئی تھی جس میں ہم زہر کو امرت سمجھنے لگے جس میں ظلم سہتے سہتے ہمارے سینوں میں ظلم کرنے کے ارمان پرورش پانے لگے تھے، جس میں ہم نے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دوسروں کو بھوکا مارنے کا ہنر پیٹ بھر کر سیکھ لیا تھا۔ جس کی شیطانی کمک پر ہم انسانوں سے جانوروں کا سا سلوک روا رکھتے تھے۔ جس میں ہم نے پیسہ کو خدا بنا لیا تھا اور خود غرضی کو اپنا دھرم، ایمان۔ جس میں ہم اپنا الو سیدھا کرنے

کی خاطر مذہبی تعصبات کو بے روک ٹوک ہم کسانوں نے اور بھائی کو بھائی کے اور دوست کو دوست کے خلاف کھڑا کر دینے کا انجھر سکیھ گئے۔ جس نے ہمیں ٹکڑیوں میں بانٹ کر ہماری قومی زندگی کو تعز بتر کر دیا۔ وہ غلامی ابھی دو مہینے ہوئے کہ قانوناً ختم ہوئی ہے۔ قانوناً عملاً تو وہ اس وقت ختم ہوگی جب ہم تم سب مل کر اپنے ایکے سے، اپنی سوجھ بوجھ سے اپنے فولاد جیسے جسموں کی مشقت سے جن پر گولیاں جھیل جائیں اور اپنے ان دلوں سے جن میں اپنے ساتھیوں کی چھوٹی سے چھوٹی مصیبت اور بپتا سے ایک ٹیس اٹھے اپنی محنت سے ہاں اپنی محنت، اپنی مایوسی اور تھکاوٹ سے بے پرواہ کوششوں سے اپنی نفرت اور فداکاری سے بڑی مخلصانہ خدمت سے ان سارے روگوں کو دور کر دیں گے جو غلامی نے ہم میں پیدا کر دئے ہیں۔ ساتھیو! کیسا بڑا کام ہے کیسا کٹھن۔ پر کیسا پیارا کام ہے۔ جن زندگیوں کو اس پیارے کام میں کھپانا ہے انھیں نفرت کی تلوار سے ہلاک کرتے ہو؟ جن قوتوں کے بغیر اس پیارے کام کو انجام دینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے انھیں برباد کرتے ہو۔ کیسی نادانی ہے۔ کیسی ناسمجھی ہے۔ کیسا جنون ہے؟ ساتھیو! اب سب سے پہلا کام یہی ہے کہ اس نادانی کو دور کر دو۔ اس ناسمجھی کو ہٹا دو۔ جنون کا ہاتھ پکڑ لو

میں جانتا ہوں کہ یہ سن کر تم میں سے بہتوں کے دل میں کیا خیال آئے گا۔ ہزاروں بار اسے سن چکا ہوں۔ روز سیکڑوں بار سنتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ہم مجرم نہیں ہیں، مجرم کوئی اور ہے ہم جرم کا بدلہ لے رہے ہیں۔ ہاں اگر تم بدلہ بھی لے رہے ہو تو جرم کا بدلہ جرم سے لے رہے ہو اور یہ خود جرم کی علامت ہے۔ بدنصیب ہے بدنصیب وہ آدمی، اور بدبخت ہے بدبخت وہ قوم جو اپنے پن کی ترازو کسی اور کے پاپ کو بنائے جو کسی اور کی بداعمالی کو اپنے عمل کا معیار قرار دے برائی کی نقل کرنے سے کبھی اچھائی نہیں پیدا ہوئی ہے۔ گناہ کی پیروی کر کے کوئی ثواب کی منزل تک نہیں پہنچا

بھائیو، دوستو! ساتھیو، مسلم، ہندو، سکھ، سب اپنے اپنے سینہ پر ہاتھ دھرو اور سوچو، اپنے ضمیر کی آواز پر دھیان دو تو تم کو پتہ چلے گا کہ گناہ ہم سب نے کیا ہے۔ جی بھر کر گناہ، جی بھر کر ظلم۔ ہم سب میں سے کسی کو شرم سے آنکھ اٹھانے کا یارا نہیں۔ گناہ کے پیالے کی تلچھٹ تک ہم سب نے چاٹ ڈالی ہے، تب ہی تو سب کے غم کا پیمانہ لبریز ہے۔ اس غم کو غصہ میں نہ بدلو۔ شرماؤ، شرماؤ اور توبہ کرو سب کے سب شرماؤ توبہ کرو۔ ایک دوسرے پر الزام لگا کر، دوسرے کے گناہ اچھال کر اور اپنے کو دبا کر یہ نہ سمجھو کہ تم اپنے ضمیر کی آواز

کو ہمیشہ کے لئے چپ کر سکتے ہو۔ وہ تمہیں برابر ستائے گی۔ وہ تمہاری نیندیں حرام کردے گی اور جس نے اسے دباکر چپ کرایا وہ تو سخت بدنصیب ہے۔ وہ انسانیت کے درجے کو ہمیشہ کے لئے چھوڑتا ہے۔ جانوروں کو بھی اسے اپنے زمرے میں لینے سے عار ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی قوم کی قوم ایسا کرتی ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے مہذب قوموں کی صف سے اپنے کو نکالنے کی حقدار بناتی ہے

بھائیو، دوستو! ساتھیو! اپنی انسانیت کو بچاؤ۔ اپنی قوم کے مہذب زندگی کے حق کو تلف نہ ہونے دو۔ تہذیب اور انسانیت اور شرافت کی وہ ساری پونجی جو ہم نے غلامی کی گھٹاٹوپ رات میں نفاق کی آگوں سے خودغرضی کے طوفانوں سے بچاکر نکالی تھی اسے آزادی کی پو پھٹے وقت خاک میں ملاتے ہو؟ ایسا نہ کرو۔ اسے بچاؤ اور تہیہ کرلو کہ اپنی زندگی کو اس پیارے کام میں کھپا دوگے۔ جس کی ذمہ داری آزادی نے تمہارے کاندھوں پر رکھی ہے اور یاد رہے کہ اس کام کو نفرت کی گندگی میں لتھڑے ہوئے ہاتھوں اور دلوں سے کبھی انجام نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے لئے ضرورت ہے محبت کی، صبر سے اور یقین کی۔

(آل انڈیا ریڈیو کی نشری تقریر ایک پمفلٹ سے ماخوذ)

آل انڈیا ریڈیو کی تقریروں کے سلسلہ میں پنڈت کچھی شاستری کی تقریر بھی مجھے بہت پسند آئی ہے۔ ذاکر صاحب کی طرح شاستری صاحب بھی صوفی منش آدمی ہیں۔ میں ان کی تقریر حاصل کرنے کی فکر میں ہوں دیکھئے کب ملتی ہے

امن کی کوششوں کا یہ باب نامکمل رہے گا۔ اگر میں مولینا حسین احمد صاحب مدنی کی کوششوں کا ذکر نہ کروں، سب جانتے ہیں کہ مولینا قرآن شریف اور حدیث کے جید عالم اور مفسر ہیں آپ جیسا متقی اور دیندار عالم قرآن و حدیث کی روشنی میں جب یہ ثابت کرے کہ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ اس لئے ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ ہمارے فرائض میں سے ہے تو ہم جیسے لوگوں کو جنہوں نے متعصب مولویوں کے ہاتھوں دلوں میں روک پیدا کرلی ہو بڑی ڈھارس بندھتی ہے۔ مولینا نے ساری عمر اسی نیک مقصد میں صرف کی ہے۔ سیاست میں کیسے کیسے اتار چڑھاؤ آئے! قرآن و حدیث کو پڑھے بغیر ان کا نام لے کر بہکانے والے کیسے کیسے لیڈر پیدا ہوئے۔ ہم نے ان لیڈروں کی رہنمائی میں اپنے مخلص بزرگوں کو گالیاں دیں، ڈاڑھی نوچی، منہ پر تھوکا، مار پیٹ کی، جب ہم پر مصیبت آئی تو یہی بزرگ ہماری ڈھال بن کر سامنے آئے اور ہندو مسلمان جنونیوں سے مخاطب ہو کر کہا:-

ہر شخص کو اپنے فرقہ سے محبت کرنے کا حق ہے اور ایک دوسرے کے فرقہ میں داخل بھی ہو سکتا ہے مگر دراصل فرقہ داریت بری چیز ہے۔ آپ نے فرقہ داریت کی تعریف اسلامی نقطۂ نظر سے کرتے ہوئے کہا کہ فرقہ داریت مذہب میں تعصب اور غلو کا نام ہے

کوئی مذہب غلو کرکے دوسرے مذہب والوں کی توہین کرے اور اس پر مظالم کرے۔ اس کا نام فرقہ واریت ہے۔ لیکن نہ اس کو اسلام نے سکھایا ہے نہ عقل نے اور نہ انصاف نے۔ اسلام برابر عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے اور حکم دیتا ہے۔ آپ نے ایک آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا کہ "کسی جماعت سے تمہاری دشمنی ان پر ظلم کرنے کے لئے آمادہ نہ کرے"۔ آپ نے کہا کہ ہمارے سامنے تو رسول کی عادات اور اخلاق موجود ہیں۔ آپ دشمنوں کے ساتھ بھی ہر معاملے میں اس بات کی احتیاط کرتے تھے کہ کسی کو صدمہ نہ پہنچے۔ اور اپنے ستانے والوں کے ساتھ کوئی بے انصافی نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ انصاف اور فضل کیا۔ آپ نے کہا کہ اسلام نے ہمیشہ غلو اور تعصب کو سختی سے روکا ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں قرآنی آیات اور تواریخ اسلام رسول کی عادات وغیرہ سے اس بات کو ثابت کیا کہ فرقہ واریت بدترین چیز ہے۔ آپ نے کہا کہ فرقہ واریت کا عمل یہ ہے کہ غیر فرقہ کے لوگوں کے حقوق ضائع کئے جائیں اور خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ آپ نے ۱۵ اگست سے کچھ پہلے اور بعد کے ہولناک واقعات قتل و غارتگری کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ واقعات کیوں ہوئے! جس طرح مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم کیا گیا اسی طرح مغربی پنجاب میں ہندوؤں کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا وہ بھی اسی حیثیت سے تھا

کہ وہ ہندو تھے۔ اس کا نام فرقہ واریت ہے جو اسلام کے اصول کے خلاف عدل وانصاف کے خلاف ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں فرقہ واری جماعتیں بنائی گئیں اور انہوں نے فرقہ واری کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔ آپ نے کہا کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت اور دوسرے بادشاہوں کا بھی راج رہا لیکن یہ فرقہ واریت اُس دور میں بھی نہ تھی اس کے ثبوت میں انگریزوں کی تحریریں اور متعدد اسناد پیش کیں جن میں بتایا گیا تھا کہ انگریزی حکومت سے مسلمانوں کی حکومتیں کہیں بہتر تھیں مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں کو ہر قسم کے حق دے رکھے تھے۔ اور اس وقت یہ کیفیت تھی کہ جیسے کوئی فرقہ ہے ہی نہیں۔ آپ نے کہا کہ بابر نے اپنے لڑکے ہمایوں کو وصیت کی تھی کہ ہندوستان مختلف مذاہب سے بھرا ہوا ہے۔ تعصب کو دھو ڈالو۔ عدل وانصاف کرنے میں مذہب کا خیال نہ کرو رعایا میں اتحاد عمل پیدا کرو۔ جس طرح مختلف عناصر کے اتحاد سے جسم بنا ہوا ہے اسی طرح سے مختلف فرقوں کے اتحاد سے سلطنت کا ایک جسم بناؤ۔ سلسلہ تقریر میں آپ نے کہا کہ ہمارے جتنے بڑے اور بزرگ گزرے ہیں وہ سب مذہب کے انتہائی پابند تھے لیکن ان میں تعصب اور غلو نہ تھا۔ اورنگ زیب کے زمانہ کی مثال دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ ان کے زمانہ

میں خزانہ کا سب سے بڑا عہدہ بدیا رسیوں کو سپرد کیا گیا تھا۔ اس وقت لوگوں نے اعتراضات کئے جس کے جواب میں اورنگ زیب نے کہا تھا کہ دنیوی معاملات میں مذہب کو دخل نہیں ہوتا۔ اورنگ زیب کے بڑے عہدیداران اور افسران میں ہندوؤں کی بڑی تعداد تھی۔ جہانگیر نے بھی امیر توپ خانہ راجہ بکرما جیت کو بنایا تھا۔ اسی طرح ہندو راجگان نے بھی کیا۔ راجہ رنجیت سنگھ کے وزیر اعظم پیرزادہ عزیز الدین اور توپ خانہ کے انچارج الٰہی بخش تھے۔ مرہٹوں کے توپ خانہ کے انچارج ابراہیم تھے۔ روہیلہ نوابوں کے مشیر اور وزراء ہندو ہی ہوتے تھے۔ آپ نے کہا کہ انگریزوں نے دو سو برس حکومت کی لیکن توپ خانہ کی ہوا بھی کسی ہندوستانی کو نہ لگنے دی

آپ نے کہا کہ اس زمانہ کے ہندو اور مسلمان مذہب کے بڑے پکے تھے۔ آج تو دونوں ادھورے ہیں۔ یہ اس پرانے زمانہ کا اثر ہے کہ آج بھی ہر جگہ ہندو مسلمان ملے جلے آباد ہیں۔ اگر شہری حقوق کا چھینا ہندو مسلمانوں کے یہاں رائج ہوتا تو یہ ملی جلی آبادیاں ہرگز نہ ہوتیں۔ آج جو فرقہ واریت پھیلائی گئی ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہے کہ پٹیالہ جہاں ساڑھے چار لاکھ مسلمان آباد تھے۔ وہاں اب ایک بھی نہیں۔ الورا

بھرت پور کی بھی یہی حالت ہے۔ دوسری طرف بھاولپور میں بھی
خال ہی خال ہندو نظر آتا ہے۔ آپ نے کہا کہ انگریز مصنف
مسٹر برٹز نے لکھا ہے کہ سیواجی اور ٹیپو کو مذہبی مجنوں کہا
جاتا ہے۔ لیکن اس زمانے کے ہر دربار میں خواہ وہ ہندو کے
ہوں یا مسلمان کے کہیں فرقہ وارانہ اختلاف نظر نہیں آتا تھا
آپ نے کہا کہ یہ اس وقت ہندوستان میں ہو رہا تھا جب
یورپ میں خون کی ارزانی تھی۔ مذہبی اختلاف کی بنا پر قتل
جائز تھے۔ سرجان مارٹ کا قول ہے کہ ہندو مسلمانوں میں
عام منافرت انگریزوں کے زمانہ میں پھیلی اور کبھی ہندو مسلمان
میں گائے کے معاملہ میں جھگڑا ہو جاتا تھا تو وہ بہت ہی
معمولی ہوتا تھا۔ آپ نے کہا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے
انتظام میں تاریخ مرتب کرائی۔ اور واقعات کو اس طرح سے
توڑ مروڑ کر لکھا گیا کہ ہندو مسلمانوں میں منافرت پیدا ہو
انگریز کی پالیسی لڑاؤ اور حکومت کرو تھی۔ سرجان نے
یہ بھی کہا کہ بغض عناد اس وقت پھیلا جب ہندوستان میں
علم پھیلا۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اس سے پہلے ہندوستان
میں کوئی علم ہی نہ تھا لیکن ہاں وہ علم نہ تھا جو آج ہے آپ
نے کہا کہ انگریزی حکومت سے قبل گذشتہ دور میں گاؤں گاؤں
میں مدرسے تھے۔ پروفیسر میکس مولر کا بیان ہے کہ بنگال میں

انگریزی حکومت سے قبل اسی ہزار مدرسے تھے ہملٹن کا قول ہے۔ سندھ کے ایک شہر ٹھٹھا میں چار سو کالج موجود تھے۔ بہرحال آج کل بھی ہندوستان میں جو جنگ وجدل ہو رہی ہے۔ اس کی بھی ذمہ داری انگریزی حکومت پر ہے۔ آپ نے کہا کہ میرے پاس دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ اس جھگڑے میں روپیہ بھی ان ہی کا خرچ ہو رہا ہے اور فتنہ و فساد پھیلاتے بھی ان ہی کے لوگ آئے ہیں۔ آپ نے یہ بھی انکشاف کیا کہ مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا دونوں جماعتیں برطانیہ کے پیٹ ہی سے پیدا ہوئی ہیں۔ دسمبر ۱۹۰۶ء کی آخری تاریخوں میں ڈھاکہ میں مسلم لیگ اور لاہور میں مہاسبھا کا جنم ہوا۔ برطانیہ کے کارنامے ہندوستان میں ہمیشہ خونی رہے اور اس سے جو بھی بنے گا وہ خونی ہی ہوگا ۱۸۸۵ء میں ہندو، مسلمان، پارسی، عیسائی نے مل کر انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ڈالی۔ جس کا پہلا صدر بنگالی تھا اور جس میں ۷۲ آدمی شریک ہوئے تھے اور ان میں دو مسلمان تھے ۱۸۸۶ء میں کانگریس کے صدر دادا بھائی نوروجی تھے اور ممبران کی تعداد ۴۰۴ تھی۔ ۱۸۸۷ء میں کانگریس کا اجلاس مدراس میں ہوا۔ یہاں سو مندوبین نے شرکت کی اور صدر جسٹس بدرالدین طیب جی تھے۔ ۱۸۸۸ء کا اجلاس الہ آباد میں ہوا جس میں گیارہ سو ممبران شریک تھے۔ اس کا صدر ایک عیسائی ہوا۔ انگریز کی

نے جب ہندو مسلمانوں کا یہ اتحاد دیکھا تو اسے اپنی موت نظر آئی۔ لیگ کے پہلے ہی اجلاس میں یہ کہا گیا تھا کہ لندن میں لیگ کے قیام پر خوشیاں منائی جا رہی ہیں کہ ہندوستان میں لیگ قائم ہو گئی۔ ہندو مسلمانوں میں منافرت کی مثالیں دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ سنہ ۱۹۰۰ء میں کانپور میں طاعون پھیلا ڈاکٹر نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو شہر خالی کرنے کا حکم دیا۔ مگر ہندو مسلمانوں نے مل کر حکم کی خلاف ورزی کی مجبوراً اس وقت لفٹیننٹ گورنر جنرل کو وہاں جانا پڑا۔ لیکن جب اس کے کہنے کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو لکھنؤ آ کر اس نے حکم دیا کہ ناگری رسم الخط میں بھی عرضیاں قبول کی جائیں اس حکم سے اختلاف پیدا ہونے لگا۔ آپ نے کہا کہ پاکستان کا خیال کسی مسلمان کا نہیں۔ بلکہ مسٹر ڈارون جج میرٹھ نے سنہ ۱۹۳۱ء میں لکھا تھا کہ ہندوستان میں اب ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان ہی بنانا مناسب ہے اور کراچی ہی ایک ایسی بندرگاہ ہے جہاں سے ہم سارے ایشیا میں تجارت کر سکتے ہیں۔ آپ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انگریزوں نے ہندوستان جنت نشان کو ہندوستان جہنم نشان بنا دیا۔

آخر میں آپ نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ فرقہ واریت پیدا کرنا خودکشی کے مترادف ہے۔ کانگریس اور جمعیۃ العلماء ہمیشہ

فرقہ وارانہ اتحاد کی حامی رہیں کانگریس کے بنیادی اصول
میں صاف موجود ہے کہ ہر مذہب آزاد ہوگا اور اقلیت کی
حفاظت کی جائے گی۔ مسلمان ہمیشہ اسی کا عادی رہا ہے۔ اور
اس کے تعلقات ہندوؤں سے ہمیشہ رہے ہیں۔ مسلمان ہندوستان
کے لئے کوئی نیا نہیں ہے۔ آپ نے کہا کہ تاریخ بتاتی ہے
کہ محمد بن قاسم کے ہندوستان میں آنے سے قبل بھی مسلمان
ہندوستان میں موجود تھے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سلطان
محمود غزنوی کے بعض حملے بھی اسی وجہ سے ہوئے تھے کہ وہ
ہندو راجاؤں سے اپنے مسلمان باغیوں کو لینا چاہتا تھا لیکن
راجہ ہمیشہ انکار کرتے رہے جس پر سلطان نے حملے شروع
کردئے آپ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ کوئی ایسا فعل
نہ کریں جس سے فرقہ واریت پیدا ہو اور کانگریس ہی وہ
سیاسی جماعت ہے جو فرقہ واریت سے الگ رہی اسی سلسلہ
سے آپ نے ثبوت دیتے ہوئے کہا کہ کانگریس کے صدر نو مسلمان
چھ عیسائی اور چار پارسی ہو چکے ہیں۔ اور ہر ہندوستانی
اس کا ممبر ہو سکتا ہے۔ اور ایسی جماعت کے ہونے ہی پر
مذہب کے حقوق ہر وقت محفوظ ہو سکتے ہیں!!

ایک طرف ہندوستان کے مشہور رہنما امن قائم کرنے کے لئے
اپیلیں کر رہے تھے تو دوسری طرف ان کی رعایا امن کی کوششوں

میں مصروف تھی ۔ اسی دہلی کو لیجئے جب عید، دسہرہ، دیوالی کا موقع آ
تو علاقہ نمبر ۱۲، ۱۴ کے ہندوؤں کی جانب سے بقر عید کے موقع پر
مسلمانوں کو پارٹی دی گئی ۔ اس کے جواب میں عزیز گنج، شیش محل
کشن گنج کے مسلمانوں کی طرف سے علاقہ نمبر ۱۳، ۱۴ کے ہندوؤں کو
دیوالی کے موقع پر مٹھائی کی پارٹی دی گئی ۔ اسی طرح باڑہ ہندوا
کے مسلمانوں نے بھی پہاڑی دھیرج اور پہاڑ گنج کے ہندوؤں کی ضیافت
کی ۔ جواب میں ان حضرات نے ان کی بھی آؤ بھگت کی ۔ میر مشتاق احمد
صاحب نے ہندو شرنارتھیوں کی امداد کے لئے مسلمانوں کی طرف سے
پچاس ہزار کی تھیلی پیش کرنے کا جو اعلان کیا ہے اس میں قصاب
پورے کے مسلمانوں نے دو ہزار چندہ دیا

شاہ گنج کے محلے میں مسلمان زیادہ گنتی میں رہتے ہیں ۔ جب فسادات
کا زور بندھا تو یہاں کے ہندو اکثریت کے محلے میں چلے گئے ۔ شاہ
گنج کے مسلمانوں نے ان کے مکان اور جائداد کی حفاظت کی ۔ جب امن
قائم ہو گیا تو ان ہندوؤں کو اپنے محلوں میں واپس لائے

یہ میں کسی موقع پر لکھ چکا ہوں کہ مجسٹریٹ مصرا، مہرولی میں
مسلمانوں کی امداد کرتے ہوئے اور پناہ گزینوں کو حفاظت میں پاکستان
بھجوانے والے مصرا نظام الدین کے اسٹیشن پر ایک فوجی کی گولی سے
مارے گئے ۔ یہ فوجی کو اس بات پر ڈانٹ رہے تھے کہ وہ پناہ گزینوں
کو کیوں تنگ کرتا ہے ۔ اسی طرح جہانگیر سنگھ مسلمانوں کی لاشیں اٹھاتے

ہوئے غلط فہمی میں مارے گئے

دہلی سے باہر ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی عید اور دسہرہ کے مشترکہ جلسے منعقد کئے گئے۔ جنوبی کلکتہ کے ہندوؤں نے ان تمام محلوں کی مسجدوں میں جو گذشتہ سال خطرناک ممنوع الداخلہ قرار دی گئی تھیں۔ اپنی نگرانی میں نماز کا انتظام کیا

لکھنؤ میں دسہرہ اور عید کے موقع پر متعدد مشترکہ تقریبات منائی گئیں۔ ان تقریبات میں ہزاروں کی تعداد میں ہندو اور مسلمانوں نے شرکت کی جس میں۔ یو۔ پی کی گورنر مسز سروجنی نائیڈو، پنڈت پالیوال مسٹر لال بہادر شاستری، مسٹر کیشور دیو مالویہ، حافظ محمد ابراہیم اور متعدد ذمہ دار حضرات نے شرکت کی۔ مقررین نے اس موقع پر لکھنؤ کی روایات کی تعریف کی کہ اس نے سر اونچا کرنے کا موقع دیا۔ اور اپنے مقدس تیوہاروں کو امن و شانتی سے منایا۔ دسہرہ کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے سبیلیں لگائی گئیں اور ہندوؤں کی دعوت کا انتظام کیا گیا۔ عید کے موقع پر ہندوؤں کی طرف سے سبیلیں لگائی گئیں اور دعوتوں کا انتظام ہوا۔ محلوں محلوں میں کتھا اور میلاد کی مشترکہ محفلیں منعقد کی گئیں۔ اور ان میں لوگوں نے گرمجوشی سے حصہ لیا۔ اور ثابت کیا کہ آج بھی ہندو اور مسلمان ایک ہی قوم کے افراد ہیں۔ اور انہیں اس بات پر فخر ہے کہ لکھنؤ کو اس درندگی اور حیوانیت سے محفوظ رکھا۔ اس کا اعتراف مسٹر لال بہادر شاستری

وزیر انصاف یو۔ پی نے کہا کہ ان مقدس تہواروں سے قبل کچھ اندیشے تھے۔ لیکن لکھنؤ کے عوام نے ان کے اندیشوں کو دور کیا

بہار اسمبلی میں مخالف پارٹی کے لیڈر مسٹر لطیف الرحمٰن نے ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا:۔

"دسہرہ اور بقرعید کے موقع پر مکمل امن وامان قائم رکھنے کے لئے حکومت بہار کو میں اپنی دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس وقت تمام ملک کے اندر فضا مکدر ہو رہی ہے لیکن مجھے مسرت ہے کہ ہمارے صوبے میں اکثریت اور اقلیت دونوں نے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو محسوس کیا مجھے ذاتی طور پر معلوم ہوا کہ کس طرح حکومت بہار نے اپنی بہترین کوششوں سے ہر خطرہ مول لے کر امن برقرار رکھا۔ میں اس کے لئے شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ عوام کے اندر اطمینان اور ایک دوسرے پر اعتماد پیدا ہو گیا ہے وہ ماضی کی تلخیوں کو بھول گئے ہیں۔ خدا کرے یہ امن بدستور برقرار رہے کہ بنی نوع انسان کے لئے یہ ضروری ہے

(انجام دہلی ۳۰ر اگست ۱۹۶۸ء)

ہندوستان کی ریاستیں، بھوپال اور حیدرآباد میں بھی عید اور دسہرہ کے تہواروں پر مشترکہ جلسے منعقد کئے گئے

میواور جاٹ ان جھگڑوں میں بہت بدنام ہوتے ہیں لیکن ایک دوسرا پہلو کا انکشاف بھی ہوا ہے، پنڈت سندر لال اپنے بیان کے ایک حصے میں

لکھے ہیں :-

"ضلع گوڑگانواں میں میو اور جاٹوں کی لڑائی بھی ایک انوکھا واقعہ ہے۔ جو لوگ ہندو راجپوت سے مسلمان ہوئے ہیں ان کے رسم ورواج ہندو راجپوتوں سے بہت ملتے جلتے ہیں سالہا سال سے مسلم میو اور ہندو جاٹ بطور اچھے پڑوسیوں کے رہتے آئے ہیں۔ موجودہ فسادات کے دوران میں ہندو فرقہ وارانہ ذہنیت رکھنے والے جاٹوں کے پاس اور اسی قسم کے مسلمان میو کے پاس پہنچے۔ ان دونوں کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ بالآخر لڑائی شروع ہوگئی میو کے مواضعات اگرچہ یکجا واقع ہوئے ہیں لیکن میو کے ہر گاؤں میں کچھ ہندوؤں کے مکانات بھی ضرور ہوتے ہیں۔ اسی طرح جاٹوں کے ہر ایک موضع میں مسلمانوں کی اقلیت ہوتی ہے جو نسل سے جاٹ ہی ہوتے ہیں۔ میوؤں اور جاٹوں کی لڑائی کئی دن تک چلتی رہی۔ میو کے مواضعات کے ہندو مسلمان میوؤں کی شرکت میں ہندو جاٹوں کے ساتھ اور مسلم جاٹ ہندو جاٹوں کی شرکت میں میو سے لڑتے رہے۔ ہر شخص اپنے گاؤں کا وفادار تھا۔ فریقین کی تعداد ہر جانب ہزاروں تھی لوگ دن بھر تو لڑتے تھے اور شام کو پھر سب چوپال میں جمع ہو جاتے تھے۔ یعنی میو اور جاٹ اکٹھا جمع ہو جاتے تھے اور ایک دوسرے کو الزام دیتے تھے کہ باہر کے آدمیوں کے ورغلانے میں آکر اپنے یہاں

کے امن وامان کو تباہ کر رہے ہیں - یہ قصہ بہت دنوں تک چلتا رہا ۔ لیکن اس لڑائی کے دوران میں کسی میو نے کسی عورت یا بچے پر ہاتھ نہیں ڈالا - جاٹوں نے بھی اس بہادری کے قاعدے پر عمل کیا - بالآخر ایک شام کو ہر دو فریق کو محسوس ہوا کہ ان کو آپس کی لڑائی ختم کر دینی چاہیئے - اگلی صبح کو مجسٹریٹ ضلع کو بلایا - مجسٹریٹ ضلع اور فوج والوں کی موجودگی میں میو اور جاٹوں نے عہد پیماں کیا کہ آئندہ وہ نہ لڑیں گے - ہر دو فریق نے باہر کے لوگوں پر جنھوں نے ان کو ایک دوسرے سے لڑایا تھا لعنت بھیجی اور اس بات کا ارادہ کر لیا کہ آئندہ نہ لڑیں گے اور بہ طریق قدیم امن و امان سے رہتے رہیں گے جب ۵ر نومبر کو میں گوڑگاؤں کے ان مواضعات میں گیا تو میو اور جاٹوں کو پہلے ہمسایوں کی طرح رہتا ہوا پایا - فرق صرف اس قدر ہے کہ وہ کسی باہر کے فرقہ وارانہ فساد بڑھانے والے کو خواہ وہ ایک فرقے کا ہو یا دوسرے کا اپنے مواضعات میں نہیں آنے دیتے۔

(قومی آواز ، لکھنؤ)

ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی میں پنڈت سندر لال کی کوششوں سے "روحانی سوسائٹی" قائم ہوئی ہے جس کا مقصد لوگوں میں اونچے اقدار کی بنا پر سچی دوستی پیدا کرنا ہے - اس کے جلسے ہفتہ وار ہوتے

ہیں جس میں صاحب دل صاحب دماغ لوگ اپنے خیالات سے نیکی کا بیج بوتے ہیں۔ ایک جلسے میں سردار سنت سنگھ صاحب نے فرمایا:-

"ہم چہرے کو دھو دھا کر باہر نکلتے ہیں۔ لیکن یہ تو باہر کی صفائی ہے ہماری سب اندرونی برائیاں پیشانی پر منعکس ہو جاتی ہیں۔ کیا ہم نے چہرہ صاف کرتے وقت یہ بھی دیکھا ہے کہ ہماری پیشانی بے داغ، ہماری نگاہ اور ہماری زبان طنز کے تیرو نشتر اور تلخی سے خالی ہے"

جو کرتوتیں انسان نے کیں، جو ظلم انسان نے انسان پر ڈھائے ان کے ذکر سے دل لرزتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مذہب کو ماننے والے ہیں۔ آج خدا کے نام لیوا لوگوں کا خون نچوڑ کے پی رہے ہیں۔ تاریخ میں پہلے بھی ایسے موقعے آئے جب انسان اپنے آپ کو بھول گئے اس وقت مہاتما آئے اور انھوں نے سچائی کا اپدیش دیا۔ مہاتما بدھ کے وقت بھی یہی حالت تھی جو آج ہے۔ مہاتما بدھ نے انسانیت کے اصول وضع کئے۔ جو انسان رام رام کہتا ہے لیکن دوسری طرف لوگوں کا خون چوستا ہے اس کی روحانیت پھل نہیں لا سکتی

پچھلے فسادات میں انسانیت کی جھلک کہیں نظر نہیں آئی۔ بیاس میں نفتری بابا ساون سنگھ جی مہاراج نے مسلمانوں کو پناہ دی اور انھیں اپنے گوردوارے میں رکھا۔ میں نے خود

ہوا ان بھائیوں کو بچایا۔ اسی طرح پاکستان میں مسلمانوں نے اپنے
ہندو بھائیوں کو بچایا حضرت موسیٰ نے انسانیت کے جو دس اصول بتائے
ان کا بچوڑ بھی یہی ہے کہ خیال میں بھی کسی کو دکھ مت دو۔

ویاس جی سے کسی نے دھرم کے معنی پوچھے تھے انہوں
نے ایک فقرے میں ساری بات کہہ دی کہ دوسروں سے وہی
سلوک کرو جو تم چاہتے ہو کہ تم سے کیا جائے یہی بات یسوع
مسیح نے کہی ہے۔ بھگوان کرشن نے ارجن کو یہی اپدیش
دیا تھا۔ اگر کوئی تمہاری شرن میں آجائے تو اس کی رکشا کرو
حضرت محمد صاحب کی بھی یہی تعلیمات ہیں۔"

۷۔ پاکستان میں امن کے لئے کوششیں

ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی امن کی کوششیں ہو رہی ہیں اس کام کی تفصیل تو آپ ہی اچھی طرح جانتے ہیں کہ آج کل آپ کو وہاں رہنے کا موقع ملا ہے البتہ اخبارات اور ریڈیو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام میں غضنفر علی خاں صاحب وزیر خوراک پیش پیش ہیں۔ موصوف کی یہ تقریر آپ نے اخبارات میں پڑھ لی ہو گی۔

"ہندوستان اور پاکستان میں جو وحشیانہ حملے اور واقعات ہوئے اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ ننھی عورتوں اور بچوں کو مارنا۔ کنواری لڑکیوں کو بھگائے جانا ایسا گناہ ہے جو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا اس قسم کے مظالم کی داستان کسی بھی ملک میں جو اس کے نام کے شایان شان ہو نہیں دہرائی گئی ...... میں چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی ہے کہ جو آکر بتلائے کہ قرآن اس قسم کے غیر انسانی کام کرنے کا کہاں حکم دیتا ہے۔ اسلام ایک خدائی مذہب ہے۔ فطری اور روحانی مذہب ہے جو اس عقیدہ اور مذہب کے ماننے والے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اس کے اصولوں پر عمل کریں اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی تہذیب اور روایات

کا نمونہ بنا کر دکھائیں ...... پاکستان قائداعظم کی دین ہے جنھوں نے ایک بار نہیں متعدد بار پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا یقین دلایا ہے۔ اس قسم کی قتل و غارتگری سے جیسا کہ ابھی گجرات کے قریب ایک غیر مسلم پناہ گزینوں کی ٹرین پر حملہ کر کے کی گئی پاکستانی اپنے اس قائداعظم کے ساتھ غداری کا ثبوت دے رہے ہیں جس نے اُن کے لئے اتنی قربانی کی۔

اس میں شک نہیں ہندوستان میں ہندو اور سکھ بھی اس قسم کے واقعات میں برابر کے مجرم ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی ڈومینین میں پھر سے نظم و نسق قائم کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں لیکن لوگ ہیں کہ اُن کی نصیحت پر کان ہی نہیں دھرتے ...... مہاتما گاندھی نے برت رکھ کر اس بات کا عملی ثبوت دیا ہے کہ واقعی انھیں ہندو مسلم اتحاد اور آپس میں میل جول کتنا عزیز ہے۔ ہم ان کی جتنی عزت کریں کم ہے ...... میں پر زور اپیل کرتا ہوں کہ ہندوستان کے لوگ مسلمانوں کی طرف سے اپنے دلوں کو بدلیں گے اور پچھلی باتوں کو بالکل بھول جائیں گے

پاکستان ایک نازک دور سے گذر رہا ہے تقریباً پچاس ساٹھ لاکھ مسلمان یہاں آ چکے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جن کا سب کچھ جا چکا ہے۔ ان قسمت کے ماروں کو

دوبارہ بسانے اور ان کے رہنے وغیرہ کا معقول انتظام کرنا کسی بھی حکومت کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا ...... ان پناہ گزینوں کے مسئلے کو حل کرنے کے سلسلے میں ایک تجویز یہ بھی ہے کہ ملک کی صنعت کو قومی بنا دیا جائے گو مجھے زمینداروں اور سرمایہ داروں سے کوئی محبت نہیں اور خصوصاً پچھلے دنوں مسلمانوں کے مفاد کی طرف سے ان کی بے حسی دیکھ کر جو تھوڑی بہت ہمدردی تھی وہ بھی ختم ہوگئی لیکن میرے خیال میں پناہ گزینوں کے مسئلے کا ملک کی صنعت کو قومی بنانے کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں

پاکستان اور ہندوستان میں جنگ کے متعلق لوگ غلط غلط خبریں اُڑاتے پھرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ان دونوں ریاستوں کے درمیان جو ابھی ابھی وجود میں آئی ہیں۔ جنگ ہوگئی تو دونوں میں کسی ایک کا باقی رہنا بھی مشکل ہے

میری خواہش ہے کہ ہندوستان کی حکومت آپس کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے ایک کانفرنس بلائے ...... اگر اس قسم کی دعوت پاکستان کو ملی تو وہ اس کو بخوشی منظور کرے گا

جب تک مشرقی [redacted]ب میں خالص ہندو اور سکھ

اور مغربی پنجاب میں خالص مسلمان آباد رہیں گے، دونوں ڈومینیوں میں دوستی ہونا ناممکن ہے۔ مجھے اُمید ہے ایک دن ضرور آئے گا جبکہ پناہ گزیں اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں گے .... موت کے علاوہ اس سے بڑھ کر ایک شخص کو اور کیا سزا دی جا سکتی ہے کہ اس کو اس کے مادرِ وطن سے نکال دیا جائے"!

آپ لوگ یہ یاد رکھئے کہ اگر آپ نے کسی غیر مسلم پر حملہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا آپ ان چار کروڑ مسلمانوں کی جان کو خطرہ میں ڈال دیں گے جن کی کوششوں اور قربانیوں کی بدولت پاکستان ایک علیحدہ ریاست کی صورت میں وجود میں آئی"

پاکستان کی حکومت نئی نئی بنی ہے۔ اس لئے یہاں کے وزیرِ اعظم کی مشکلات سوا ہیں۔ لیاقت علی خاں صاحب کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ یہ سوجھ بوجھ کے آدمی ہیں - اُن کی تقریر میں زور ہے۔ اخبارم پیام کے ذریعے جتنی تقریر مجھے مل سکی ہے وہ یہاں درج ہے۔

(سٹیٹسمین دہلی)

ہر وہ شخص جو ذرا بھی سیاست کی سوجھ بوجھ رکھتا ہے یہ جانتا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ کا مطلب دونوں کی تباہی ہے۔ انھوں نے پاکستان کے تمام مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ بدلہ اور انتقام کے جذبات

سے بلند ہو کر پاکستان میں مکمل امن و امان کے قیام میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ امن کی اپیل اس لئے نہیں کر رہے ہیں کہ بدامنی سے مشرقی پنجاب اور دوسرے ہندوستانی علاقوں کے مسلمان خطرہ میں پڑ جائیں گے وہ . . . . بلکہ خالص اخلاقی اصولوں کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں

مسٹر لیاقت علی خان نے کہا کہ اگر ہندوستان میں وحشت اور بربریت کے ہولناک مظاہرے کئے جائیں تو اس کا مطلب نہیں کہ ہم بھی جذبات کی رو میں بہہ کر انتقامی کارروائی شروع کریں ہم نے خدا رسول اور ساری دنیا کے سامنے یہ عہد کیا تھا کہ پاکستان کی بنیاد ظلم اور تشدد پر نہیں بلکہ اخلاقی رواداری اور انسانیت کے اصول پر ہو گی، اور ہمارا فرض ہے کہ اس عہد کو پورا کریں

. . . .

. . . .

. . . . مجھے شرم اور ندامت محسوس ہوتی ہے کہ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ بعض جگہ اکثریت اقلیت کے تحفظ میں ناکام رہی ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اقلیتوں کی عزت و آبرو کی اس طرح حفاظت کریں

جس طرح وہ اپنی عزت اور آبرو کی کرتے ہیں

وزیر اعظم پاکستان نے کہا کہ جب تک مکمل امن قائم نہیں ہوگا ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ انھوں نے ملک کی تقسیم اور بعض دوسری ناانصافیوں کو صرف اس لئے منظور کیا تھا کہ حالات پر امن طور پر ہو جائیں اور اس مقصد کے لئے حکومت سخت کارروائی کرنے سے بھی گریز نہ کرے گی

مسٹر لیاقت علی خاں نے عوام کو متنبہ کیا کہ جو شخص بھی ملک کے امن میں خلل اندازی کرنے کی کوشش کرے گا اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ خواہ اس کا سیاسی رتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ انھوں نے اعلان کیا کہ تمام اضلاع کو خطرناک قرار دے دیا گیا ہے۔ اور حکومت فسادات اور بدامنی کو کچلنے کے لئے سخت ترین کارروائی کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے اور اس میں اجتماعی جرمانے بھی شامل ہیں

مسٹر لیاقت علی خاں نے آخر میں کہا کہ ان کی حکومت ان مشکلات سے واقف ہے جو اس کی راہ میں پیدا کی جا رہی ہیں۔ لیکن وہ غافل نہیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی عوام کو اس پر اعتماد کرنا چاہیئے اور قیام امن کے کام میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہیئے۔ کیونکہ ان کے بغیر پاکستان مضبوط نہیں ہو سکتا۔ یہ بدامنی نے ان کی بنیادوں کو کمزور

کر دیا ہے۔ جو ہندوستان کے لئے بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ہمارے لئے

جو لوگ امن کو خراب کر رہے ہیں وہ اپنے ملک کی پشت میں چھرا گھونپ رہے ہیں

(پیام دہلی مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

نومبر کے تیسرے ہفتے میں پاکستان کے ترقی پسند ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کی پہلی کانفرنس لاہور میں منعقد ہو رہی ہے جس میں اردو کے تمام مشہور اہل قلم حصہ لیں گے، اور ان مسائل پر سوچ بچار کریں گے۔ جو موجودہ نفرت، قتل و غارت گری کے ماحول میں ادب اور تہذیب کے مشترکہ اثاثہ کو بچانے کے لئے ضروری ہیں، اور امن قائم کرنے کے لئے کوشش کریں گے

اس کانفرنس کے فوراً بعد ترقی پسند شاعر اور ادیب پاکستان کے شہروں کا دورہ کریں گے تاکہ پاکستان میں جمہوری رجحانات کو فروغ ملے، اور اقلیتوں کے لئے امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو ترقی پسند مصنفین نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اپنی تمام تر فنی اور ذہنی صلاحیتوں کو وقف کر دیں گے

اس سلسلے میں انجمن ترقی پسند مصنفین لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل اعلان شائع ہوا ہے۔ جس پر تقریباً ڈیڑھ سو ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور فن کاروں کے دستخط

ہیں

گذشتہ ڈیڑھ برس سے ہندوستان فساد کی آگ میں جل رہا ہے، کلکتہ، بہار، بمبئی اور نواکھالی میں جو انسانیت سوز مظاہرے ہوئے۔ ان سے ہر مہذب انسان کا سر شرم و ندامت سے جھک جاتا ہے۔ یہ فسادات ہماری تہذیب ہمارے اخلاق اور ہماری تاریخ کے دامن پر کچھ کم بدنما داغ نہ تھے لیکن حد بندی کمیشن کے فیصلے کے فوراً بعد پنجاب میں جو خونی ہولی کھیلی گئی ہے۔ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس خونی ہولی کے ہولناک نتائج ہمارے سامنے

آج پنجاب کا تین چوتھائی حصہ ویرانوں اور کھنڈروں میں تبدیل ہو گیا ہے، اور ان کھنڈروں میں تہذیب اور انسانیت کی چیخیں گونج رہی ہیں

اخلاق اور کلچر کی وہ سربلند قدریں جنھیں ہم نے صدیوں کی عرق ریزی کے بعد تعمیر کیا تھا خاک اور خون میں لتھڑی ہوئی دم توڑ رہی ہیں۔ ننھے بچوں کو نیزے کی نوکوں پر چڑھایا جا رہا ہے۔ پناہ گزینوں کے قافلوں پر وحشیانہ حملے کئے جاتے ہیں بے گناہ انسانوں کو چن چن کر تہ تیغ کر رہے ہیں، اور لڑکیاں مال غنیمت کی طرح تقسیم ہو رہی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہم پاکستان کے ادیب اور شاعر یہ محسوس کرتے ہیں

کہ اگر موجودہ وحشت اور بربریت کا فوری سدباب نہ ہوا تو دونوں ڈومینینوں کی قومی آزادی خطرے میں پڑ جائے گی۔ مجلسی زندگی تباہ ہو جائے گی اور ادب، آرٹ اور کلچر کے سرچشمے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خشک ہو جائیں گے

ہم جانتے ہیں کہ یہ فسادات ہماری نوخیز حکومتوں کے خلاف رجعت پسندوں اور انگریزی سامراجیوں کی خوفناک اور زبردست سازش کا نتیجہ ہیں ۔ اس سازش کا مقصد جمہوری صفوں میں انتشار پھیلانا عوامی تحریکوں کو کچلنا اور دونوں قوموں کو اقتصادی اور معاشی اعتبار سے اس حد تک کمزور اور دیوالیہ بنانا ہے کہ وہ جون سنہ ۴۸ء سے پہلے پہلے برطانیہ اور امریکہ کے آگے گھٹنے ٹیک دیں ۔ اور تیسری جنگ عظیم میں ان کی سامراجی ہوس رانیوں کا آلہ کار بننے پر مجبور ہو جائیں

ہم پاکستان کے ادیب اور شاعر تہذیب، آزادی اور مستقبل کے تحفظ کے نام پر دونوں حکومتوں اور وہاں کے عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ مل کر امن کی فوری اور موثر تدابیر کریں، اور ایسی فضا پیدا کریں جس سے دونوں حکومتوں کے درمیان دوستانہ تعلقات استوار ہوں اور اقلیتوں کو دوبارہ بسانے کی وہ مہم کامیابی سے انجام پا سکے جس کی

رہنمائی ہندوستان میں گاندھی جی، اور پاکستان میں راجہ غضنفر علی خاں صاحب کر رہے ہیں۔ دونوں حکومتوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مقصد کی تکمیل پر لسانے نوکر شاہی طریقے سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے لئے کانگریس اور لیگی رہنماؤں کو عوام میں آنا پڑے گا اور جمہوریت نواز اور ترقی پسند عناصر کو ساتھ لے کر کام کرنا پڑے گا۔ یہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے ہم موجودہ بحران سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ تبادلہ آبادی ہماری مسائل کا صحیح حل نہیں ہے۔ اس سے نفرت اور کشیدگی کے شعلے کو مزید ہوا ملتی ہے۔ دونوں حکومتیں معاشی اور اقتصادی اعتبار سے کمزور ہوتی ہیں اور سامراجی رجواڑوں، جاگیرداروں اور دوسرے رجعت پسندوں کو من مانی کرنے کا موقع ملتا ہے

اس وقت ہماری قومی آزادی کو شدید ترین خطرہ درپیش ہے۔ ہم پاکستان کے ادیب اور شاعر اعلان کرتے ہیں کہ ہم اپنے عوام کی تہذیب اور آزادی کا تحفظ اپنے قلم زبان اور جان تک سے کریں گے۔ ایک ایک شہر میں گھوم کر کانفرنسوں، جلسوں، جلوسوں اور مشاعروں کے ذریعے قومی اتحاد کی فضا پیدا کریں گے۔ اور اسی طرح حکومتوں میں جمہوری رجحانات کو فروغ دیں گے۔ ہم ملک کی تمام

سیاسی جماعتوں اور ادبی حلقوں سے تعاون کی اپیل کرتے ہیں

ہم پاکستان کے ادیب اور شاعر ہندوستان کے ان شاعروں، ادیبوں، اور فن کاروں کی مساعی کو تحسین اور محبت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ جو انھوں نے بمبئی، کلکتہ اور دہلی میں امن و اتحاد کے لئے شروع کر رکھی ہیں۔ ہماری طرف سے انھیں اس تہذیب کا سلام پہنچے جسے فوجی طاقت اور فرقہ وارانہ ولولے تقسیم نہ کر سکے

۱۔ فیض احمد فیض

۲۔ حفیظ جالندھری

۳۔ صلاح الدین احمد

۴۔ طفیل احمد

۵۔ قیوم نظر

۶۔ حاجرہ مسرور

۷۔ ممتاز مفتی

۸۔ شورش کاشمیری

۹۔ عبدالحمید

۱۰۔ احمد ندیم قاسمی

۱۱۔ خدیجہ مستور

۱۲- تابش صدیقی
۱۳- عائشہ صدیقہ
۱۴- فکر تونسوی
۱۵- احمد راہی
۱۶- ظہیر کاشمیری
۱۷- قتیل شفائی
۱۸- سیف
۱۹- جاوید اقبال
۲۰- عبدالحمید بھٹی
۲۱- شیر محمد اختر
۲۲- حمید نسیم
۲۳- عبدالمتین عارف
۲۴- حمید اختر
۲۵- شبلی بی کام
۲۶- عبدالمجید عدم
۲۷- مرزا ادیب
۲۸- ابو سعید بزمی
۲۹- ایڈیٹر روزنامہ طاقت

۳۰۔ ضیا جالندھری
۳۱۔ عبدالسلام خورشید
۳۲۔ ڈاکٹر سید عبداللہ
۳۳۔ سرفراز آرٹسٹ
۳۴۔ جی۔ این بٹ فلم آرٹسٹ
۳۵۔ عذرا کچلو
۳۶۔ ساحر لدھیانوی

(نیا زمانہ بمبئی مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۴۷ء)

ترقی پسند ادیبوں کی جس کانفرنس کا ذکر پچھلے اعلان میں ہوا ہے یہ دسمبر کے مہینے میں لاہور میں منعقد ہوئی تھی۔ مولانا عبدالمجید سالک نے ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کی انجمن قائم کرنے کی ذمے داریوں کے بارے میں ایک بیش بہا خطبہ دیا۔ وہ فرماتے ہیں:۔

رفیقان قلم! یہ ایک پیلا تاشیوہ ہے کہ انجمنیں یا جماعتیں جس شخص کو اپنے کسی اجتماع کا صدر منتخب کرتی ہیں تو وہ اپنے خطبے کے پہلے ہی فقرے میں یہ کہہ کر ان کے انتخاب کی توہین کرتا ہے کہ میں تو اس اعزاز کے قابل نہ تھا، آپ حضرات نے زبردستی مجھے اس مسند پر بٹھا دیا۔ لیکن کم از کم میں آپ کے کارکنوں کی توہین کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کی داد دیتا ہوں کہ انھوں نے بڑی

عقل مندی سے کام لیا۔ بالکل صحیح انتخاب کیا۔ میں یقیناً اس اعزاز کا اہل تھا۔ اس لئے کہ عمر میں بھی شاید سب سے بڑا ہوں اور قلم کی گھس گھس میں بھی کم و بیش پینتیس سال گذر چکے ہیں۔ لیکن چونکہ جلیل القدر ادیبوں اور شاعروں کے اس وقیع اجتماع میں اپنے مقام کا اندازہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لئے اتنا عرض کرنے کی اجازت ضرور دیجئے کہ آپ میں بیسیوں ایسے حضرات موجود ہیں جو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے اس اعزاز کا استحقاق مجھ سے ہزار درجے زیادہ رکھتے تھے

رفیقو! اب ان بحثوں کو چھیڑنا بے وقت کی شہنائی ہے کہ ترقی پسند ادیب کمیونسٹ ہوتے ہیں۔ یا نہیں؟ مذہب کے مطابق ان کا نظریہ کیا ہے۔ وہ دہریے ہیں یا خدا پرست ان کی عریاں نویسی جنسی بھوک یا بد وضعی کا نتیجہ ہوتی ہے یا کوئی بلند مقصد ان کے پیش نظر ہوتا ہے۔ ان تمام بحثوں کے تار پود پوری طرح بکھیرے جا چکے ہیں۔ ادب کے مطابق صرف ایک ہی نظریہ صحیح ہے کہ ادب زندگی کے لئے ہے۔ ادب کو زندگی کے حقائق کا آئینہ بنائے۔ زندگی کو بہتر اور بلند کرنے کا آلہ بنائے۔ اس کے بعد پڑھنے والوں کی پسند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ تاثر یا عدم تاثر پہ پہرے نہیں بٹھلائے جا سکتے

جوادب بلند معیار ہوگا وہ باقی رہ جائے گا اور نتائج پیدا کرے گا جو ناقص اور سقیم ہوگا وہ خود بخود گردش روزگار میں پس کر فنا ہو جائے گا۔ میرے نزدیک ترقی پسند مصنفین کے نتائج افکار اپنی افادی حیثیت اور بقاء کی صلاحیت کا ثبوت دے چکے ہیں اور اس سلسلے میں اختلافی بحثیں کرنا حماقت نہیں تو تضیع اوقات ضرور ہے

رفیقانِ علم، ہندوستان کی سرزمین پر دو ایسے ہنگامے برپا ہوئے ہیں جنھوں نے انسانی ضمیر کی بنیادوں تک کو ہلا دیا ہے۔ ایک بنگال کا قحط دوسرے حالیہ مصیبت مختلف روایات کے مطابق بنگال میں ۲۵ ـ ۳۰ لاکھ انسان محض بھوک سے ہلاک ہوگئے۔ کڑیل جوان ہڈیوں کا پنجر بن کر دنیا سے رخصت ہوگئے۔ مائیں اپنے بچوں کو اپنی سوکھی چھاتیوں سے لپٹا کر مر گئیں نوجوان عورتوں نے مٹھی بھر چاول کی خاطر اپنی عصمتیں بیچ ڈالیں اور سب کچھ اس وقت ہوا جب بنگال کے شہروں میں کھانے پینے کی چیزوں کی افراط تھی، ہوٹل اور ریسٹوران اور بازار گوناگوں نعمتوں سے لبریز تھے۔ اور سرمایہ داری کا شیطان اپنی عیارانہ مسرت کے نشے میں سرشار ہو کر ناچ رہا تھا جب دنیا نے لاکھوں انسانوں کی اس تباہی کو دیکھا لو اُسے حقیقت

صاف نظر آ گئی کہ سرمایہ دارانہ نظام نے آدم کی اس اولاد کو اتنا نامرد بنا دیا ہے کہ وہ بھوک سے صرف مرجانا جانتے ہیں اور کھتے داروں اور دولت مندوں اور دولت مندوں سے اناج چھین کر کھانا نہیں جانتے۔ حالانکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ آفت محض سرمایہ دار حکومت، منافع پرست تاجر اور بددیانت افسروں کی ملی بھگت سے پیدا ہوتی ہے۔ جنھوں نے اپنی تجوریوں کو بھرنے کے لئے چاول کے نرخ اتنے بڑھا دئے کہ یہ جنس بنگال کے دیہات میں بے نشان ہو کر رہ گئی، اور غریب کسی قیمت پر بھی اپنا پیٹ پالنے کے قابل نہ رہا۔ یہ حیرت انگیز معما کسی کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ بنگال کو بھوک کی موت سامنے نظر آرہی ہے۔ لیکن اس نے پولیس کی گولی کی موت سے ڈر کر اپنا ہاتھ روکے رکھا اور اناج پر زبردستی قبضہ نہ کیا۔ نفسیات غلامی کی اس بحث کو چھوڑ دو، لیکن لاکھوں بنگالیوں نے اپنی جانیں دے کر سرمایہ داری اور استبداد کی لعنتوں کے خلاف جو مواد پیدا کر دیا وہ برسوں کے پروپیگنڈے سے بھی فراہم نہ ہو سکتا تھا، اور انسانی دل و دماغ پر وہ اثرات مرتب نہ ہو سکتے تھے جو اس قحط نے چند ہفتوں کے اندر پیدا کر دئے

دوسرا ہنگامہ وہ ہے جو چند مہینوں سے پنجاب میں

بر پا ہے۔ تاریخ عالم اس مثال سے عاجز ہے کہ آٹھ دس ہفتوں کے اندر چالیس لاکھ انسان ایک علاقے سے اور ساٹھ لاکھ دوسرے علاقے سے نقل مکانی کر گئے، اور اس جبری تبادلۂ آبادی میں لاکھوں بے گناہ قتل ہو گئے، کروڑوں کی املاک آتش زنی سے تباہ کر دی گئی بے شمار عورتیں اٹھالی گئیں۔ وہ معلوم نہیں کس حال میں ہیں۔ ان میں سے کتنی خودکشی کر گئیں۔ کتنی بھاگنے کی کوشش میں جانیں دے چکیں، اور کتنی راضی برضا ہو کر بیٹھ گئیں۔ درد مندوں نے چیخ پکار کی مخلص انسانوں نے کہا کہ پاکستان قائم ہونے میں کوئی خرابی نہیں بلکہ اس کا قیام ضروری ہے۔ اس لئے ہر قوم کو اپنی کلچر کے مطابق زندہ رہنے اور ترقی و خوش حالی حاصل کرنے کا حق ہونا چاہیے، لیکن انقطاع اور علیحدگی امن کے ساتھ بھی ہو سکتی تھی۔ درندوں کی طرح ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کے لئے لیکن ہرگز انسانیت کا تقاضا نہیں تھا۔ انگریزوں، رجواڑوں، نوابزادوں ․․․․ غرض تمام رجعت پسند جماعتوں نے جمہوریت کے خلاف زبردست محاذ قائم کیا۔ یہ تمام اسی ناپاک اتحاد کے کرشمے ہیں۔ لاکھوں بے گناہوں کا خون، سرمایہ داری اور فاشزم کے انھی شیاطین کے سر پر ہے جنھوں نے بیداری جمہوریں اپنے اقتدار کی موت دیکھ کر ایک آخری جدوجہد کے لئے کمر باندھ رکھی ہے اور ان کے آلۂ کار

اور نمک خوار یعنی بے ایمان وزرا بد دیانت اور رشوت خور عنصر اور اہل کار حق نمک ادا کرنے میں دن رات ایک کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ناجائز رشوت ستانی اور لوٹ مار سے اپنے گھر کو بھر رہے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جس دن ان دیکھی اور بوجھی طاقت نے مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب میں دولت مند مسلمان اور غیر مسلموں کو پل بھر میں مال داروں سے نادار بنا دیا تو ان لٹیرے سرمایہ داروں کو بھی اسی طرح نادار بنا سکتی ہے اور بنا کر رہے گی، کیونکہ تمام طبقے اپنی کشتی کو اس قدر لبالب بھرتے چلے جا رہے ہیں کہ اب یہ ڈوبے بغیر نہ رہے گی

انگریزوں، راجوں، رئیس زادوں، فرقہ پرستوں اور رجعت پسند طاقتوں ...... کے اندیشے بالکل صحیح ہیں۔

تقسیم ہند اور حکومت خود اختیاری کے قیام کے بعد سوراج اور پاکستان کی تحریکیں ختم ہو چکی ہیں، نہ کانگریس باقی رہی نہ مسلم لیگ کے لئے کوئی بڑا کام باقی رہ گیا۔ ہندوستان میں مسلمان* اور پاکستان میں ہندو اور سکھ بہت قلیل رہ گئے ہیں۔ اب نہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑایا جا سکتا ہے نہ نیشلسٹ اور یونینسٹ محاذ قائم کئے جا سکتے ہیں۔ اب تو ہندوستان اور پاکستان دونوں کے اندر کوئی کشمکش ہوگی تو نہ وہ سیاسی

---

* قلیل تعداد میں نہیں بلکہ اب بھی چار ساڑھے چار کروڑ کی تعداد میں رہتے ہیں

ہوگی نہ فرقہ وارانہ ہوگی بلکہ خاص طبقاتی آویزش ہوگی جس میں سرمایہ دار اور نادار ٹکرائیں گے اور اس آویزش کا فیصلہ ہماری قسمت کا آخری فیصلہ ہوگا

رفیقو! پنجاب میں تباہی و تخریب اور انہدام کا جو ہنگامہ ہوا بعض لوگ اسے انقلاب کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ انقلاب نہیں ہے۔ البتہ انقلاب کا پیش خیمہ ضرور ہے۔ خیالات اور عقائد میں انقلاب آچکا ہے۔ وہ عصبی ہیجان اور اینٹھن جو سماجی نظام میں انقلاب کی پیش رو ہوتی ہے صاف صاف رونما ہو چکی ہے۔ پنجاب کے بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں کی تباہی کے بعد سرمایہ اور دولت کی ناکارگی اور محنت مزدوری کی صلاحیت ہر شخص پر واضح ہو چکی ہے۔ ہر شخص محسوس کر چکا ہے کہ انفرادی دولت ایک لمحے میں نابود ہو سکتی ہے لیکن مزدور کے بازو کی قیمت کاریگر کی کاریگری ذی علم انسان کا علم کوئی چھین نہیں سکتا اور آخر وہی معاش کا ضامن اور کفیل ہو سکتا ہے۔ انقلاب اس حالت کو کہتے ہیں جب انسانی معاشرت کی پرانی مجلسی اور اقتصادی بنیادیں فرسودہ ہو کر گر جائیں اور ان کی جگہ ایک صالح نظام کی اساس استوار ہونے کی گنجائش پیدا ہو جائے جس میں کسی شخص کو کسی کے حق سے نہ کم ملے نہ زیادہ بلکہ پورا حق حاصل

ہو جائے۔ اور یاد رکھیئے کہ وہ مبارک وقت قریب آگیا۔ یہ آفتاب تازہ ابھی بطن گیتی سے پیدا تو نہیں ہوا۔ لیکن ستاروں کی تنک تابی اس کے طلوع کا پتہ ضرور دے رہی ہے، لیکن رفیقان علم! اس بات کو کبھی فراموش نہ کیجئے کہ فاشی سرمایہ دار اور غرض پرست طبقات آسانی سے میدان چھوڑ جائیں گے۔ .... عوام کے انقلاب کو جنگ میں ایک دفعہ اور ابتلا و آزمائش کی بھٹی میں سے گذرنا پڑے گا۔ آپ حضرات پر بہت بڑا فرض عائد ہوتا ہے کہ عوام کو طلوع ہونے والے آفتاب کے استقبال کے لئے تیار کریں۔ قحط بنگال اور ہنگامہ پنجاب زندگی اور اس کے مختلف پہلو بے کراں کے مواج سمندر میں ہیں جن میں ہمارے ادیبوں، انشار پردازوں اور شاعروں کے لئے فکر و خیال کے کبھی ختم نہ ہونے والے ذخیرے پوشیدہ ہیں۔ سیاسی کش مکش کا خاتمہ ہو گیا۔ فرقہ پرستی کا دور ختم ہو چکا کستان قائم ہے اور اس میں خوش قسمتی ہے وہ ملت آباد ہے جو اپنے مذہب اور کلچر کے اعتبار سے غیر سرمایہ پرست اور جمہوریت پسند واقع ہوئی ہے۔ اگرچہ یہاں بھی فاشیت اور سرمایہ داری ایک مرتبہ مذہب کے نام کو استعمال کریں گی۔ لیکن ملت اب بیدار ہو چکی ہے وہ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور حضرت ابوبکر

وحضرت عمر کی تعلیم سے واقف ہے۔ اب اس ملت میں سلاطین
وامراء اور سرمایہ داروں کی دال نہیں گل سکتی۔ یہ ملت نہ صرف
آپ کے نتائج افکار کی قدر کرے گی بلکہ آپ کو نئے نئے موضوعات
مہیا کرے گی

رفیقو! میں مسلمان ہوں اور میرا ایمان ہے کہ اقتصادی
ومعاشرتی مساوات کے لئے زندقہ والحاد ضروری نہیں
بلکہ اس مقصد کے لئے خدا پرستی اور بلند ترین اخلاقی اقدار
کی ضرورت ہے۔ اسلام ایک صحت مند سماج قائم کرنے میں
دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے مصیبت
صرف یہ ہوئی کہ پہلے چند ہی سال گذر جانے کے بعد یہ دین سلاطین
وامراء کے چنگل میں ایسا گرفتار ہوا کہ اس کی وہ خوبیاں جو اس
کے مقدس بانی کے پیش نظر تھیں اب تک عملی دائرے میں
پوری طرح اُجاگر نہ ہو سکیں۔ حالانکہ مساوات جمہور اور کفالت
جمہور اسلام کی معاشرت اور اقتصاد کے بنیادی پتھر تھے
تاہم اس ملت کی ترکیب میں ایسی اہلیت بدرجہ اتم موجود ہے
کہ وہ سیاسی معاشرتی اور اقتصادی جمہوریت ومساوات
کے بلند ترین تصورات کو بآسانی اختیار کر سکتی ہے۔
عزیزو! فضا تیار ہو چکی ہے۔ ملت صالح ہے۔ اسباب

مہیا ہیں۔ آپ حضرت قلم کے دھنی ہیں، اپنے موجودہ سکون جمود کو ترک کیجئے اور معاشرت کو آئندہ انقلاب کی تیاری میں وہ امداد دیجئے جو ایک آزاد خود مختار قوم کے ادیبوں اور شاعروں کے شایانِ شان ہو۔ اگر آپ کمر ہمت باندھ لیں تو اس برّاعظم میں از سر نو ایسے حالات پیدا کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ حفیظ جالندھری کی گلیوں اور ساحر لدھیانوی کے بازاروں میں آزادانہ گھوم سکیں۔ اسی طرح کرشن چندر اور راجندر بیدی دوبارہ لاہور کے ادبی حلقوں کو آباد کر سکیں، اور ہندوستان اور پاکستان کے عوام کو اتنی طاقت و توفیق ہو جائے کہ وہ اپنے فاشی دشمنوں کی مہلک سازشوں کو ناکام بنا کر زندگی کو حقیقی ترقی و خوش حالی کا گہوارہ بنا دیں۔ اب میں آپ کو فاضل مقالہ نگاروں کے خیالات سے استفادہ کرنے کے لئے مزید انتظار کی زحمت نہیں دینا چاہتا اور اس سمع خراشی کے لئے معافی کا خواستگار رہوں

(پیام حیدرآباد دکن ۱۵ دسمبر ۱۹۴۸ء)

پاکستان کی برائی کے چرچے ہندوستان میں اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ دراصل بدی کا چرچا نیکی کے مقابلے میں بہت جلد عام ہو جاتا ہے۔ غلطی کرنے والے چند لوگ ہوتے ہیں۔ مگر وہ غلطی بہت سوں کے حصے میں آجاتی ہے۔ یعنی اس کی نسبت زیادہ دکھائی دینے

لگتی ہے۔ پنڈت سندر لال نے واقعات اور حقائق کی اچھی طرح پڑتال کرنے کے بعد غلطی کرنے والوں کی جو نسبت بتلائی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت اس درجہ بدنام نہیں ہے جیسا کہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ پنڈت جی لکھتے ہیں :-

لیکن اس تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے۔ جب ہم لاہور کی گلیوں میں گذر رہے تھے۔ قریب قریب ہر گلی میں بیسوں آدمی ہمارے اردگرد جمع ہو جاتے تھے۔ بظاہر وہ سب مسلمان تھے۔ ان میں مرد عورتیں، بچے، بوڑھے ہر طبقے کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ وہ ہم سے دل کھول کر لاہور میں جو کچھ ہوا اس کے متعلق بات چیت کرتے تھے۔ کچھ دن پہلے ہم سے لاہور یونیورسٹی کے ایک نیک نہاد مسلم پروفیسر نے کہا تھا کہ شہر کے قریب چالیس فی صدی اشخاص واقعات گذشتہ پر متاسف ہیں اور وہ ایک دفعہ پھر اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔ ہم نے جو شہر میں گشت کیا تو ہمیں اندازہ ہوا کہ اس قسم کے خیال کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہی حالت ہم کو مشرقی اور مغربی پنجاب کے دوسرے حصوں میں بھی نظر آئی اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ پاکستان میں مسلمانوں کی کثیر تعداد اور ہندوستان میں ہندوؤں اور سکھوں کی کثیر تعداد اس

فرقہ وارانہ جھگڑے کو پسند نہیں کرتی ہے۔ اور اپنے دوسرے فرقوں کے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ امن کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ مجھ کو اس بات کا یقین ہے کہ جن لوگوں نے قتل و غارت اور آتشزدگی میں حصہ لیا ہے وہ کسی طرح آبادی کے ایک فی صدی سے زیادہ نہ ہوں گے۔ یعنی ایک لاکھ میں ایک ہزار سے زیادہ نہ ہوں گے۔ لیکن یہ تعداد تمام لوگوں کے امن کو ختم کرنے اور پوری آبادی کو لاشوں اور کھنڈروں میں منتقل کرنے کے لئے بالکل کافی ہے یہی حالت مواضعات کی تھی، لاہور میں خنجر زنی کے واقعات کرنے والوں کی تعداد میرے اندازے میں زیادہ سے زیادہ دو سو کے درمیان ہوگی۔ یہی بات امرتسر کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ دس بیس فی صدی آبادی کے وہ لوگ بھی تھے جو دوسرے فرقے کے اپنے افراد پر مظالم کی داستانیں سنتے سنتے اپنے فرقے کے مجرموں سے ہمدردی رکھتے تھے۔ لیکن جیسا کہ ایسے مواقع پر عام طور سے ہوتا ہے زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو نہ منظم تھے اور نہ ان چیزوں میں حصہ لیتے تھے، اور نہ چیخ پکار کرتے تھے

ایک دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب یہ چند ہزار اشخاص

ان مجرمانہ افعال میں مصروف تھے۔ تو اس وقت بھی مشرقی اور مغربی پنجاب میں قریب قریب ہر مقام پر ہزارہا اشخاص ساتھ ہی ساتھ بھلائی اور بہادری کے کاموں میں لگے ہوئے تھے ایسے واقعات کہ مسلمانوں نے ہندو اور سکھ بھائیوں اور بہنوں کی جان، عزت، آبرو کو خود مسلمانوں کی دست برد سے بچایا ہو، سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں شمار کرائے جا سکتے ہیں۔ یہ قصے ہم نے خود ان لوگوں کی زبانی سنے جو اس طرح سے بچے تھے۔ مثلاً چکوال میں بہت سے پناہ گزیں آس پاس کے مواضعات سے ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ انھوں نے اصرار کیا کہ ان مواضعات میں جو کچھ ہوا ہے اس کو ضبط تحریر میں لایا جائے میں نے اس کی تعمیل کی۔ خلاصہ ہر ایک کے بیان کا یہی تھا کہ کچھ آدمی قتل کئے گئے، کچھ مکانات جلائے گئے۔ سامان لوٹا گیا۔ کچھ عورتیں بھگائی گئیں۔ اور باقی ماندہ اقلیت کے افراد گاؤں سے بھاگ گئے۔ لیکن قریب قریب ہر گاؤں کے لوگوں سے یہ بھی سننے میں آیا کہ وہاں کے کسی نیک دل مسلمان نے اپنے ہندو یا سکھ ہمسائے کی جان و مال عزت اور آبرو خود مسلمان عوام کا مقابلہ کرکے ان کی دست برد سے بچائی یہ قصے ہمارے سوالات یا جرح کا نتیجہ نہ تھے۔ بلکہ لوگوں نے خود بخود بیان

کئے۔ اسی قسم کے نیک کاموں کی داستانیں مسلم پناہ گزینوں نے ہندو اور سکھوں کے بارے میں مشرقی پنجاب میں ہم سے بیان کیں

لاہور میں ہمارا ایک نہایت شریف دل دوست ڈاکٹر گوربخش رائے ہندو بھگائی ہوئی عورتوں کو شہر اور مضافات میں مسلمانوں کے گھروں سے نکالنے کا کام کر رہا تھا۔ انھوں نے ہمیں بتایا اور ہم نے خود بھی دیکھا کہ بھگائی ہوئی عورتوں کا پتہ زیادہ تر مسلمان مرد اور عورتوں ہی سے چلتا تھا جو بتلاتے تھے کہ ایک بدنصیب عورت فلاں میاں کے گھر میں مقید ہے یہ اطلاع محض انسانی ہمدردی کی بنا پر لوگ ان کو دیتے تھے بعض دفعہ تو اطلاع دینے والے کثیر مسافت طے کر کے اطلاع دینے آتے تھے اور وجہ یہ تھی کہ وہ بدنصیب عورتوں کے مصائب کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس سے متاثر ہوتے تھے۔ اور ان کا پیچھا چھڑانے کا انُ کو فکر ہوتا تھا۔ یہی نہیں ہوا بلکہ عورتیں ایسے مقامات سے زیادہ تر کسی مرد یا مسلم عورت ہی کی امداد سے نکالی جاتی تھیں۔ بھگائی ہوئی عورتوں کو نکالنے میں ہم کو ایسی عورتیں بھی ملیں جو اس لئے مسلم گھرانے کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

تھیں کہ وہ اس قسم کی دو عورتیں لاہور پناہ گزیں کیمپ لائی گئیں لیکن انھوں نے واپس جانے پر اصرار کیا۔ جب اُن سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے بتلایا کہ اُن کو اندیشہ ہے کہ ان کے سابق ہندو عزیز ..... اُن کو واپس نہ لیں گے۔ اگر وہ واپس لینے پر رضامند بھی ہو گئے تو بعد میں ان کو قتل کر دیں گے۔ عورتوں کے اس بیان نے ہمارے بہت سے ہندو دوستوں کی آنکھیں کھول دیں

ڈاکٹر گوربخش سنگھ اپنی ذات سے فرقہ وارانہ جذبات سے بالاتر ہیں۔ جب ان کو ایک افسر نے ایک بڑی فہرست اغوا کردہ مسلم عورتوں کی دی جن کو ہندو اور سکھ امرتسر اور مضافات میں بھگا لے گئے تھے تو وہ فوراً وہاں جانے پر اور عورتوں کو نکالنے اور ان کو اُن کے عزیزوں کو واپس کرنے پر تیار ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کو اس کام کا بہت فکر تھا۔ مجھے وہ بلند پایہ الفاظ جو اس وقت ان کی زبان سے نکلے یاد ہیں۔ وہ کہنے لگے "ہندو عورتوں کے مسلمانوں کے ہاتھوں بھگانے کے واقعات سن کر مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے لیکن مسلم عورتوں کے ہندوؤں سکھوں کے ہاتھوں بھگائے جانے کے واقعات سن کر مجھے سخت تکلیف کے علاوہ حد درجے

کی شرم بھی دامن گیر ہوتی ہے۔ مجھے ایسے بہت سے بے نفس اور بہادر مردوں اور بعض عورتوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو پنجاب میں نہایت عمدہ کام کر رہے ہیں

خوش قسمتی سے پاکستان گورنمنٹ اور ہندوستان گورنمنٹ دونوں اس امر کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں وزیرِ اعظم پاکستان اور راجہ غضنفر علی خاں وزیرِ پناہ گزیں، دونوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ ان کی گورنمنٹ کی اب طے شدہ پالیسی ہے کہ وہ ان تمام ہندوؤں کو جو پاکستان میں اپنے گھروں میں رہنے پر رضامند ہوں گے ان کو اُن کے گھروں میں رکھیں گے اور اس بات کی ضمانت دیں گے کہ ان کی پوری حفاظت کی جائے گی اور اُن کے ساتھ برابر کا برتاؤ کیا جائے گا۔ اسی طرح پر وہ ہندوؤں کی حفاظت اور امداد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس معاملے میں ان کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ تجربے سے اور . . . . . .

خود اپنے مفاد کے خیال سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ اس بارے میں راجہ غضنفر علی خاں کی کوششیں قابلِ تعریف ہیں۔ حال ہی میں انھوں نے اپنے ہندو دوست اور شریک . . لالہ اوتار نرائن کی امداد سے (جو جہلم میں مشرقی پنجاب کی حکومت

کی طرف سے پناہ گزینوں کی امداد کے لئے تعینات ہیں، نو ہزار ہندوؤں کو جنہوں نے جہلم چھوڑنے کا تصفیہ کرلیا تھا اس امر پر آمادہ کرلیا ہے کہ وہ اپنے جدی مکانوں میں ہی رہیں گے تین اسپیشل ٹرینیں جو ہندوستان جانے والی تھیں اُن کی رضامندی سے منسوخ کردی گئیں۔ مسٹر قربان علی انسپکٹر جنرل پولیس مغربی پنجاب امن وامان قائم کرنے کے لئے ہر امکانی کوششیں کررہے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

. . . .

. . . .

. . . . ۔ اس بقرعید سے کچھ دن پہلے میں نے انسپکٹر جنرل پولیس سے شکایت کی کہ ہزارہا ہندوؤں کو جبراً مسلمان کرلیا گیا ہے۔ ان سب کو اندیشہ ہے کہ بقرعید کے دن اُن کے مسلم ہمسایہ ان کو گائے کی قربانی کے لئے مجبور کریں گے۔ انسپکٹر جنرل پولیس موصوف نے مجھے یقین دلایا کہ پاکستان گورنمنٹ کی یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ وہ جبریہ تبدیل ومذہب کو تسلیم نہیں کرسکتی۔ اسی وقت صاحب موصوف نے اپنے اسسٹنٹ کو حکم لکھوادیا جو صوبے کے تمام سپرنٹنڈنٹ ہائے پولیس کے نام تھا۔ اور جس کا مفہوم یہ تھا کہ تمام ہندوؤں اور ان تمام نام نہاد مسلمانوں کی جو دراصل ہندو ہیں۔ اس معاملے

میں پوری امکانی حفاظت کی جائے۔ حکم پورے طور پر میری منشا کے مطابق تھا اور بذریعہ وائرلیس تمام افسران کے پاس بھیج دیا گیا۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس حکم کی پورے طور پر تعمیل ہوئی اور بقرعید تمام صوبے میں خیریت سے گذر گئی۔ لیکن ابھی تک گورنمنٹ کو مغربی پنجاب میں پورا اقتدار حاصل نہیں ہے اور معاملات پورے طور پر ان کے قابو میں نہیں ہیں ان کو ان طاقتوں کا مقابلہ کرنے میں بڑی مشکلوں کا سامنا تھا۔ جو غالباً ابتدا میں خود انھیں کی پیدا کردہ تھیں۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے مجھے بتایا کہ چند ہفتے قبل جب انھوں نے اس عہدہ کا چارج لیا تھا تو بمشکل . . . . لوگ ان کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ لیکن اب قریب . . . . ان کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ تعمیل کرنے والوں کی نسبت بڑھتی جا رہی ہے۔ مغربی پنجاب کی گورنمنٹ نہ تو پورے طور پر مضبوط ہے اور نہ پورے پیمانے کے ہی قابل ہے۔ لیکن بالخصوص امن امان قائم کرنے میں اس کی نیت نیک ہے اور اس کی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہے

(قومی آواز لکھنؤ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۴۷ء)

پنڈت سندرلال نے لاہور میں ایک موقع پر انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:۔

مجھے خوشی ہے کہ مغربی پنجاب کی گورنمنٹ امن وامان قائم کرنے میں پوری کوشش کر رہی ہے اس کی کوششوں سے کئی شہروں میں مثلاً لاہور میں حالت بہتر ہوگئی ہے۔ چکوال میں ہندو اور سکھ باقاعدگی سے کاروبار کر رہے ہیں۔ لاہور میں کئی شریف مسلمانوں نے ہندوؤں کو پناہ دی، ایک مسلمان نے تو گرنتھو صاحب کو تقدیس سے سنبھال کر رکھا اور ایک بوڑھے گرنتھی کو اب تک پناہ دے رہا ہے۔ کئی مسلمان فساد کے آغاز سے اب تک بعض ہندوؤں کو پناہ دے رہے ہیں (تیج دہلی ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء)

پنجاب کے واقعات سے اگر یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیاسی اختلافات ہمسایوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیتے ہیں تو دوسری طرف بے شمار ثبوت اس بات کے ملتے ہیں کہ اس خونی فضاء میں اچھے دلوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، شیخ عبدالمجید سندھی اخبار نویسوں کو فضا بہتر بنانے کا مشورہ دیتے ہوئے دو واقعے نقل کرتے ہیں:-

"ایک دوست نے ایک قصہ سنایا۔ اُس نے یہ واقعہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کراچی کی ایک سڑک پر ایک پنجابی مسلمان اور ایک سکھ ملے تو وہ بغل گیر ہوئے۔ زار و قطار روتے تھے۔ دوسرا واقعہ سنایا کہ لاہور کے روزانہ "انقلاب" میں

درج ہے: انقلاب لکھتا ہے کہ تقسیم پنجاب سے پیشتر ہندو اور مسلم اخبارات کے اڈیٹر فرقہ وارانہ معاملات پر ایک دوسرے کے خلاف نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے آپس کے تعلقات بہت دوستانہ تھے۔ وہ آپس میں ملتے تھے تو حقیقی بھائیوں اور دوستوں کی طرح پارٹیوں میں اکھٹے ہوتے تو ایک دوسرے کے ساتھ دلچسپ مذاق کئے جاتے اور ایک دوسرے کے مذاق پر کوئی برا نہ مانتا بلکہ سب خوش ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی پنجاب کے مسلم ایڈیٹر اور پوربی پنجاب کے ہندو اخبار نویس یہ چاہتے ہیں کہ اگر زیادہ نہیں تو مہینہ میں کم از کم ایک بار انھیں آپس میں ملنے کا موقع مل جائے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق کر سکیں۔

اس کے بعد انقلاب ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر کرتا ہے۔ پروانشل مسلم لیگ کے لئے صدر نے ۲۷ر نومبر کو ایک پریس کانفرنس منعقد کی اس میں ٹریبون کے مسٹر بالی اور ریجے ہند کے مسٹر دیریندر اچانک چلے آئے۔ ہر ایک ان سے بغلگیر ہونے اور ان کی اور دوسرے دوستوں کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے لئے بیتاب تھا۔ کانفرنس میں ایک نئی زندگی سی آگئی۔ اس وقت محسوس کیا گیا کہ ظالم سیاست نے دوستوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے لیکن اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مشرقی اور مغربی پنجاب آپس میں مل گئے ہیں۔ مسٹر بالی نے کہا کہ

میں نے سالک اور شیفیع کو چٹھیاں لکھی تھیں۔ ان میں تجویز پیش کی تھی کہ اخبار نویس لاہور دہلی شملہ یا جالندھر میں کم از کم ایک مہینہ میں ایک بار مل لیا کریں اگر یہ نہ ہو تو واہگہ کی نہر کے آر پار ہی بیٹھ لیا کریں۔"

انقلاب نے اس پر لکھا ہے کہ خدا کرے ہندوستان اور پاکستان آپس میں مل جائیں اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ آزادانہ طور پر مل سکیں ہم لڑنا اور لڑانا بھی جانتے ہیں اور ملنا ملانا بھی۔

شیخ عبدالمجید لکھتے ہیں کہ اس سے مجھے ایک اور قصہ یاد آگیا۔ ڈیلی گزٹ اور ڈان کے ایڈیٹروں کی ایک دعوت پر پاکستان کے اخبار نویسوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں معلوم ہوا کہ اگرچہ اخبار نویس آپس میں نوک جھونک جاری رکھتے ہیں۔ لیکن جہاں تک پیشہ کا تعلق ہے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو سب کے لئے مشترکہ ہیں ایڈیٹر کے قلم میں طاقت ہے۔ خدا کرے وہ پوربی اور پچھمی پنجاب ہندوستان اور پاکستان کو اگر ایک کرنے میں کامیاب نہ ہوں تو متحد کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں۔

(تیج دہلی - ۲۲ دسمبر ۱۹۴۸ء)

ایک اور واقعہ سنئیے :-

تلوک چند محروم صاحب نے اخبارات کو جو اطلاع دی ہے اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ ضلع میانوالی کی تحصیل عیسیٰ خیل میں جب فسادات شروع ہوئے تو وہاں کے ہندوؤں نے صوفی اللہ داد خاں سے امداد چاہی۔ موصوف نے نہایت فراخدلی سے تقریباً ایک سو مرد عورتوں اور بچوں کو اپنے یہاں پناہ دی اور ان کے کھانے پینے کا سامان مہیا کیا جب تک ہند سرکار کی طرف سے عیسیٰ خیل کے ہندوؤں کو نکالنے کا بندوبست نہ ہوا، صوفی صاحب ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے، چند اور فراخ دل روشن خیال مسلمان بھی اس کار خیر میں ان کے مددگار رہے جن میں مسٹر غلام محمد ہاشمی اور خان خالق داد خاں ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر کے نام قابل ذکر ہیں، عیسیٰ خیل سے جو بھی غیر مسلم دہلی آئے اُن کی زبان پر صوفی اللہ داد کا نام تھا، اِس جذبے سے متاثر ہو کر تلوک چند محروم صاحب نے صوفی صاحب کے بارے میں اظہار شکر کے طور پر ایک نظم اخبارات میں شائع کرائی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :-

گھر رہے حشر تک ترا آباد　　جس میں اُن کو پناہ دی تو نے
جرات بے پناہ سے بخشی　　مرنے والوں کو زندگی تو نے

• ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی عید اور دسہرہ کے مشترکہ جلسے منعقد کیے گئے

۸- مہاتما گاندھی کا برت اور اُن کی شہادت

اس سلسلہ کا اگلا باب "اب کیا ہو؟" مکمل ہو چکا تھا کہ ۱۲ر جنوری ۱۹۴۸ء کی شام کی عبادت میں گاندھی جی نے اچانک اعلان کیا کہ فرقہ پرستی کو دور کرنے کے لئے وہ کل سے غیر معین عرصہ کے لئے برت رکھ رہے ہیں۔ یہ برت اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک ملک میں سچا اتحاد قائم نہیں ہو جاتا یا وہ اپنی جان دیدیں گے۔ جیسا کہ آپ نے پچھلے اوراق میں ملاحظہ فرمایا، ہندوستان اور پاکستان میں امن کے لئے کوششیں تو جاری تھیں لیکن ان کی رفتار سے گاندھی جی مطمئن نہیں تھے وہ لوگوں کے دل ودماغ میں ایک ایسا انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے جس سے اُن کے دل صاف ہو جائیں اور پائدار بنیادوں پر امن قائم ہو۔ آج کی تقریر میں گاندھی جی نے فرمایا:-

میں جون وہ دہلی آئے، یہاں قتل وغارت کا بازار گرم ہو رہا تھا حکومت نے اس کو ختم کرنے کے لئے فوج استعمال کی اور اگرچہ فوج فسادات کو کچلنے میں کامیاب ہو گئی لیکن وہ لوگوں کے دلوں کو نہیں بدل سکی گاندھی جی نے کہا کہ آج ہندوؤں اور سکھوں کے چھرے، بم اور گولی سے کسی مسلمان کی جان محفوظ نہیں ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ اور کوئی سچا دیش بھگت اس صورت حال کو خاموشی کے ساتھ دیکھ کر نظر انداز

نہیں کر سکتا

پاکستان میں غیر مسلموں کی حالت نواب شاہ کراچی اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں اقلیتوں پر حملوں کا ذکر کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا کہ پاکستان اقلیتوں کی حفاظت کے لئے اتنی کوشش نہیں کر رہا جتنی کہ ہند کر رہا ہے۔ اس راستہ پر چل کر پاکستان کی موت لازمی ہے اور اگر ہندوستان نے پاکستان کی پیروی کی تو اس سے زیادہ تباہ کن بات نہیں ہو سکتی۔

گاندھی جی نے کہا کہ اپنی اندرونی آواز کے مطابق انہیں بہت پہلے سے اس برت کا احساس ہو رہا تھا لیکن وہ اس کا مقابلہ کر رہے تھے۔ لیکن پچھلے تین دن کے واقعات نے انہیں فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔

ایک اور چیز نے ان کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا وہ کانگریس مینوں کی وہ اخلاقی پستی ہے جس کا اندھرا کے لیڈر کونڈا دینکٹا پاٹیا نے ذکر کیا ہے کانگریس مینوں کی یہ اخلاقی پستی اسمبلیوں اور کونسلوں کے ممبروں کی رشوت خواری اور کانگریسی حکومتوں کی بدعنوانیوں کا ان کے اس فیصلہ پر گہرا اثر پڑتا ہے۔" (نیا دور دہلی مورخہ ۱۴ر جنوری)

مہاتما گاندھی کے اس اعلان سے تمام ملک میں زبردست ہل چل اور تشویش پیدا ہو گئی۔ برلا ہاؤس میں جہاں گاندھی جی ٹھہرے ہوئے ہیں سکون اور خاموشی چھائی ہوئی ہے "نیا دور" کا نامہ نگار جب رات میں برلا ہاؤس گیا تو اس نے دیکھا کہ بتیاں بجھی ہوئی ہیں، پنڈت جواہر لال پریشانی کے عالم میں ٹہل رہے ہیں۔ اس نامہ نگار نے دوسرے دن

صبح برت شروع ہونے کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح لکھا ہے :-

مہاتما جی کا مرن برت جس کا انھوں نے کل کی پرارتھنا سبھا میں اعلان کیا تھا آج صبح گیارہ بجے برلا ہاؤس میں شروع ہو گیا۔

برت سے پہلے گاندھی جی نے اپنی روزمرہ کی معمولی غذا کھائی جو پاؤ سیر بکری کے دودھ معمولی مقدار میں سیب کے عرق، تھوڑی سی ابلی ہوئی سبزی اور "کھکرہ" ایک ٹکیہ پر مشتمل تھی

گاندھی جی حسب معمول خوش وخرم نظر آتے تھے اور جب وہ اپنے کمرے سے نکل کر دالان میں دھوپ لینے کی جگہ جانے لگے تو انھوں نے مسکراتے ہوئے ان کیمرہ مینوں کو فوٹو دینے سے انکار کر دیا جو درجنوں کی تعداد میں ان کی تصویریں لینے کے لئے وہاں جمع ہو گئے تھے

اس حقیقت کے باوجود کہ گاندھی جی اپنی زندگی کے ایک سب سے اہم فیصلے پر عمل شروع کرنے والے تھے ان کے روز مرہ کے اوقات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ وہ حسب معمول صبح کے تین بجے بیدار ہوئے اور اپنے کمرہ میں پرارتھنا کی جس میں ان کے کیمپ کے لوگ شریک ہوئے۔

پرارتھنا سے پہلے ان کا پسندیدہ گجراتی بھجن گایا گیا جس کی دھن ان کے اپنے دماغ کی اس وقت کی حالت کے مطابق تھی۔ اس گجراتی بھجن کا مفہوم تھا "بھگوان کے راستے پر بہادر چلتے ہیں بزدل

اور کائیں نہیں چلتے"

گاندھی جی نے ملک سے فرقہ وارانہ فسادات کو ختم کرنے کے لئے جو برت رکھا کی ہے اور جس سختی کے ساتھ وہ اس پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ جب ایک مسلمان خاتون نے جس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے گاندھی سے اس "خطرناک ترین فیصلہ پر عمل نہ کرنے کی اور ملک والوں کو اپنے اطوار بدلنے کے لئے کچھ اور وقت دینے کی التجا کی تو گاندھی جی نے کہا "یہ رونے کا وقت نہیں ہے" اگر میں نے واقعی خدائی آواز پر یہ برت رکھنے کا فیصلہ کیا ہے تو تم یقینی طور پر اس کا پھل دیکھو گی"

برت سے پہلے گاندھی جی کا صبح کا کھانا ساڑھے نو بجے سے ... جاری رہا۔ اس دوران میں انھوں نے سردار ولبھ بھائی پٹیل سے بہت اہم بات چیت کی۔

یہ بات چیت ۴۵ منٹ تک جاری رہی۔ اس کے بعد انھوں نے مولانا آزاد اور بعض مقامی مسلمان لیڈروں سے بات چیت کی۔

گیارہ بجے کھانا ختم کرنے کے بعد گاندھی جی نے لان میں اسی جگہ اپنی خاص پرارتھنا کی۔ یہ پرارتھنا جو ان کے برت شروع ہونے کا اظہار کرتی تھی ۱۵ منٹ جاری رہی۔ اس میں لیڈروں، مسلمانوں اور سکھوں کے ایک چھوٹے سے اجتماع نے شرکت کی۔

پرارتھنا بدھ منتر سے شروع ہوئی جس میں کہا گیا ہے کہ میں خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز کے سامنے سر جھکاتا ہوں۔ اس کے بعد قرآن کی تلاوت اور بھگوت گیتا کے اشلوک پڑھے گئے۔ اس کے بعد ۵ منٹ تک مکمل خاموشی رہی۔ خاموشی ختم ہونے کے بعد اپنیشد کی مشہور نظم کے حصے پڑھے گئے اس کے بعد گاندھی جی کا پسندیدہ گجراتی بھجن گایا گیا۔ جو ان کے برت کے موقعوں پر اکثر گایا جا چکا ہے۔ بھجن میں کہا گیا ہے کہ در اصل میں وشنو وادہ ہے جو دوسرے کی مصیبت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ یہ خاص پرارتھنا ایک عیسائی گانے پر ختم ہوئی۔ یہ گانا مسیح کے سولی چڑھنے کے واقعہ سے متعلق ہے پرارتھنا ختم ہونے کا منظر بڑا رقت انگیز تھا۔

صبح سویرے ہی سے برلا ہاؤس میں ہر قسم کے سیاسی اور دوسرے خیالات کے لیڈروں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ ہر شخص مغموم تھا اور سب کے چہروں سے گہری تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔ ان لیڈروں میں مولانا آزاد۔ سردار پٹیل۔ راجکماری امرت کور مسٹر جے رام داس دولت رام۔ ڈاکٹر جیو راج مہتہ اور مسٹر حسن شہید سہروردی شامل تھے۔

ان لیڈروں میں سے ایک نے اس بات پر سخت تشویش ظاہر کی کہ گاندھی جی نے ۷۹ سال کی عمر میں غیر معینہ مدت کے لئے برت رکھنے کا اتنا مصمم ارادہ کر لیا ہے ۔

انھوں نے کہا کہ جب گاندھی جی نے چند ماہ قبل کلکتہ میں برت شروع کیا تھا اُس وقت بعض حالات ایسے تھے جن کو پرامید نظروں سے دیکھا جا سکتا تھا لیکن اس وقت صورت حال بالکل مختلف معلوم ہوتی ہے اب تو صرف ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گاندھی جی اس برت کو کامیاب ہوتا دیکھیں

(نیا دور۔ دہلی ۱۵ ؍جنوری ۴۸ء)

برت رکھنے کے بعد گاندھی جی نے جو پہلی تقریر کی وہ تاریخی اہمیت رکھتی ہے مہاتما جی نے فرمایا:۔

"لوگوں کو اس بات پر تعجب نہ کرنا چاہئے کہ وہ حسب معمول چل کر پرارتھنا سبھا تک پہنچ گئے ہیں۔ برت کے پہلے چوبیس گھنٹوں میں کسی کو کمزوری نہیں ہوتی بلکہ کھانے کے بعد پہلے چوبیس گھنٹے صحت کے لئے مفید ہوتے ہیں اگلا دن ان کے لئے مشکل ہو سکتا ہے اور ان کے لئے چل کر پرارتھنا سبھا تک آنا مشکل ہے۔ لیکن اگر وہ پرارتھنا سبھا آنے کے لئے اصرار کرتے ہیں تو وہ یہاں آ سکتے ہیں اور لڑکیاں ان کی عدم موجودگی کے باوجود حسب معمول پرارتھنا کریں گی

مہاتما گاندھی سے ایک سوال کیا گیا کہ وہ اس برت کے لئے کس کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں

اُنھوں نے کہا کہ وہ کسی بھی شخص یا فرقہ کو ذمہ دار نہیں ٹھیراتے لیکن ان کو یقین ہے کہ اگر ہندو اور سکھ مسلمانوں کو دہلی سے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں تو وہ ہندوستان اور خود اپنے مذہب کے ساتھ غداری کریں گے

بعض لوگوں نے ان پر طنز کیا ہے کہ انھیں صرف مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی ہے اور انھوں نے یہ برت ان کی وجہ سے رکھا ہے ان کا یہ خیال صحیح ہے وہ اپنی تمام زندگی میں اقلیتوں اور ضرورت مندوں کے حامی رہے ہیں جیسا کہ ہر شخص کو رہنا چاہئیے پاکستان کی وجہ سے ہندیونین کے مسلمان اپنے فخر اور خود اعتمادی کے جذبات کھو بیٹھے ہیں انھیں اس حقیقت کے تصور سے تکلیف ہوتی ہے اگر کسی ملک میں عوام کا ایسا طبقہ موجود ہے جو خود اعتمادی زائل کر چکا ہے تو اس سے خود وہ ملک کمزور پڑ جاتا ہے۔ ان کا یہ برت اس اعتبار سے خود مسلمانوں کے بھی خلاف ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں کے ساتھ کھڑے ہو سکیں گے۔ برت کے نتیجہ کے طور پر مسلمان دوستوں کو ہندو اور سکھ دوستوں سے کچھ کم کام کرنا نہیں پڑے گا۔

ان کو پنڈت نہرو اور میری تعریف کرنے اور سردار پٹیل پر الزام لگانے کی عادت ہو گئی ہے۔ بعض سردار پٹیل کے اس جملہ پر طنز کرتے ہیں کہ مسلم لیگی دوست نہیں بن سکتے ہیں، انھیں اس

جملہ کی وجہ سے سردار پٹیل پر کوئی الزام نہیں لگانا چاہئے۔ بہت سے ہندوستان کے اس نظریئے کے حامی ہیں۔ وہ اپنے مسلم لیگی دوستوں سے جو توقع رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ سردار کے اس قول کو غلط ثابت کر دکھائیں بیانات سے نہیں بلکہ اپنے رویہ سے انہیں یہ پائے رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ پنڈت جی سردار پٹیل جیسے طور طریقے نہیں رکھتے لیکن ان کو ایک اچھا ساتھی سمجھتے ہیں اگر سردار مسلمانوں کے دشمن ہوتے تو پنڈت جی انھیں علیحدہ کر دیتے سردار ابھی تک خود ان کے (گاندھی جی) کے دوست ہیں۔ اگرچہ وہ اب ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے وزارت کے بارے میں بھی یہ کہدینا چاہیئے کہ ہر وزیر کے ہر کام کے لئے پوری وزارت ذمہ دار ہے وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے دل پوری طرح صاف ہو جائیں اگر ایسا ہو گیا تو آپس کا اعتماد اور محبت بڑھ جائے گی۔ وہ سب یونین کے ہیں اور یونین پر ان کا حق ہے وہ کسی بات پر فاقہ نہیں توڑ سکتے۔ انہیں اپنے دلوں سے شیطان کو نکال کر خدا کو جگہ دینی ہوگی۔

ہندوؤں اور سکھوں کا کیا فرض ہے انھوں نے ابھی گرودیو کا پسندیدہ بھجن سنا۔ "اگر کوئی تمہاری آواز کا جواب نہیں تو اکیلے چلو" میں اس کو پسند کرتا ہوں اور نواکھالی میں ان کے پیدل سفر میں یہ بھجن روز گایا جاتا تھا۔ وہ اپنے آخری سانس تک یہ دہراتے رہیں گے کہ ہندوؤں اور سکھوں کو اتنا دلیر ہونا چاہیئے کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ پاکستان

میں کچھ ہی کیوں نہ ہوا ہو وہ یونین میں ایک مسلمان کے خلاف بھی انگلی تک نہیں اٹھائیں گے وہ کبھی بزدلی کے کام نہیں کریں گے خواہ انھیں کتنا ہی اشتعال کیوں نہ دلایا جائے

اگر دہلی حقیقی معنوں میں پرامن ہوگیا تو وہ برت توڑ دیں گے۔ دہلی ہندوستان کی راجدھانی ہے۔ دہلی کی تباہی اور خاتمہ کو وہ ہند اور پاکستان کی تباہی تصور کریں گے کہ وہ چاہتے ہیں کہ دہلی میں تمام مسلمان محفوظ ہو جائیں انہیں اس بات کی پروا نہیں کہ حقیقی امن کے قیام میں کتنا عرصہ لگ جائے گا۔ اس میں ایک دن لگے یا ایک مہینہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کسی شخص کو کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے اور نہ کوئی ایسی بات کہنی چاہئے جس کا مقصد برت ختم کردینے کی ترغیب دینا ہو۔ مقصد ان کی زندگی کو بچانا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہندوستان اور اس کی عزت کو بچایا جائے۔ وہ اس وقت خوشی اور فخر محسوس کریں گے جب وہ دیکھیں گے کہ اب ہندوستان کا مرتبہ کم نہیں رہا اور وہ اس طرح ذلیل نہیں رہا جیسا کہ حال کے ان واقعات کی وجہ سے ہوگیا تھا جن کا وہ اعادہ نہیں کرنا چاہتے

(نیا دور۔ دہلی ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ء)

برت کے پانچویں دن دہلی کی جو کیفیت تھی اس کا نقشہ نیا دور کے نامہ نگار نے اس طرح کھینچا ہے:۔

"ہمارا نامہ نگار لکھتا ہے کہ آج دہلی میں جتنے جلوس نکلے جتنے جلسے اور مظاہرے ہوئے شاید دہلی کے تاریخی شہر نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے

گاندھی جی کے برت کے چوتھے دن دہلی نے ان لوگوں کو روشنی کی مشعل دکھائی جو یہ کہہ رہے تھے کہ دہلی میں شرنارتھیوں کے مسئلہ کی وجہ سے کلکتہ کی یاد تازہ نہیں کی جاسکتی

دہلی نے ان تمام مایوس خیال انسانوں کے جذبات اور اندیشوں کو غلط ثابت کر کے ۱۵ اگست کا اتحاد پرور منظر دکھایا۔ دہلی والوں نے آج جس بے پناہ جوش خروش کا مظاہرہ کیا اس کی کسی زندہ قوم ہی سے توقع کی جاسکتی ہے۔ جس طرح گاندھی جی کی حالت لمحہ لمحہ نازک ہوتی جارہی ہے اس سے زیادہ بہتر رفتار کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں گاندھی جی کو بچانے کا جذبہ بڑھتا جارہا ہے

لوگوں کے چہروں پر یقینی طور پر افسردگی تھی اور ہر شخص کے چہرہ سے برت جھلک رہا تھا لیکن اس افسردگی کے ساتھ ساتھ ان کے چہروں سے ایک ایسے عزم کا اظہار ہو رہا تھا کہ وہ دہلی میں امن قائم کر کے امن کے دیوتا کی جان بچا کر ہی رہیں گے

کئی مسلمان جن کی آنکھوں میں آنسو تھے لرزتے ہوئے لہجہ میں گاندھی جی کی صحت کا حال پوچھ رہے تھے

عوام کے اس عزم کو دیکھ کر ہر مایوس دل میں زندگی کی

ایک لہر دوڑنے لگی تھی اور انھیں یقین ہونے لگا تھا کہ اب گاندھی جی کی جان ضرور بچائی جاسکے گی

صبح سویرے ہی سے پربھات پھیریاں جن میں عورتوں نے نمایاں حصہ لیا نکلنی شروع ہوئیں اور انھوں نے شہر کے تمام حصوں کے چکر لگائے۔ شہر کے ہر کونے سے جلوس نکالے گئے اور امن کے جلسے ہوئے۔ ان جلسوں میں مزدور، تاجر، طالب علم، کانگریسی، سوشلسٹ کمیونسٹ، جمعیتہ علمار، احراری، سرحد کے خدائی خدمت گار مردوں اور عورتوں نے یکساں طور پر حصہ لیا اور میں پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر یہی جذبہ اور یہی عزم برقرار رکھا گیا تو امن پسندوں کا فرقہ پرستی اور فساد کے دیوپر غالب آجانا یقینی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ دہلی میں پھر امن بحال نہ ہو جائے

اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ آیا عوام ان سات شرائط کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں جن کو مہاتما جی نے اپنا برت توڑنے کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور ان شرائط کی منظوری ہی پر مہاتما جی کی زندگی کا دار و مدار ہے

لیکن آج کے جوش و خروش اور عوام کے جذبات کو دیکھنے کے بعد یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ عوام ان شرائط پر عمل کریں گے اور گاندھی جی کو اپنا برت توڑنے کا موقع دیں گے

آج کے مظاہروں میں جو چیز خاص طور پر محسوس کی گئی وہ رجعت پسند عناصر کی مکمل خاموشی تھی۔

کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ آج کے بے پناہ عوامی جوش کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ لیکن خیال ہے کہ جس وقت عوام کے موجودہ جوش میں کمی واقع ہوگی وہ اپنی شرمناک اور ذلیل سرگرمیاں پھر شروع کر دیں گے۔

ترقی پسند لوگوں کی یہ عادت ہو چکی ہے کہ اتنے عظیم الشان مظاہروں کے بعد وہ خاموشی اور سکون اختیار کر لیتے ہیں اور اگر اس بار پھر ایسا ہی ہوا تو رجعت پسندوں کی دلی مراد بر آئے گی اور وہ ایک بار پھر ترقی پسندوں پر غالب آنے کی کوشش کریں گے۔ ایسا ہرگز نہ ہونے دیا جائے گا اور عوام پر ایک بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ آپڑا ہے اور اگر کل حالات نے برا رخ اختیار کر لیا تو ان کو ہمیشہ کے لئے مورد الزام قرار دیا جائے گا۔ انہیں امن اور جمہوریت کا سنتری بننا پڑے گا اور انہیں متحد ہو کر ان لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہئے جو امن کے جلسوں میں انتشار پیدا کرانے کی کوشش کریں۔

اس سلسلہ میں مقامی حکومت پر بھی ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ آج جس شخص کی جان خطرہ میں ہے وہ گاندھی ہے۔"

(نیا دور ۱۸ جنوری ۴۸ء)

مولانا ابوالکلام معاملے کے سب پہلوؤں کو خوب سمجھتے ہیں گاندھی جی کے برت سے لوگوں کے دلوں میں تبدیلی تو ہو چکی تھی لیکن گاندھی جی کو اس کا یقین کس طرح دلایا جائے کہ یہ تبدیلی ہو چکی ہے اور آپ برت کھول دیں! چنانچہ یہی بات مولنا نے گاندھی جی کے سامنے رکھی اور ان سے درخواست کی کہ وہ ایسی ٹھوس تجویزیں بتلائیں جن پر عمل کرنے سے گاندھی جی کو دلوں کی تبدیلی کا یقین ہو جائے اور وہ اپنا برت کھول سکیں۔ گاندھی جی نے یہ سات شرائط رکھیں

(۱) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا سالانہ عرس جس کی تاریخیں بہت جلد پڑنے والی ہیں حسب معمول ہو سکے اور مسلمان کسی قسم کے خوف کے بغیر اس میں شریک ہو سکیں۔

(۲) ان تمام مسجدوں کو جن کو حال کے فسادات کے بعد مندروں یا رہائشی مکانات میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ دوبارہ مسجدوں میں بدل دیا جائے اور یہ کام اس علاقہ کے غیر مسلم کریں

(۳) قرول باغ سبزی منڈی اور پہاڑ گنج کے علاقوں میں جہاں کی آبادی کی غالب، اکثریت مسلمانوں کی تھی مسلمان آزادی کے ساتھ اور کسی قسم کے خوف کے بغیر گھوم پھر سکیں

(۴) ہندو ان مسلمانوں کے دہلی واپس آنے پر اعتراض نہ کریں جن کو مجبور ہو کر پاکستان جانا پڑا ہے اور وہ جب چاہیں دہلی واپس آ کر رہ سکیں

(۵) مسلمان کسی قسم کا خطرہ محسوس کئے بغیر ریلوں میں سفر کر سکیں
(۶) مسلمانوں کا کوئی اقتصادی بائیکاٹ نہ کیا جائے
(۷) ان علاقوں میں جن کو "مسلم زون" قرار دیا گیا ہے غیر مسلموں کے لیے جانے کا سوال خود مسلمانوں کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے

مولانا یہ سات شرائط لے کر خوشی خوشی برلا ہاؤس سے نکلے اور آزاد پارک میں ہندو، مسلمان، سکھ سبھی جاتیوں کے ایک عظیم الشان جلسے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

"یہ سات شرائط گاندھی جی نے ان کی درخواست پر دوپہر کے سوا دو بجے ان کے سامنے رکھی ہیں۔ برت رکھنے کے بارے میں مہاتما جی کے فیصلہ سے انھیں بڑا تعجب ہوا۔ انھیں پہلے سے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا اور اس سلسلہ میں گاندھی جی نے اپنے بھروسہ کے دوستوں سے بھی مشورہ نہیں کیا۔ جب میں نے منگل کی صبح کو ان کا برت شروع ہونے سے تھوڑی ہی دیر پہلے ان سے ملاقات کی تو میں جانتا تھا کہ اب گاندھی جی کو اپنا فیصلہ بدلنے پر آمادہ کرنے کی کوششیں لاحاصل ہیں۔ یہ ایک ناممکن کام تھا کیونکہ وہ قطعی فیصلہ کر چکے تھے

مولانا آزاد نے کہا اس کے بعد صرف ایک چیز باقی رہ جاتی تھی اور وہ یہ کہ ان کے مشن کو پورا کیا جائے اور اس طرح ان کے برت کو جلد از جلد ختم کرایا جائے۔ گاندھی جی نے یہ برت

لوگوں کے دلوں کو بدلنے کا کام شروع کیا ہے لیکن یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ دلوں میں یہ تبدیلی کب واقع ہو گی اس لئے اُنھوں نے مہاتما جی سے درخواست کی تھی کہ وہ ان کے سامنے بعض ایسی ٹھوس شرائط پیش کریں جن کو پورا کرنے کے بعد ان کو اپنا برت توڑنے پر رضامند کیا جا سکے۔ اس پر گاندھی جی نے ان کے سامنے یہ شرائط پیش کیں

گاندھی جی نے کہا کہ ان شرائط کے بارے میں جو یقین دلایا جائے وہ ایسے ذمہ دار لوگوں کی جانب سے ہونا چاہئے جو ان سات شرائط پر عمل کرائے جانے کی ضمانت دے سکیں۔ ان سے جھوٹے وعدے ہرگز نہ کئے جائیں

سچائی کے اس دیوتا کے سامنے ہمیں سچے وعدے ہی کرنے چاہئیں۔ ہم ان کی جان بچانے کے لئے بھی جھوٹی باتیں گھڑ نہیں سکتے۔"

(نیا دور دہلی ۱۷ جنوری ۱۹۴۸ء)

جلسہ ختم ہونے کے بعد مولانا اور بابو راجندر پرشاد نے تمام فرقوں کے ذمے دار لوگوں کو جمع کیا ان سات شرائط پر بات چیت کی بالآخر یہ طے پایا کہ ایک عہد نامہ لے کر دوسرے دن صبح گاندھی جی کی خدمت میں چلیں اور اُن سے درخواست کریں کہ ہم عہد نامے پر دستخط کرنے والے اُن شرائط کو پورا کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ ۱۸ جنوری ۱۹۴۸ء کو یہ لوگ

گاندھی جی کی خدمت میں پہنچے اور انھیں اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ اپنا برت کھولدیں۔ ذیل میں ان لوگوں کا عہدنامہ اس کے بعد "الجمعیۃ" کے نامہ نگار کا آنکھوں دیکھا حال درج ہے

"ہم یہ اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہندو مسلمان اور سکھ اور دوسرے فرقوں کے لوگ پھر ایک بار دہلی میں بھائیوں کی طرح کامل آشتی سے رہیں اور ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی جان و مال اور ایمان کی حفاظت کریں گے اور جو واقعات دہلی میں ہو چکے ہیں ان کو پھر نہ ہونے دیں گے

ہم گاندھی جی کو یقین دلاتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار مبارک پر گزشتہ سالوں کی طرح اس سال لانہ عرس ہوگا

مسلمان سبزی منڈی، قرولباغ، پہاڑ گنج اور دوسرے علاقوں میں پہلے کی طرح چل پھر سکیں گے

مسلمانوں کی متروکہ مساجد جو اب ہندوؤں اور سکھوں کے قبضہ میں ہیں واگذار کردی جائیں گی۔ وہ علاقے جو مسلمانوں کے لئے مخصوص کئے جا چکے ہیں ان پر بھی زبردستی قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی

دہلی کے مسلمان جو یہاں سے ہجرت کر گئے ہیں اگر آنا چاہیں تو ہم معترض نہ ہوں گے مسلمان پہلے کی طرح اپنا کاروبار جاری رکھ

سکیں گے

ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہم یہ سب کام اپنی ذاتی کوششوں سے
کریں گے نہ کہ پولیس اور فوج کی مدد سے

ہم مہاتما جی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہم پر بھروسہ کریں
اور برت توڑ دیں اور پہلے کی طرح ہماری قیادت کریں۔

دستخط کنندگان

ڈاکٹر راجندر پرشاد۔ مسٹر جیرام داس دولت رام۔ مسٹر شنکر
راؤ دیو۔ مسٹر جوئیتھرام گڈوانی۔ مسٹر مہر چند کھنہ۔ مسٹر خورشید احمد خاں
چیف کمشنر دہلی۔ مسٹر ایم۔ ایس رندھاوا ڈپٹی کمشنر۔ لالہ دیش بندھو
گپتا۔ مسٹر گردھاری لال پوری۔ ڈپٹی اسپیکر سرحدی اسمبلی مسٹر شنکر لال
گوسوائی گنیش دت۔ چودھری کرشن گوپال دت۔ دیوان چمن لال
سردار ہرنام سنگھ۔ گیانی گرمکھ سنگھ مسافر۔ مولانا حبیب الرحمٰن مسٹر
رگھونندن سرن۔ سردار سنت سنگھ ددیارتھی۔ لالہ ہری چند۔
دیوان بھنجورام گاندھی۔ ڈاکٹر لہنہ سنگھ۔ ڈاکٹر ایل۔ سی جین۔ مسٹر
آر۔ کے کہلی۔ مسٹر رادھارمن۔ ڈاکٹر یدویر سنگھ۔ مسٹر برہم پرکاش
لالہ اونکار ناتھ۔ مسٹر گردھاری لال سلواں۔ سردار ترلوچن سنگھ مسٹر
یگ پرادیش۔ مسٹر ایشر داس خیرا۔ مسٹر گنگا سرن۔ مسٹر مہتہ پورن چند
سردار بلونت سنگھ۔ ڈاکٹر کشوری لال۔ سی۔ ایم شرما۔ ڈاکٹر موہن
سنگھ۔ مسٹر کنہیا سنگھ۔ ایل جگن ناتھ۔ مسٹر پھول چند جین۔ مسٹر رام لال انا

مسٹر رام چرن اگروال۔ مسٹر مکند لال جوہری۔ مسٹر نانک چند ملک۔ مسٹر رام
پیارے لال۔ مسٹر کندن لال شرما۔ مسٹر طوطا سنگھ۔ پنڈت سندر لال۔
سردار جواہر سنگھ۔ مسٹر روی راج کوہلی۔ حکیم منسا رام۔ مولانا حفظ الرحمن
مسٹر محمد ظفر۔ مسٹر بلال احمد زبیری۔ مسٹر سلطان یار خاں۔ سید عزیز حسن
بقائی۔ میر مشتاق احمد۔ حکیم خلیل الرحمن۔ ایس۔ ایم عبداللہ۔ حافظ محمد ابراہیم
بادا ہرنام سنگھ۔ ایم حنیف

جس وقت گاندھی جی نے اپنا برت توڑا برلا ہاؤس جہل پہل اور
بے مثال سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا اس چھوٹے سے کمرے میں جس
میں گاندھی جی مقیم ہیں کابینہ کے وزرا اور ہر فرقے کے لیڈر موجود
تھے۔ ان کے علاوہ پریس کے نمائندے اور فوٹوگرافر بھی موجود تھے
گاندھی جی ایک تکیہ سے ٹیکے ہوئے بیٹھے تھے۔ مولانا ابوالکلام
آزاد نے سنترے کے رس کا ایک گلاس گاندھی جی کو پیش کیا جس
کو گلوکوز سے میٹھا کیا گیا تھا۔ جس وقت گاندھی جی نے رس پی کر برت
توڑا تو حاضرین نے زور سے گاندھی جی کی جے کا نعرہ لگایا اور
پنڈت جواہر لال نہرو کے ہونٹوں پر مسرت کھیل گئی۔ آپ اس تمام
دوران میں حد درجہ متفکر نظر آتے تھے اور دیکھنے والا بخوبی اندازہ
کر سکتا تھا کہ آپ کے چہرہ سے مایوسی ٹپکتی تھی۔ گاندھی جی کے برت
توڑتے ہی وہ مایوسی اور پنڈت جی کے چہرے کی اداسی مسرت اور
شادمانی سے بدل گئی اور آپ بے اختیار مسکرا اُٹھے

گاندھی جی کے پاس ڈاکٹر راجندر پرشاد بیٹھے ہوئے تھے، آپ کی انتھک کوششوں سے ہی مختلف فرقوں کے باہمی ربط اور میل جول کا یقین دلانے والوں نے اپنے آپ کو امن وشانتی پیدا کرنے اور فرقہ وارانہ امن قائم رکھنے کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ ان لیڈروں نے گاندھی جی کو یہ یقین دلادیا ہے کہ دہلی کے حالات کے وہ ذمہ دار ہیں

ان لیڈروں نے یہ بھی کہا کہ وہ حالات پر ہر وقت نظر رکھیں گے اور اب گاندھی جی آزاد ہیں کہ وہ اس یقین کے ساتھ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں . . . . . .

ہمیں جہاں تک معلوم ہوا گاندھی جی نے کہا کہ لیڈر صرف دہلی کے امن کے ذمہ دار ہی نہیں ہیں بلکہ گاندھی جی کا یہ کہنا تھا کہ سارے ہندوستان کے امن کی ذمہ داری ان لیڈروں پر عائد ہوتی ہے اور انھیں یہ یقین دلانا چاہئے کہ وہ تمام ملک میں فرقہ وارانہ امن و اتحاد قائم کریں گے

مثال کے طور پر حال ہی میں الہ آباد میں جو فرقہ وارانہ فساد ہوا ہے اور جس میں اقلیت کے فرقہ کا نقصان ہوا ہے اس کی ذمہ داری بھی حکومت ہند اور ان لیڈروں پر عائد ہوتی ہے

گاندھی جی نے فرمایا کہ عہدنامہ پر راشٹریہ سیوک سنگھ اور ہندو مہاسبھا کے نمائندوں نے بھی دستخط کئے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا

کہ دہلی کے علاوہ دوسرے حصوں کے امن سے ہم غیر متعلق ہو جائیں آپ نے اس امر کو نہایت وضاحت سے پیش کیا کہ اگر ملک کے دوسرے حصوں میں فرقہ وارانہ فساد ہو اور اقلیت کا فرقہ اپنے آپ کو محفوظ خیال نہ کر سکے تو ہم ان حالات اور واقعات سے غیر جانب دار نہیں رہ سکتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام واقعات کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ گاندھی جی نے فرمایا کہ دہلی ہندوستان کا قلب ہے اور دہلی کے واقعات کا اثر تمام ہندوستان پر پڑتا ہے۔ اگر ہم تمام ملک کے ہندو مسلمان اور سکھوں کو اس امر کا یقین نہیں دلاتے کہ وہ بھائی بھائی ہیں اور انھیں آپس میں میل جول اور اتحاد سے رہنا چاہیئے تو ہماری تمام کوششیں بیکار رہیں اور ہندوستان کی تباہی یقینی ہے۔ اتنا کہنے کے بعد گاندھی جی خاموش ہو گئے گاندھی جی نے جو کچھ فرمایا تھا اس کو بہ آواز بلند دہرایا گیا

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد گاندھی جی نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے پھر فرمایا کہ آپ کو اپنے دلوں کا پورا جائزہ لینا چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ کوئی غلط قدم تو آپ نہیں اٹھا رہے تاکہ بعد کو آپ کو پچھتانا نہ پڑے۔ گاندھی جی نے فرمایا کہ اس وقت اس امر کی ضرورت ہے کہ نہایت جرات اور دلیری سے کام لے کر اپنے صحیح خیالات کا اظہار کر دیا جائے اور دوسری زبان پر اسے

دلوں میں ہے آپ کو اپنے عہدنامہ کی پیچیدگیوں کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ دہلی میں جو کچھ کیا گیا ہے یہی بقیہ ہندوستان میں ہونے کی ضرورت ہے یعنی جس طرح امن وامان کا دہلی میں یقین دلایا گیا ہے اسی طرح تمام ہندوستان میں امن کا قائم ہونا ضروری ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ اس مقصد کو ایک دن میں حاصل کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ابھی تک وہ شیطان کے ساتھی بنے ہوئے تھے اب انھوں نے خداشناسی کا عہد کیا ہے جس کو انھیں پورا کرنا ہے گاندھی جی نے فرمایا:-

جو کچھ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اگر آپ اس کو دل سے قبول نہیں کرتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کا انجام دینا آپ کی طاقت سے باہر ہوگا تو آپ کو اس کا صاف صاف اعلان کردینا چاہئے

گاندھی جی نے اس امر پر نہایت زور دیا کہ اس سے زیادہ غلط بات اور نہیں ہوسکتی کہ ہندوستان صرف ہندو اور سکھوں کا ہے اور پاکستان صرف مسلمانوں کا ہے۔ میں تمام شرنارتھیوں کو اچھی طرح بتادینا چاہتا ہوں کہ دہلی میں، حالات درست ہونے کے معنی یہ ہوں گے کہ پاکستان میں حالات درست ہوجائیں اگر ہم نے یہ محسوس کیا کہ مجھے دھوکا دیا گیا ہے یا میں نے برت

توڑنے میں دھوکا کھایا تو مجھے دوسرا برت رکھنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے ان مسلمانوں کو بلایا جو اکثر آپ سے ملتے تھے اور ان سے دریافت کیا کہ کیا وہ مطمئن ہیں اور کیا برت توڑ سکتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے کہا کہ یہ شک کرنا کہ مسلمان ہندوستان کو اپنا وطن خیال نہیں کرتے سب سے بڑی غلطی ہے۔ مسلمان ہندوستان کو اپنا وطن تصور کرتے ہیں اور ان کو یہیں رہنا ہے۔ گاندھی جی نے ایک کتاب کا حوالہ دیا جو آپ کو پٹنہ میں پیش کی گئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ مسلمان کو قرآن یہ تعلیم دیتا ہے کہ کافر یعنی ہندو بہت خطرناک ہیں اور ان کو مٹا دینا نہایت ضروری ہے۔ آپ نے کہا کہ بعض لوگ ہندوؤں کو بتوں کا پوجنے والا خیال کرتے ہیں حالانکہ ہندو پتھروں کو نہیں پوجتے بلکہ اس خدا کو پوجتے ہیں جو دلوں کے اندر رہے اور جس کے ساتھ مادہ کا ایک ذرہ بھی شامل نہیں ہے

اس کے بعد گاندھی جی نے حاضرین سے استصواب کیا کہ آپ خلوص دل سے اس عہد نامے کو قبول کرتے ہیں تو مجھے آزاد کیجئے کہ میں پاکستان یا جہاں چاہے جا سکوں۔ میری غیر حاضری میں پاکستان کے ان لوگوں کا آپ کو خیر مقدم کرنا چاہئے جو اپنے گھروں کو واپس آنا چاہتے ہیں۔ جو مسلمان دہلی سے چلے

گئے ہیں وہ خوش نہیں ہیں کہ ان کے اچھے کاریگر یہاں سے چلے گئے جو صنعت کہ نسلوں سے ایک فرقہ میں چلی آرہی ہو اور جس میں وہ فرقہ ماہر ہو گیا ہو اس کو حاصل کر لینا ایک دن کا کام نہیں ہے۔ اس کے بعد گاندھی جی نے دوبارہ حاضرین سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دلوں کا جائزہ لیں اور مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہ کریں۔

اس کے بعد مولانا آزاد نے فرمایا کہ اسلام کے متعلق اس کتاب میں جس کا تذکرہ گاندھی جی نے فرمایا سخت غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ آپ نے قرآن پاک کی آیت شریف کی تلاوت فرمائی جس میں بتایا گیا ہے کہ تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔ خواہ ان کا مذہب کچھ بھی ہو۔ گاندھی جی نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اسلام کی تعلیمات کے قطعًا منافی ہے اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کتاب سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں یہ ایک دیوانگی پیدا ہو گئی تھی۔

مولانا آزاد کے بعد مولانا حفظ الرحمن صاحب نے فرمایا کہ مسلمانوں پر یہ الزام کہ ہندوستان کو وہ اپنا وطن خیال نہیں کرتے قطعًا بے بنیاد ہے۔ مسلمانوں نے گذشتہ تیس سال میں قومیت کی جو خدمت کی ہے ان پر یہ الزام قطعًا اس کے خلاف ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمانوں سے وفاداری کا مطالبہ کرنا قومیت کی توہین ہے

آپ نے فرمایا کہ دہلی میں فسادات کے دوران میں ایک موقع

پر ہمارے کانگریسی دوستوں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ چونکہ دہلی میں ہماری حفاظت کا مناسب بندوبست نہیں ہوسکتا ہے اس لئے دہلی کے باہر ہمارے تحفظ کا انتظام کر دیا جائے۔ لیکن ہم نے اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس کو ترجیح دی تھی کہ بغیر پولیس اور فوج کی امداد کے ہم دہلی میں ہی رہ کر کام کریں

آپ نے فرمایا کہ جمعیۃ کے مسلمان ہمیشہ مولانا آزاد اور کانگریس کے پیرو رہے ہیں۔ اور جو لوگ پاکستان چلے گئے ہیں وہ جان کے خوف سے چلے گئے ہیں لیکن وہ پھر ہندوستان واپس آنا چاہتے ہیں اور اگر ہندوستان پر حملہ کیا جائے تو وہ اس کی حفاظت میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کو تیار رہیں۔ جو لوگ ایسا نہیں کر سکتے میں نے ان کو اکثر یہی مشورہ دیا ہے کہ وہ ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں

آپ نے دہلی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ گاندھی جی کے برت کے نتیجہ میں حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور فرقہ وارانہ امن و اتحاد کی فضا پیدا ہونا شروع ہوگئی ہے چونکہ حکومت کی طرف سے بھی یقین دلایا گیا ہے اس لئے میں ڈاکٹر راجندر پرشاد کی اس اپیل کی تائید کرتا ہوں کہ گاندھی جی بھی اپنا برت توڑ دیں جب مسٹر سی گنیش دت ہندو مہا سبھا اور راشٹریہ سیوک سنگھ

کی طرف سے اپیل دہرا چکے تو زاہد حسین صاحب نے گاندھی جی سے
چند الفاظ کہے

میں یہاں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ یہ عرض کروں کہ پاکستان کے لوگ آپ کے بارے میں کس قدر گہری تشویش رکھتے ہیں اور روزانہ بے شمار لوگ آپ کے متعلق مجھ سے دریافت کراتے ہیں یہ ان کی دلی خواہش ہے کہ جلد ایسے حالات پیدا ہوں جن سے آپ برت توڑ سکیں اگر میں اس سلسلہ میں کچھ کر سکتا ہوں اور نیز پاکستان کے لوگ کچھ کر سکتے ہیں تو ہم اس کے لئے تیار ہیں

زاہد حسین صاحب کے بعد مسٹر خورشید احمد اور مسٹر رندھاوا نے مقامی حکومت کی طرف سے یقین دلایا کہ عہد نامہ میں جو شرائط مذکور ہیں ان پر پوری طرح عمل درآمد کیا جائے گا

فرقہ وارانہ اتحاد کے معاملہ میں ہند کے دارالخلافہ کی جو شاندار روایات رہی ہیں ان کو پھر سے قائم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے گا

سردار ہربنس سنگھ نے سکھوں کی طرف سے اپنے پیش روؤں کی تائید کی اس کے بعد گاندھی جی نے برت توڑنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ یہ رسم پرارتھنا کے دوران میں ادا کی گئی، جینیوں، مسلمانوں اور پارسیوں کی مذہبی کتب سے آیات پڑھی گئیں

ان کے بعد یہ منتر پڑھا گیا

"مجھ کو کذب سے صداقت   ظلمت سے روشنی فنا

سے بقا کی راہ دکھا"

ایک ہندوستانی حمد اور عیسائیوں کی حمد پڑھی گئی

مولانا صاحب نے پھلوں کے رس کا گلاس پیش کیا اور مہاتما

جی نے اسے نوش فرمالیا

(الجمعیۃ دہلی - ۱۹ جنوری ۱۹۴۸ء)

جب سے یہ فسادات شروع ہوئے مہاتما جی کی کوششوں کو دیکھ کر مسلمان اُن کی طرف کھنچے جا رہے تھے لیکن ان کے برتا سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور گاندھی جی سچائی کے پیامبر کی صورت میں نظر آنے لگے - ذیل میں ہندوستان کے مشہور مسلم لیگی رہنماؤں اور گاندھی جی کا وہ مکالمہ درج کرتا ہوں جس سے گاندھی جی کی شخصیت کی ایک جھلک سامنے آتی ہے :-

۲۸ جنوری تھی، ٹھیک ۶ بجے شام کا وقت تھا۔ نواب محمد اسمٰعیل خاں بیگم اعزاز رسول اور سید سراج حسین بیرسٹر کے ہمراہ راقم تحریر برلا ہاؤس نئی دہلی میں مہاتما گاندھی سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا۔ پرارتھنا کا جلسہ اسی وقت ختم ہوا تھا، ہمیں چند منٹ انتظار کے کمرے میں گذارنا پڑے۔ اس کے بعد گاندھی جی کے پاس پہنچا دیے گئے گاندھی جی سفید مسند پر جلوہ افروز تھے۔ تھوڑی دور پر دو سکریٹری

بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے

نواب اسمٰعیل خاں صاحب نے گفتگو شروع کرتے ہوئے گاندھی جی کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا:۔ ہم لوگوں کی حاضری کا مقصد یہ ہے کہ اپنی خدمات آپ کو پیش کردیں۔ ہم اس کے لئے حاضر ہوئے ہیں کہ پاکستان آپ کے ہمراہ یا آپ سے پہلے چلے جائیں۔ گاندھی جی نے اس جملہ پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد کہا

انتخا رمجھ سے مل کر گئے تھے۔ ان کے جواب کا انتظار کر رہا ہوں وہاں کی حکومت یا کم از کم مسلم لیگ مجھے دعوت دے تب میں وہاں جاؤں گا

نواب صاحب نے گاندھی جی سے ان کا پروگرام دریافت کیا۔ گاندھی جی نے فرمایا:۔

میں تو دو ہی تین دن میں وردھا جانے والا تھا۔ مگر مولانا حفظ الرحمٰن اور احمد سعید صاحب آج آئے تھے اور انھوں نے کہا کہ دہلی کی حالت ابھی ایسی نہیں کہ آپ یہاں سے چلے جائیں ہندو مہاسبھا نے بھی میری ان کی کوششوں کے خلاف ریزولیوشن پاس کر دیا۔ خیر۔ ہندو مہاسبھا تو ہمیشہ سے میرے خلاف رہی۔ سو اب میں ۱۴ فروری تک وردھا جانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ میں جب دہلی آیا تھا تو میں نے کہا تھا "کروں گا یا مروں گا" سو میں اب تک تو مرا نہیں اور جب تک خدا کی مرضی

ہے وہ مجھے رسکے گا۔"

اتنی گفتگو کے بعد نواب صاحب نے میری طرف اشارہ کرکے فرمایا "یہ مولانا عبدالباری صاحب کے لڑکے ہیں" گاندھی جی بولے "ہاں ان کی صورت میں مولانا کی شباہت تھی اور میں ان کو دیکھ رہا تھا۔ باری صاحب تو میرے بڑے دوست تھے۔ میں بولا "آپ سے صرف ایک بات پوچھنے اور ایک ہی بات کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں" مہاتما جی بولے کہیئے" میں نے عرض کیا "آپ سے کس نے بتایا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا عرس کل کی تاریخ میں تھا اور آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ اتنے بڑے بزرگ تھے" گاندھی جی نے فرمایا۔

میں تو ان سب باتوں کو جانتا ہوں جب میں دہلی آیا تو مجھ کو بتایا گیا کہ پھر دلی میں ہر سال عرس ہوتا ہے اور اب کی مرتبہ نہ ہو سکے گا تو میں نے کہا یہ تو بڑی بری بات ہے۔ جب میں نے برت رکھا تو خورشید اور رندھاوا سے میں نے کہا اگر فوج یا پولیس سے انتظام سے عرس ہو تو یہ کوئی بات نہیں۔ اس میں تو ہندو مسلمان سکھ سب کو شریک ہونا چاہئے۔ کاکی صاحب کے متعلق تو مجھ کو آپ کے والد صاحب نے بتا دیا تھا۔ باری صاحب کے ساتھ میں اجمیر شریف گیا تھا۔ وہاں چھوٹانی میاں بھی تھے۔ پھر میں نے قوالی بھی سنی۔ باری صاحب جب روضہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے مجھ سے کہا آپ اندر جائیے

میں اندر نہیں جا سکتا ہوں۔ سو میں اندر گیا اور وہ باہر کھڑے رہے سو یہ ایک راز تھا کہ وہ اندر کیوں نہیں گئے جو انھوں نے بعد کو مجھ کو بتایا مگر میں آپ کو اس وقت نہیں بتاؤں گا۔" میں آج دہلی گیا وہاں میں قوالی میں بیٹھا اور سکھ بھائیوں نے بڑے مزے سے کاکا صاحب کی شان میں گیت گائے۔"

قوالی کے تذکرے پر نواب صاحب نے دریافت کیا آپ کو قوالی کا شوق کب سے ہے ؟" گاندھی جی نے فرمایا۔

میں جب چھوٹا سا تھا تو میرے گھر کے پاس ایک شخص ڈھولک پر گیت گاتا تھا اور پھر قوالی میں بہت بار سن چکا ہوں۔"

نواب صاحب نے کہا "آپ کو اجمیر شریف میں کیا گانا سنایا گیا تھا تو گاندھی جی کہنے لگے "

" مجھے یاد ہے کہ گیت "رنگ دے چندریا" بھی وہاں گایا گیا تھا اور چھوٹا نی میاں کو یہ بہت پسند آیا تھا۔"

ان باتوں کے بعد بیگم اعزاز رسول صاحبہ ان سے کہنے لگیں آپ کا اب پاکستان جانا ضروری ہے۔ وہاں سے خیر سگالی کے جواب ملے بغیر ہندو مسلم اتحاد کیسے رہے گا

گاندھی جی نے فرمایا:-

" جب تک حکومت نہ بلائے میں وہاں کیسے جا سکتا ہوں؟"

میں بیچ میں دخل دیتے ہوئے بولا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی

آپ تو حکومتوں کی بھی پروا نہیں کرتے کیا انگریزوں نے ملک کو آزاد کرانے کے لئے آپ کو دعوت دی تھی؟ پھر آپ کیوں انتظار کر رہے ہیں کہ پاکستان آپ کو بلائے؟ ممکن ہے کہ اکیلے مسٹر جناح یہ نہ چاہتے ہوں کہ آپ کو بلایا جائے مگر پاکستان کے سب باشندے آپ کے جانے سے خوش ہوں گے اور آپ ان کو صحیح راستہ دکھائیں گے

گاندھی جی نے فرمایا :-

"میں ایک تجربہ کار آدمی ہوں جن حکومتوں کی مرضی کے خلاف میں نے کام کے، ان سے میں لڑنا چاہتا تھا

پاکستان سے تو میں میل کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی مرضی کے خلاف کیسے جاؤں "

میں نے عرض کیا "آپ نے اپنے برت کے دوسرے دن جن خیالات کا اظہار پاکستان کے متعلق کیا تھا۔ ہر شخص کی خواہش ہے کہ پاکستان اور ہندوستان ویسا ہی ہو جائے۔

گاندھی جی نے فرمایا:-

ہم کو کسی سے نفرت نہ کرنا چاہیئے۔ میں تو آپ سے کہتا ہوں کہ آپ لوگ پاکستان سے خفا نہ ہوجیے اور کوشش کیجیے کہ وہ لوگ بھی اچھے ہو جائیں۔ پوچھئے تو کہ کشمیر اور حیدرآباد کوئی لڑنے کی باتیں ہیں۔ ہم کو تو آپس میں یہ باتیں طے کرنا ہیں "

نواب صاحب نے کہا آپ کے برت کے زمانے میں ہم نے
افتخار اور نون کو تار دیکر بلایا تھا۔ اگر آپ پسند کریں تو پاکستان کے کچھ
غیر سرکاری لوگوں کو دہلی میں بلایا جائے اور ان سے طے کیا جائے
کہ پاکستان میں امن کی مہم کس طرح شروع ہو۔ گاندھی جی نے کہا:۔
"بہت اچھی بات ہے۔ آپ ضرور ان لوگوں کو بلائیے"
گاندھی جی نہایت ہشاش بشاش تھے اور بڑی دلچسپی سے باتیں
کر رہے تھے۔ نواب اسمٰعیل خاں صاحب کو جلدی تھی۔ اس لئے ان
سے رخصت ہوئے۔ چلتے وقت گاندھی جی نے فرمایا:۔
"مجھے آپ سب کو دیکھ کر بہت خوشی ہے۔ آپ لوگ میرا بہت کام
کر سکتے ہیں۔ آپ اتحاد رکھنے کے لئے کوشش کرتے رہئے"
ہم لوگ رخصت ہوئے اور راستے میں یہ باتیں کرتے آئے کہ گاندھی
جی کے چہرے پر کتنی بشاشت اور تازگی ہے اور ان کی عمر کا اثر ان پر کتنا
کم ہے۔
" دوسرے دن صبح میں لکھنؤ واپس آگیا اور مندرجہ ذیل خط میں
نے لیاقت علیخاں اور پاکستان کے دوسرے لیڈروں کو لکھا
"میں آج دہلی سے آیا ہوں اور اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ کر آیا ہوں
کہ گاندھی جی کی کوششوں سے مسلمان اطمینان اور حفاظت کی گمشدہ
فضا دوبارہ محسوس کر رہے ہیں۔ دہلی کی حالت دیکھنے کے بعد مجھے
یقین ہو گیا کہ مکمل امن و فراغت صرف حکومت کی طاقت سے

نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے عوام میں خیر سگالی کے جذبات پیدا ہونے ضروری ہیں۔ وقت کا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ گاندھی جی کی ان کوششوں کا جواب پاکستان سے بھی ملے گاندھی جی خود پاکستان جانے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ وہاں کی حکومت یا کم از کم مسلم لیگ انھیں دعوت دے۔ اگر گاندھی جی پاکستان جائیں گے تو اس سے نہ صرف یہ فائدہ ہوگا کہ وہاں کے غیر مسلموں کو اطمینان پیدا ہوگا اور ہجرت کا وہ سلسلہ ختم ہوگا جس کو آپ لوگ بھی ناپسند کرتے ہیں بلکہ پاکستان کے متعلق ان غلط فہمیوں کی بھی تردید ہو جائے گی جو مختلف اخبارات پھیلاتے ہیں اور ہند کے مسلمان بھی یہ محسوس کریں گے کہ ان کے پاکستانی بھائی اس شخص کا خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں جس نے بلا شبہ ہند کے ہزاروں مسلمانوں کی اس نازک دور میں جان بچائی ہے میرا یہ عریضہ ہرگز کسی سیاسی مقصد سے نہیں اور نہ مجھ کو کوئی حق ہے کہ میں آپ کے یہاں کی سیاست میں دخل دوں مگر میں اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ آپ سے گاندھی جی کو وہاں بلانے کی استدعا کروں۔ آپ اس سلسلہ میں وہاں کی لیگ اور حکومت کو متاثر کرنے کی جو کوشش کریں گے۔ اس کے ہم بہت متشکر ہوں گے"!

کیا معلوم تھا کہ امن و انسانیت کے پیامی اور عہد حاضر کے سب سے بڑے آدمی سے یہ ملاقات آخری ملاقات ہوگی۔

اس وقت بھی نگاہوں کے سامنے وہ ہنس مکھ چہرا ہے وہ معصوم

انداز ہے جس کو میں نے تین دن پہلے دیکھا تھا اور اب کبھی دیکھ نہ پاؤں گا۔
خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو گاندھی جی کے ساتھ رہے اور ان
کی خدمت کرتے رہے۔ ان کی وفات ان کے دوستوں سے زیادہ
نقصان دہ ان کے مخالفین کے لئے ہے۔ کاش ان کی بلند قربانیاں
ان کے مخالفین کی بھی آنکھیں کھول دیں اور وہ کام جو ان کی زندگی میں
پورا نہ ہو سکا۔ ان کے بعد مکمل ہو جائے۔ (جمال میاں فرنگی محل)
(انجام۔ دہلی ۱۰ فروری ۱۹۴۸ء)

مولانا جمال میاں نے اس ملاقات کو آخری ملاقات کہا ہے۔ ہاں مہاتما
جی کی آخری کہانی بڑی دلخراش ہے۔ عہدنامہ کے مطابق امن کا کام
پھرتی سے ہو رہا تھا مسلمانوں کی مسجدیں واپس ہونے لگی تھیں۔ مسلمان
آزادی کے ساتھ گھوم پھر رہے تھے، پاکستان سے واپسی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا
بختیار کاکی کا عرس گاندھی جی اپنے اہتمام میں کرائے دو تین دن ہوئے
تھے، عرس کے موقع پر گاندھی جی مزار پر گئے تھے، وہاں فاتحہ پڑھی
قرآن شریف سنا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مہاتما جی کے مخالف راشٹریہ سیوک
سنگھ والوں کا غصہ اور بڑھا۔ پہلے تو انھوں نے شام کی عبادت میں بم
پھینک کر گاندھی جی کو ختم کرنے کی کوشش کی جب اس میں ناکام
رہے تو ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کی شام کو اس سنگھ کا ایک ممبر ناتھورام گاڈسے
پستول چھپائے عبادت گاہ میں پہنچا اور اس امن کے دیوتا کو ابدی نیند
سلا دیا۔ اس شہادت کا آنکھوں دیکھا حال برلا ہاؤس کے مالی نے اس

رح بیان کیا ہے:-

اس بعد باپو اپنی پوتی مانو اور آبا کے ہمراہ اپنے کمرے سے آرہے تھے آہستہ آہستہ وہ پرارتھنا گراؤنڈ کی سیڑھیوں پر چڑھے۔ انھوں نے لوگوں کو ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ لوگوں نے دونوں طرف ہو کر راستہ ہٹایا۔ دونوں لڑکیاں باپو کے پیچھے تھیں۔ باپو آگے بڑھے تھے کہ دائیں طرف سے کسی نے انھیں نمسکار کیا اور کہا۔ آپ پانچ منٹ دیر سے آئے ہیں۔ باپو نے کہا کشما کرنا مجھے دیر ہو گئی ہے اس کے بعد باپو نے دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ بائیں طرف سے قریباً ۵ گز کے فاصلے پر سے ایک نوجوان آگے بڑھا۔ میں اپنا کام چھوڑ کر گاندھی جی کی طرف ہجوم کے پیچھے سے کھڑا تھا۔ میرے ہاتھ میں ابھی تک اپنی کھرپی تھی۔ پھرتی اور جان بوجھ کر اس نوجوان نے دو تین قدم اٹھانے اور دوسرے قدم پر اپنی جیب سے کوئی چیز نکالی۔ میں نے دیکھنے کے لئے اپنی گردن موڑی۔ ایک شخص باپو کے سامنے تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھائے۔ اس کی پستول ان کی چھاتی کے قریب تھی اور اس نے گولی چلا دی۔ نیلا سا دھواں اٹھا اور پستول کی گولیوں کی آواز آئی۔

چند ثانئے نے باپو کو ہلاک کر دیا تھا۔ میں ہجوم کو چیر کر آگے بڑھا اور حملہ آور کو دبوچ لیا۔ میرے ہاتھ غصے اور درد سے

کانپ رہے تھے۔ حملہ آور نے اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے سخت جدوجہد کی

باپو میری آنکھوں کے سامنے گر پڑے اُن کی آنکھیں کھلی تھیں اور دونوں جڑے ہوئے ہاتھ ان کی چھاتی پر تھے۔ دونوں لڑکیاں بھی گر پڑی ہوئی تھیں اور باپو ایک کی گود میں تھے۔ پولیس کے آدمی اور دوسرے لوگ حملہ آور پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی مشکل سے انھوں نے مجھے الگ کیا۔ میں نے دیکھا کہ باپو جی کے پاس کوئی اور نہیں تھا میں وہاں گیا۔ اُن کا سر اپنی گود میں رکھا اور اٹھانے کی کوشش کی۔ انھوں نے تین بار ہچکی لی۔ بعد میں انھیں کمرے کے اندر لیجایا گیا

۲۴ گھنٹے تک میں نہ تو کچھ کھا سکا اور نہ پی سکا نہ سو سکا۔ اب بھی میں اکثر رات کو چونک اٹھتا ہوں اور مجھے وہ شخص نظر آتا ہے جس نے آگے بڑھ کر باپو کو قتل کیا مجھے باپو کا گرتا ہوا شریر اب بھی نظر آتا ہے۔ کیا میں اُسے کبھی فراموش کر سکوں گا؟

(تیج دہلی۔ ۷ فروری ۱۹۴۸ء)

ہندوستان پر کیا موقوف ہے، دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں اس عظیم المرتبت ہستی کا ماتم نہ منایا گیا ہو، اتحادی اقوام ہندوستان، پاکستان کے جھنڈے سرنگوں کر دئے گئے ملک ملک سے تعزیت کے پیغام آئے۔ ہندوستان میں

دو ہفتوں تک (جب تک مہاتما جی کے پھول الٰہ آباد کے سنگم میں بہا نہیں دیئے گئے) سرکاری طور پر بھی ماتم منایا گیا۔ ذیل میں تعزیت کے چند پیغامات کا خلاصہ درج کرتا ہوں

امریکہ پریزیڈنٹ ٹرومین

گاندھی جی ایک بہت بڑے قوم پرست تھے لیکن وہ بین الاقوامی اہمیت کے لیڈر بھی تھے۔ بطور ایڈلیشک اور لیڈر کے ان کا اثر نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا کے طول و عرض میں پھیل گیا اور ان کی موت سے تمام امن پسند لوگوں کو صدمہ پہنچا ہے ایک اور لیڈر اتحاد اور امن کی خاطر قربان ہو گیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ایشیا کے لوگ ان کی المناک موت سے سبق حاصل کرکے اور زیادہ پختہ ارادے سے اس نصب العین کے حصول کی کوشش کریں گے جس کے لئے گاندھی جی نے اپنی جان قربان کر دی۔

البرٹ آئن شائن مشہور سائنسداں

ہر اس شخص کو جو نسل انسان کے لئے ایک بہتر مستقبل چاہتا ہے گاندھی جی کی افسوسناک موت پر صدمہ پہنچے گا۔ گاندھی جی اپنے اہنسا کے عقیدے پر خود ہی قربان ہو گئے۔ وہ اس لئے مارے گئے چونکہ ملک میں بدامنی اور شورش کے دنوں میں انھوں نے اپنی مسلح حفاظت کروانے سے انکار کر دیا ان کا یہ پکا یقین تھا کہ طاقت کا استعمال بذات خود گناہ ہے لہٰذا وہ لوگ جو اس اصول کی

تکمیل چاہتے ہیں انھیں طاقت کے استعمال سے احتراز کرنا چاہئے
دل و دماغ میں یہ دشواش لے کر انھوں نے ایک عظیم قوم کو
آزاد کرایا

انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ نہ صرف سیاسی چالبازی
کے شاطرانہ کھیل سے بلکہ اخلاقی طور پر اعلیٰ طرزِ عمل سے عوام
کا اعتماد حاصل کیا جاسکتا ہے

مہاتما گاندھی کی عالمگیر مقبولیت اس بات کی مظہر ہے کہ لوگ
اپنے تحت شعور میں یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اس اخلاقی گراوٹ
کے دور میں گاندھی جی ہی ایک ایسے رہنما تھے جنہوں نے دائرہ
سیاست میں قوموں اور انسانوں کے درمیان بہتر معیار رشتہ پیدا کرنے
کے لئے جدوجہد کی ہمیں بھی اس معیار کو حاصل کرنے کے لئے ہر
ممکن کوشش کرنی چاہئے ہمیں یہ مشکل سبق سیکھنا چاہئے کہ انسانوں
کا مستقبل اسی حالت میں مستحکم ہو سکتا ہے جبکہ بین الاقوامی تعلقات
سے متعلقہ فیصلے بھی قانون اور انصاف پر مبنی ہوں اور جیسا کہ
اب تک ہوتا رہا ہے اپنے آپ راست بازی ہوئی کسی طاقت
کے ہاتھ میں نہ ہوں

کنیڈا ۔ مسٹر میکنزی کنگ وزیر اعظم ۔

یہ خاص طور پر صدمہ پہنچانے والی بات ہے کہ ایک ایسی
شخصیت جس نے اپنی تمام زندگی تشدد کو ختم کرنے پر لگا دی ۔

خود تشدد کا شکار ہوئی۔ مجھے امید ہے کہ عدم تشدد کے اصولوں کو (جن کا گاندھی جی نے پرچار کیا) گاندھی جی کے قتل سے اور زیادہ تقویت ملے گی۔

برطانیہ - ہز میجسٹی دی کنگ

مجھے اور ملکہ کو مسٹر گاندھی کی موت کی خبر سن کر سخت صدمہ پہنچا۔ کیا آپ برائے مہربانی ہندوستان کے عوام کو اس ناقابل تلافی نقصان پر جو انھیں ہی نہیں بلکہ تمام نسل انسان کو ہوا ہے ہماری طرف سے صدق دلانہ ہمدردی کا پیغام پہنچا دیں گے؟

وزیر اعظم مسٹر اٹیلی -

میں حکومت برطانیہ کی طرف سے اس المناک سانحہ پر آپ کو اور آپ کے رفیقوں کو گہرے رنج کے جذبات بھیجتا ہوں اس بے مثال شخصیت کی موت کی خبر کو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیا کے تمام حصوں میں رنج کے ساتھ سنا جائے گا۔ ہم سب اس ملک میں اس انسانیت کے خادم کی موت پر بے حد رنجیدہ ہیں

ڈاوننگ سٹریٹ سے بیان

مہاتما گاندھی کی المناک موت کی خبر سے ملک معظم کی حکومت کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ گاندھی جی سے زیادہ ہندوستان

کی تاریخ میں کسی اور لیڈر نے پارٹ ادا نہیں کیا - زندگی بھر وہ امن کے لئے کوشاں رہے اور تشدد کی مذمت کرتے رہے۔ ان کی موت پر دنیا کے ہر ملک میں زندگی کے ہر شعبہ میں ان گنت لوگوں کو رنج ہوگا۔ ان کی اخلاقی اور روحانی رہنمائی بد امنی اور انتشار کے اس دور میں ذہنی قوت کا ذریعہ رہی ہے اور برطانیہ ہندوستان کے اس نقصان عظیم میں شریک ہے

آئرلینڈ کے پریذیڈنٹ •

آئرلینڈ کے باشندے دیگر تمام ممالک کے آزادی پسند لوگوں کے ساتھ مل کر اس شخص کی موت پر سوگ مناتے ہیں۔ جس کی نیکی اور خدمتِ وطن میں وقف قربانی سے پر زندگی سب کے لئے دعوت عمل تھی۔ خدا کرے کہ ہندوستان اور تمام دنیا میں وہ فراخ دلی باہمی برادرانہ تعلقات اور امن پیدا ہوں جن کے لئے گاندھی جی دل سے خواہاں کوشاں تھے

ہالینڈ ڈاکٹر ڈریل وزیراعظم

انسانوں کی بھلائی کے لئے جو گاندھی جی نے منہمک کوششیں اور قربانیاں کیں ان کی مثال نہیں ملتی

جنیوا مسٹر ایڈورڈ فیلان۔ ڈائرکٹر جنرل بین الاقوامی لیبر آفس جنیوا۔

اس سانحہ کی خبر سن کر جو ہندوستان میں ہوا مجھے سخت صدمہ پہنچا۔ مہاتما گاندھی کی موت سے جو ہندوستان کو ناقابل

تلافی نقصان ہوا ہے براے مہربانی اس پر میری صدق دلانہ ہمدردی کا پیغام قبول کیجئے

• فرانس وزیر اعظم شورین ۔

مہاتما گاندھی کی ذات کو عقیدت پیش کرتے وقت فرانس کی اسمبلی ایک دوست ایک دلیش بھگت اور سب سے بڑھ کر ایک ایسے مفکر کی عزت افزائی کرتی ہے جس نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ محبت نفرت سے زیادہ طاقتور ہے

جارج برنارڈ شا

بہت نیک ہونا بھی پر خطر ہے ۔ سچی بات کہنے اور اس پر عمل کرنے سے گاندھی جی نے کبھی دریغ نہیں کیا

اٹلی ۔

پوپ پائس بارھواں ۔ گاندھی جی ایک جہاں پرش تھے جو کروڑوں ہندوستانیوں کے روحانی لیڈر تھے اور جنہوں نے ہمیشہ امن کے لئے جدوجہد کی

کاؤنٹ سفورزا ۔ اٹلی کے وزیر بیرونی معاملات

آپ کے اس نقصان میں جو کہ تمام نسلِ انسان کا نقصان ہے تمام اٹلی گہرے رنج میں شریک ہے

روس

متحدہ ریاستہائے سوویٹ روس ۔ ایم انڈلوپیٹی گرومائیکو سوویٹ

ڈیلیگیٹ

ہندوستان کے ایک قابل قدر رہنما کے طور پر مسٹر گاندھی
بلاشبہ ہندوستان کی تاریخ پر گہرے اثرات چھوڑ گئے ہیں
مسٹر گاندھی کا نام ہمیشہ اس جدوجہد کے ساتھ وابستہ رہیگا
جو ہندوستان کے لوگوں نے قومی آزادی حاصل کرنے کے لئے
اتنے لمبے عرصے تک کی

پولینڈ

وزیر خارجہ پولینڈ

مہاتما گاندھی کی موت پر ہماری انتہائی صدق دلانہ ہمدردی
قبول کیجئے۔ ظلم کے خلاف جمہوریت کے حصول کے لئے کی گئی
کشمکش کے دوران میں انھوں نے اپنی ذات میں اعلیٰ صفات پیدا
کیں اور تمام دنیا نے ان کا اعتراف کیا

ایبے سینا

شہنشاہ ہیلے سیلاسی

ہم نے مہاتما گاندھی کی اندوہناک موت کی خبر کو انتہائی رنج
کے ساتھ سنا۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا اس مہاتما
اور دنیا کے رہنما کی موت پر اظہار افسوس کرے گی

جنوبی افریقہ

وزیر اعظم فیلڈ مارشل سمٹس

جنوبی افریقہ

وزیر اعظم فیلڈ مارشل سمٹس

مہاتما گاندھی کے قتل کی خبر کو میں نے انتہائی گہرے رنج سے سنا اور مجھے امید ہے کہ دنیا کے سب لوگ اس غم میں شریک ہونگے

مہاتما گاندھی میرے ہم عصر لیڈروں میں سے ایک تھے۔ ہماری ۴۰ سال کی واقفیت کے دوران میں میرے دل میں ان کی عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اگرچہ خیالات و طریق کار میں ہمارا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ تھا۔ ایک عظیم شخصیت ہم سے جدا ہوگئی ہے۔ اور ہم ہندوستان کے ساتھ اس ناقابل تلافی نقصان میں شریک ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اس سے ہندوستان کی آتما سے فرقہ داری کے جذبات نکل جائیں۔ اور ہندوستان کے مصیبت زدہ عوام کو وہ چین نصیب ہو جس کے لئے گاندھی جی اپنی زندگی قربان کرنے کے لئے تیار تھے اور بالآخر کر بھی دی

گاندھی جی اپنے پیچھے بے مثال شہرت چھوڑ گئے ہیں۔ گاندھی جی انسانوں کے قابل قدر رہنما تھے

یونان۔

ایم رسالدارند۔ ڈپٹی پرائم منسٹر اور وزیر بیرونی معاملات

میں نے مہاتما گاندھی کی بے وقت موت کی خبر کو انتہائی رنج سے سنا ان کی موت سے تمام نسل انسان کو اتنا ہی نقصان ہوا ہے جتنا کہ ہندوستان کو۔ یونان کے لوگوں نے ہمیشہ گاندھی جی کی عظمت کی قدر کی اور تعریف کی۔

یوکرائن

ایم داسلی تاراسینکو نے فرمایا

مسٹر گاندھی نے اپنے پیروؤں پر یہ بات واضح کردی کہ اندرونی کشمکش لوگوں کے لئے فائدہ مند نہیں۔ بلکہ اس سے ان لوگوں کو فائدہ پہونچے گا جو ہندوستان پر غلبہ قائم رکھنا چاہتے ہیں

مجھے امید ہے اور یقین بھی ہے کہ گاندھی جی کی موت کے باوجود ہندوستان میں مستحکم گورنمنٹ قائم کرنے اور خودمختاری پیدا کرنے کا کام معرض التوا میں نہیں پڑیگا

آسٹریلیا

وزیراعظم

آسٹریلیا کی حکومت اور عوام نے مہاتما گاندھی کی موت کی افسوس ناک خبر کو انتہائی دہشت اور گہرے رنج سے سنا۔ گاندھی جی کو آسٹریلیا میں آنے والی نسلیں بہت عرصہ تک انسانیت اور امن کے شیدائی کے طور پر یاد کریں گی۔ ہم ہندوستان کی حکومت اور عوام سے گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں ٭

ہندوستان کے لوگوں کی طرف سے تعزیت کے پیغام کہاں تک لکھوں۔ حکومت ہند نے تعزیت کا جو ریزولیوشن منظور کیا ہے اسے تمام ہندوستانیوں کے دلوں کی ترجمانی سمجھئے۔ ریزولیوشن یہ ہے

"دنیا اور ہندوستان پر دفعتاً ایک المناک حادثہ کا سایہ چھا گیا ہے۔ ایک شوریدہ

٭ مجھے افسوس ہے کہ کاتب کی غلطی سے بعض اہم ممالک اور پاکستانی لیڈروں کے پیغامات رد گئے ہیں۔

کو ۵ بجے شام ایک قاتل نے اس زندگی کا خاتمہ کر دیا جس کی دنیا کو ابھی ضرورت تھی۔ اور جس پر نصف صدی تک ہندوستان کی قسمت کا دارومدار رہا تھا۔ راشٹر پتا مہاتما گاندھی عوام کے محبوب۔ عدم تشدد کے پجاری۔ امن کے شہزادے آزادی کے بے خوف سپاہی۔ مظلوم اور پسماندہ لوگوں کے سرپرست برلا ہاؤس میں جاتے ہوئے سورگباش ہو گئے۔ جہاں ہر شام ان کے ہم وطن ان کا بھاشن سننے جمع ہوا کرتے تھے۔ غروب آفتاب قوم کی مصیبت پر آنسو بہا رہا تھا

ان کا آخری نمایاں کارنامہ ہندوستان کی جنتا میں فرقہ وارانہ مصالحت اور امن کے لئے جان کی بازی لگانا تھا۔ اتوار ۱۸ جنوری کو انھوں نے لوگوں کے سنجیدہ عہد پر اپنا برت ترک کر دیا۔ اور ہندوستان نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ مجسمہ اور غیر متزلزل خدمت کی زندگی ایسی موت میں ختم ہوئی جس نے اپنی زندگی کے مقصد کو مکمل کر دیا۔ اب یہ ہندوستان کی سرکار اور جنتا پر موقوف ہے کہ اپنے عہد کی قول و فعل سے تکمیل کریں

ہندوستان کا عظیم ترین اور نیک ترین پُرش چل بسا۔ دنیا ماتم کے آنسو بہا رہی ہے۔ اور اس مہاتما کو خراج عقیدت پیش کر رہی ہے

اگرچہ ہند سرکار غم میں مبتلا ہے لیکن وہ اب بھی فخریہ اپنے اس عظیم رہنما کی جو کروڑہا انسانوں کی روحانی رہنمائی کر رہا تھا اور جس نے انھیں کمال کوشش اور سچے عمل کی تعلیم دی تھی وہی قدر و عزت کرتی ہے، موت کے وقت زندگی کی طرح وہ سنجیدہ مسکرا رہا تھا۔ اور ہر فرد و بشر کے لئے اس کے دل میں محبت پنہاں تھی۔ وہ

اہنسا اور سچائی کا دیوتا تھا۔ اس کی زندگی انصاف اور حوصلہ کی مسلسل جدوجہد تھی

ہند سرکار مہاتما گاندھی کو احترام سے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنے عزم کا اعلان کرتی ہے کہ وہ اس کے پیغام کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گی۔ اس کے لئے فرض اوّلین یہ ہے اور وہی فرض ہندوستانیوں سے حوصلہ۔ تخلیق اور اعتقاد کا مطالبہ کرتا ہے۔ نیز سچائی اور برداشت کی قربانی چاہتا ہے۔ اس قومی ماتم کے وقت بھی ہند سرکار جنتا کو اپنے فرض سے آگاہ کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ مستقبل کا باعزم اور غیر متزلزل مقابلہ کریں۔ انھیں ہند سرکار کی بدی اور تشدد کے خلاف جدوجہد میں مدد کرنی چاہئے۔ جس نے ہندوستان کے ایک قیمتی خزانے کو لوٹ لیا ہے۔ لیکن اس فعل نے اس ہستی کی شان کو اور دوبالا کر دیا ہے جس سے ہندوستان اور دنیا ہمیشہ روشنی حاصل کرتی رہے گی۔ یہ مہا ہستی اب بھی ہماری رہنمائی اور حفاظت کرے گی۔ جس طرح وہ زندگی میں کرتی رہی۔ اس عالیشان ہستی میں نہلا دہ ہند کا پیغام پنہاں تھا ہمیں گاندھی جی اور ہندوستان سے صدق دلی کا اظہار کرنا چاہئے۔ اور ہمیں ہر ممکن سعی کرنی چاہئے تاکہ ہم اس ہندوستان کو دیکھ پائیں جو اس کے خواب میں تھا

شہادت کے تیسرے دن جامعہ ملیہ میں تعزیت کا جلسہ ہوا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے مہاتما جی سے متعلق پانچ واقعوں کا ذکر اس انداز سے کیا کہ ہر دفعہ حاضرین کے آنسو نکل آتے تھے۔ رقت کی وجہ سے وہ ان واقعات کو ادھورے جملوں میں ادا کرتے تھے۔ لیکن

لوگ سب کچھ سمجھ لیتے تھے ۔ وہ باتیں یہ ہیں (۱) تحریک ترک موالات کے زمانے میں علی برادران کے ہمراہ گاندھی جی علی گڑھ یونیورسٹی میں گئے تو وہاں فرمایا تھا کہ ہندوستان کو اگر پانچ فقیر مل جائیں تو اس کا بیڑا پار ہو سکتا ہے ۔ (۲) ۱۹۲۵ء میں جب جامعہ ملیہ کے چلنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو گاندھی جی نے کسی گمنام شخص سے پچیس ہزار روپیہ دلوایا (۳) آپ نے اپنے پوتے رسک لال کو جامعہ میں پڑھنے کے لئے اس لئے بھیجا تھا کہ اسلام کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کر سکے ۔ جب رسک لال کا انتقال جامعہ میں ہوا اور گاندھی جی تشریف لائے تو بے ساختہ فرمایا "اب تو میرا حق جامعہ پر زیادہ ہو گیا ہے" (۴) دہلی میں فسادات شروع ہونے پر ۹ ستمبر کو گاندھی جی جب دہلی پہونچے تو اس کے دوسرے دن کسی کے کہے بغیر دوڑے دوڑے جامعہ میں آئے کہ یہاں کے لوگوں پر کوئی بپتا تو نہیں پڑی ہے ! (۵) شہادت سے دو دن پہلے جب ڈاکٹر صاحب نے جامعہ ملیہ میں شام کی پرارتھنا کے لئے درخواست کی تو گاندھی جی نے یکم فروری کی تاریخ مقرر کر دی تھی مگر صورت یہ ہوئی کہ ہم اس تاریخ کو تعزیت کا جلسہ کر رہے تھے

اس جلسہ میں میں نے بھی حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا :-

حضرات، مہاتما جی نے اپنی تقریروں میں کئی دفعہ یہ بات کہی ہے کہ جب انھوں نے ہوش سنبھالا تو کئی سوالات ان کے دل میں بار بار آتے تھے ۔ اور وہ چبھن اور خلش پیدا کرتے تھے ۔ لیکن وہ ان خیالات پر دلیری سے ڈٹے رہے اور وہ وقت تھا جب وہ اخبارات پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے ۔ نہ کتابوں کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا تھا ۔ بالآخر زندگی کی حقیقتوں کے بارے میں وہ ایک خاص نتیجہ پر پہونچے اور سکون قلب کے ساتھ ان کو

کوششوں میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ بچپن سے میرے دل میں بھی خدا و رسول، مذہب، نیکی اور بدی کے بارے میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوئے۔ میں نے اپنے اردگرد جو ماحول دیکھا اس میں اس چیز سے مجھے بے انتہا تکلیف پہونچتی تھی۔ کہ کوئی شخص محض اس لئے اچھا ہے کہ وہ مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہے اور نام مسلمانوں کا سا ہے۔ فلاں شخص اس لئے خراب ہے کہ وہ ہندو یا کسی اور مذہب کا پیرو ہے اور اس کا نام مسلمانوں کا سا نہیں ہے۔ ان سوالات کی موجودگی میں خدا ورسول مذہب اور انسانیت کے بارے میں بے انتہا سوالات پیدا ہوجاتے تھے۔ اور یہ سوالات در سوالات کا سلسلہ اتنا تکلیف دہ ہوجاتا تھا کہ میں اپنے آپ کو پاگل محسوس کرنے لگتا تھا۔ اس کا مظاہرہ میرے دوستوں نے دیکھا ہے۔ ایک طرف گاندھی جی کی ٹھوس عملی زندگی اور ان کے پاک وصاف خیالات تھے، دوسری طرف فرقہ پرستی کا زہر اپنے عروج پر پہونچا ہوا تھا۔ اس سے سوالات کو اور یقین کا درجہ ملا۔ بالآخر ایک دن مولانا ابوالکلام کا ترجمان القرآن میرے ہاتھ لگ گیا۔ اور میں جوں جوں "صراط مستقیم" کی تفسیر پڑھنے لگا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے سوالات کا جواب بہت حد تک ملتا جا رہا ہے۔ بات کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے میرا سینہ جو بھچا جا رہا تھا ایسا معلوم ہوا کہ وہ کھلتا جا رہا ہے۔ اور میں اطمینان کے سانس لے رہا ہوں۔ جب اس فضا میں میں نے اپنے آپ کو پایا تو مجھے گاندھی جی بڑے پیارے معلوم دینے لگے۔ تب میں سمجھا کہ انسان اور انسانیت کتنے قدر کی چیز ہے میرا دل بار

بار یہ کہنے کو جا چاہتا ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی کے نام پر محاذ تو ہونے چاہئیں لیکن نام نہاد مذہبی گروہ بندی کے نام پر محاذ قائم ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا ہے مجھے خوشی ہے کہ صحیح مذہب اسی کا نام ہے اور میں مذہبی آدمی ہوں۔ خدائے تعالیٰ نے ایسے مذہب کا ایک نام بھی مقرر کر دیا ہے۔ جسے اسلام کہتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہمارے اعمال کی وجہ سے یہ نام بہت بدنام ہوا ہے۔ میں گاندھی جی کو ان نیک خدا پرست لوگوں میں شمار کرتا ہوں جو دین کی اصل باتوں پر قائم رہتے ہیں۔ اب تک کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کے جلسے میں جو مہاتماجی کی زندگی پر روشنی ڈالنے کے لئے منعقد ہوا ہے مجھے اپنے متعلق صفائی پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تو دوستو یہ ایک بنیادی سوال ہے کہ مذہب کے بارے میں ہمارا ذہن کس حد تک صاف ہے۔ جب تک ہمارا ذہن صاف نہ ہوگا گاندھی جی کی زندگی پر روشنی ڈالنا کہ ہندوستان کی آزادی، ہندو مسلم اتحاد، چھوت چھات اور اپنے ملک کی چیزوں کا استعمال یہ سب کام گاندھی جی کو بہت پیارے تھے۔ بیکار ہے اس لئے کہ جب تک دلوں میں رکاوٹ رہے گی، عقیدے میں کمزوری اور کام بے جان رہیں گے

جب آدمی کے دل میں کشمکش پیدا ہوتی ہے تو فضا میں جو جراثیم پہلے سے موجود ہوتے ہیں، دل انہیں قبول کر لیتا ہے۔ فرقہ پرستی کے زہر کے جراثیم اس حد تک پھیل گئے ہیں کہ ان اثرات کو قبول نہ کرنے کے لئے پہلے ہمیں صحت مند رہنے کی ضرورت ہے۔ گاندھی جی کی اس شہادت کے موقع پر پہلے ہم خود

کو صحت مند بنانے کی کوشش کریں تب تو آپ کی زندگی کے مظاہر یعنی ہندوستان کی آزادی، ہندو مسلم اتحاد، چھوت چھات کا دور کرنا، دیہات سدھار کی اپنے ملک کی چیزوں کا استعمال یہ سب کام پروان چڑھ سکتے ہیں ورنہ ہماری کوششوں میں کوئی جان پیدا نہیں ہو گی۔ پہلے اپنے سینے کے ایکی کو ٹھیک کیجیے۔ تب روشنی پھیلائیے ورنہ ڈر ہے کہ ہماری روشنی دکھاوے کی ہو کر رہ جائے

جلسہ ختم ہونے کے بعد جامعہ کے چند اساتذہ نمایندوں کی صورت میں گاندھی جی کے فرزند دیوداس جی کے پاس پرسے کے لئے گئے اور یہ تحریر پیش کی

پیارے بھائی دیوداس

باپو جی کی شہادت سے آپ کو اور خاندان کے سب لوگوں کو جو رنج پہنچا اس کی تھاہ کون پا سکتا ہے۔ اس وقت تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ پیروں تلے سے زمین نکل گئی، آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، تن من میں سکت نہیں رہی۔ سارا جیون ٹوٹ کر اور بکھر کر رہ گیا۔ مگر خدائے تعالیٰ میں جس نے باپو جی کا سا انسان پیدا کیا بڑی طاقت ہے۔ امید ہے کہ رنج کے یہ لمحے گزر جانے کے بعد وہ آپ کو اور ہم سب کو صبر دے گا۔ روشنی اور طاقت دے گا۔ بکھرا ہوا جیون پھر سمٹے گا۔ اور نئے جوش کے ساتھ اس کام کو پورا کرنے میں لگ جائے گا۔ جو اس مرشد نے شروع کیا تھا۔ آپ باپو کے بیٹوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ مگر پھر بھی ان کے کام کا بہت سا بوجھ اور خاندان کا سارا بوجھ آپ ہی کو اٹھانا ہے۔ ہاں خاندان کے اور سب لوگ، جن میں ہم بھی شامل ہیں پوری

طرح آپ کا ہاتھ بٹائیں گے

خاندان میں ہم بھی شامل ہیں۔ اس بات کو کوئی اللہ نہ جانے آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ یوں تو باپو جی کا خاندان سارا دیش تھا بلکہ سارا سنسار تھا، وہ دنیا کے سب نیک انسانوں کے بھائی اور باپ کی طرح تھے۔ اسی لئے دنیا کے کونے کونے میں ان کا شوک منایا جا رہا ہے۔ مگر دیش کی بہت سی انجمنیں جن میں ایک چھوٹی سی جامعہ ملیہ بھی ہے۔ یہ ان ہی کی لگائی ہوئی پود ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جامعہ کو علی گڑھ میں قائم کرنے میں اور پھر دہلی لانے میں ان کا کتنا بڑا حصہ تھا۔ اور کئی نازک موقعوں پر جب جامعہ مر رہی تھی اس کے زندہ رکھنے میں کس کس طرح حکیم اجمل خاں صاحب، ڈاکٹر انصاری صاحب اور عبدالمجید خواجہ صاحب کی مدد کی، مالی مدد کے علاوہ جامعہ کو باپو سے اتنا کچھ ملا جس کا حساب نہیں ہو سکتا۔ اگر جامعہ کے لوگوں میں تیاگ کی اور تپسیا کی کچھ روح تھی اور ہے تو ان کے دم سے۔ اس کے بنانے میں اس کو راہ پر لگانے میں اور ہر موڑ پر راستہ بتانے میں ان کا ہاتھ رہا ہے۔ وہ جامعہ کو اپنا گھر کہا کرتے تھے۔ اور جامعہ والوں کو اپنے بچے سمجھتے تھے۔ انھوں نے آپ کو جامعہ ملیہ پڑھانے کے لئے بھیجا تھا۔ اور اپنے پوتے رسک مرحوم کو پڑھنے کے لئے۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہمارے اندر رہ گیا۔ آپ کچھ دن بعد کاموں کو سنبھالنے کے لئے چلے گئے مگر ہمارا آپ کا تعلق قائم ہے اور رہے گا اس لئے یہ امید ہے کہ آپ جامعہ کے بڑوں کو اپنے سگے بھائی سمجھ کر اور بچوں کو اپنے بچے جان کر خاندان کے کام میں

ہاتھ بٹانے کا اور جو ہم سے ہو سکتا ہے کرنے کا موقع دیں گے
آخر میں خدا کے تعالیٰ سے دعا ہے کہ باپو جی کو پرلوک میں بھی اتنی ہی اونچی جگہ دے جتنی اس دنیا میں دی ہے اور ان کی روح کو ہمارے اندر دیس کے اندر اور ساری جگت کے اندر باقی رکھے اور سب کو ان کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے کی توفیق دے"

ارتھی کا جلوس، چتا کا منظر، دو ہفتوں کے اختتام پر الہ آباد کے سنگم میں پھولوں کا بہائے جانا ان سب کا حال کیا لکھوں۔ ان دنوں پاکستان میں جس طرح سوگ منایا گیا ہے اس کا حال سید مخدوم شاہ صاحب بنوری کنوینر سنٹرل ریلف کمیٹی مجلس احرار پاکستان نے نیا دور میں شائع کیا ہے۔ اس کے پڑھنے سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان نے اس جدائی کو کس طرح محسوس کیا ہوگا اور اس کی رسومات کی کیا کیفیت رہی ہوگی

گاندھی جی کی موت کا پاکستان میں جو اثر ہوا ہے اور پاکستانی باشندوں نے جس طرح اس المناک خبر کو سنا اس کی مختصر روئداد ریڈیو کے ذریعہ ہندوستان میں پہونچ چکی ہے۔ لیکن اگر ہم اس حقیقت پر نظر ڈالیں کہ پاکستان میں کیا ہوا اور پاکستان اور قبائل کے لوگ کس طرح اس افسوسناک خبر سے متاثر ہوئے تو ہم کہیں گے کہ ہندوستان میں پاکستان کی خبروں کا بہت کم حصہ پہونچا ہے

ایک یورپی فلسفی کے قول کے مطابق تاریخ کسی انسان کی عظمت کا فیصلہ کرنے کے لیے ہمیشہ اس کی موت کا انتظار کرتی ہے

گاندھی جی کی موت نے کل کے دشمنوں کو آج کا دوست بنا دیا۔ آج ساری دنیا کے ساتھ مملکت پاکستان کا پرچم بھی سرنگوں ہے۔ ساری مملکت میں سوگ ہے۔ لوگوں کے چہرے اشک آلود ہیں، ہر شہر اور ہر فرقہ میں تعزیتی اجتماعات ہو رہے ہیں۔ ہر ہوٹل، ہر مکان، ہر دوکان اور جہاں بھی سرکاری ریڈیو ہیں وہ سب گاندھی جی کی ارتھی کا آنکھوں دیکھا حال سنا رہے ہیں۔ اور لوگوں کی بھیڑ ہے جو اشکبار آنکھوں سے آواز پر ٹوٹی پڑتی ہے۔ ارتھی کے روز صبح کی خبروں میں پاکستان ریڈیو کے اناونسر نے جس غم ناک لہجہ میں لوگوں کو یہ وحشتناک خبر سنائی اس نے ہر شخص کو آبدیدہ کر دیا۔ پاکستان ریڈیو نے اپنا تمام وقت گاندھی جی کی یاد میں گذارا نوحے پڑھے گئے۔ تعزیتی جلسوں کا آنکھوں دیکھا حال اور ماتمی تقریریں براڈکاسٹ کی گئیں۔ اسی ریڈیو نے گاندھی جی کے احترام میں ان کا محبوب عبادتی بھجن پڑھا

رگھو پتی راگھو راجہ رام — پتت پاون سیتا رام
ایشور اللہ تیرے نام — سب کو سم متی دے بھگوان

اور ایک دوسرا بھجن:۔

دیا کرو بھگوان — سب پر دیا کرو بھگوان

اپنی پوری شان کے ساتھ سنایا گیا۔ اس روز غالباً پہلی بار اس ریڈیو نے مسٹر کی بجائے گاندھی جی کو مہاتما گاندھی کے نام سے یاد کیا۔ پاکستان ریڈیو سے بار بار کہا گیا کہ گاندھی جی کے لئے آج عالم انسانیت اشکبار

سے ہے۔ وہ انصاف کے دیوتا تھے۔ اور اپنی ذات میں برائیوں کی تردید کا مجسمہ تھے۔ اس روز غالباً تاریخ میں پہلی بار مسلم لیگ اور احرار کے لیڈر ایک ہی اسٹیج پر جمع ہوئے۔ گاندھی جی کے ماتمی جلسہ میں سب نے ایک ساتھ حصہ لیا نواب ممدوٹ وزیر اعظم پنجاب اور آغا شورش کاشمیری احرار لیڈر ایک ہی ریزولیوشن پر بولے۔ خان ممدوٹ نے کہا کہ "ہندوستان کے سب سے بڑے محسن اور دنیا کے اس بڑے لیڈر کے لئے آج پوری انسانیت سوگوار ہے۔" آغا شورش نے کہا "مہاتما بدھ کے بعد ہندوستان نے مہاتما گاندھی کو جنم دیا۔ انھوں نے ہندوستان کی صدیوں سے غلام قوم کو نئی فکر نئی زندگی، نیا رجحان اور نئی روح دی۔ نئے دل اور نئے دماغ ڈھالے ہندوستان کی فضا اور صدیوں کے غلامانہ افق پر آزادی کا سورج طلوع ہوا۔ اور پھر آج اس عظیم ہستی کو جس کا ہیولیٰ ستیہ اور اہنسا سے بنا تھا۔ اس قوم کے ایک "وحشی درندے" نے ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا۔" لاہور کے اس عظیم الشان اجتماع میں گاندھی جی کی موت پر گہرے رنج والم کا اظہار کیا گیا۔ قاتل کے فعل کو بزدلانہ اور شرمناک کارروائی سے تعبیر کرتے ہوئے ہندوستان کی حکومت۔ باشندوں۔ اور گاندھی جی کے پسماندگان سے اس سانحہ عظیم میں گہری ہمدردی کا اظہار کیا گیا اسی طرح پاکستان میں منعقد ہونے والی سندھ کی سب سے پہلی اسمبلی کا اجلاس جب کراچی میں منعقد ہوا تو وزیر اعظم سندھ کی تحریک پر اسمبلی نے ماتمی ریزولیوشن پاس کیا۔ جس کے بعد سب ممبر تعظیم کے لئے کھڑے رہے پاکستان

کے عام باشندوں کے ساتھ ساتھ ملک کی باقاعدہ فوج نے بھی خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ۱۳ فروری کو وزیراعظم پاکستان کے حکم سے نمبر ۱۰۳ رومن انفنٹری برگیڈ کی پریڈ کے موقعہ پر ساری فوج ہندوستان کے سب سے بڑے فرزند کی یاد میں دو منٹ تک خاموش کھڑی رہی۔ اس باقاعدہ رسم کے علاوہ بھی ہزاروں فوجی افسروں اور نیک دل سپاہیوں نے پاکستان کے عام شہریوں کے ساتھ فوجی ماتم کا یہ دن دکھ اور افسوس سے گذارا لاہور۔ سارے مغربی پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد کے تمام بڑے بڑے شہروں میں ہڑتال رہی۔ جس کے لئے مغربی پنجاب کے وزیراعظم نے اپیل کی تھی اور ہزاروں مسلمانوں نے آج روزہ رکھا تھا۔ اور اپنی مذہبی روایات کے مطابق گاندھی جی کے لئے خیرات دی۔ صوبہ مسلم لیگ پنجاب کے صدر میاں افتخار الدین صاحب ارتھی میں شمولیت کے لئے لاہور سے دہلی گئے اور لیگی جھنڈے بھی احترام کے لئے جھکے رہے۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے تمام جھنڈے بھی ساری مملکت میں تین دن تک سرنگوں رہے۔ احرار پاکستان نے اپنے ماتمی تار میں پنڈت جواہر لال نہرو۔ شری دیوداس گاندھی اور مولانا آزاد کو لکھا "ہم ملک اور قوم اور آدمیت کے اس عظیم واقعہ پر آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے صدر ماسٹر تاج الدین انصاری نے ایک ماتمی جلسہ میں کہا "گاندھی جی ہندو مسلم اتحاد کی جنگ میں شہید ہو گئے"۔

پاکستانی اخبارات نے بھی اس ماتم میں پورا حصّہ لیا۔ ترقی پسند مصنفین

کے پبلک اجتماع میں گاندھی جی کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اور ان کی یاد میں مقالات پڑھے گئے۔ اخبارات نے اپنے حاشیئے سیاہ کئے اور گاندھی جی کی زندگی اور موت پر دردناک مضامین لکھے۔ انھیں میں سے:۔

پاکستان ٹائمز نے کہا۔ "تاریخ میں کوئی ایسا آدمی نہیں ملتا جس نے اپنی زندگی دوسروں کی عزت بچانے کے لئے اپنوں کے خلاف لڑکر نچھاور کی ہو۔"

روزنامہ انقلاب لاہور "وہ ستیہ واہنسا اور ہندو مسلم اتحاد کے مظہر تھے

سول ملٹری گزٹ "ہندوستان اور پاکستان کے کروڑوں لوگوں کو آج سوچنا چاہیے کہ اس خوفناک حقیقت کا مطلب کیا ہے؟"

لیگی ترجمان روزنامہ نوائے وقت "گاندھی جی کی موت امن عالم کے لئے سب سے بڑا نقصان ہے۔ خدا ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں کو یہ روز بد نہ دکھائے۔"

روزنامہ احسان "گاندھی جی زندہ جاوید ہوگئے۔"

احرار ترجمان روزنامہ آزاد "دنیا سے صداقت کا آفتاب غروب ہوگیا وہ دنیا کے ان بڑے انسانوں میں سے ایک تھے جن کی عظمت کے آگے تاریخ کی پیشانی جھکتی تھی۔"

روزنامہ زمیندار "گاندھی جی کو ہلاک نہیں کیا گیا۔ ہندوستانی انسانیت نے موت کے دروازے پر دستک دی ہے۔"

جن لوگوں نے تاریخی بیانات بھیجے ہیں ان میں . . . . . .

. . . . . . سرلیگی اور غیر لیگی چھوٹے اور بڑے نے حصّہ لیا اور گاندھی جی کی خدمات کو سراہا۔

صوبہ سرحد میں جہاں کے قبائلی گاندھی جی کو "ملنگ بابا" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور سرحد کے عام باشندوں پر اس کا خاص اثر ہوا ہے۔ سرحد کے لیگی وزیر اعظم، خان عبدالقیوم خاں وہاں کے لیگی رہنما پیر صاحب مانکی شریف صاحب نے اپنے تعزیتی پیغامات بھیجے۔ سارے ہی پاکستان کی طرح صوبہ سرحد میں بھی سب کاروبار اور سرکاری دفاتر بند رہے۔ پشاور کے ریڈیو اسٹیشن نے اپنا سارا اردو اور پشتو پروگرام گاندھی جی کے لئے وقف رکھا۔ جسے سرحد کے علاوہ "آزاد قبائل" اور افغانستان کے پشتو جاننے والے لوگوں نے بہت دکھ اور افسوس کے ساتھ سنا۔

گاندھی جی کے عزیز دوست سرخ پوش رہنما فخر افغان خان عبدالغفار خاں نے جو آج وقت کی غلط بخشیوں کا شکار ہیں اور جنھیں سرحدی گاندھی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے یہ دن نہایت افسوس اور دکھ کے ساتھ گزارا۔ سرحد کے کونے کونے سے لوگ بادشاہ خاں کے پاس تعزیت کے لئے آئے۔ تحریک کے مرکز سردار یاب میں آج تک گاندھی جی کی تعزیت کے لئے فخر افغان بادشاہ خان کے پاس لوگ آتے ہیں۔ خود بادشاہ خان کو گاندھی جی کی موت سے سخت دکھ پہنچا ہے۔ اور وہ اس صدمہ سے اکثر مضمحل رہتے ہیں۔

سرحد کے تمام قبائلی لیڈروں نے گاندھی جی کی وفات کو بری طرح

محسوس کیا۔ فقیر ایپی صاحب اور حاجی صاحب اورک زئی نے روزہ رکھا اور مختلف علاقوں اور مسجدوں میں گاندھی جی کی زندگی پر تقاریر اور انکے لئے دعائیں کی گئیں۔ آزادی ہند کے ساتھ جب ملک تقسیم ہوا تو دو ملکوں کے ساتھ ہی ایک تیسری قوم بھی عالم وجود میں آئی۔ جسے آج کل کی زبان میں پناہ گزیں یا شرنارتھی کہتے ہیں۔ گاندھی جی کی موت سے ملک کے دونوں حصوں میں اس مہاجر قوم اور ان ہی لوگوں کی ایک گراں پایہ اور گمشدہ متاع، اغوا شدہ عورتوں پر بھی بجلی گری۔ ان شریف گھرانے کی بیٹیوں کو جو آج دونوں حصوں میں قوم کے "اوباش لیڈروں" کا کھلونا بنی ہوئی ہیں۔ دوبارہ واپسی کی بھاری امیدیں تھیں۔ جب انھوں نے گاندھی جی کی موت کا حال سنا تو ان دکھی دلوں کی آس ٹوٹ گئی، ہونٹ خشک اور چہرے مرجھا گئے۔ اور وہ لوگ جنھیں ہجرت کی آب وہوا راس نہ آئی تھی زار وقطار روتے دیکھے گئے۔ پاکستان کی حکومت اور لوگوں نے جس خلوص اور دلی دکھ کے ساتھ اس حادثہ کو محسوس کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو قوموں اور دونوں حکومتوں میں کبھی کوئی اختلاف ہی نہ تھا اگر آج اہل ملک اور برسر اقتدار طبقہ اس طرف توجہ کرے اس موقعہ سے فائدہ اٹھائے تو دونوں ملکوں کی مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ ان کروڑوں دکھی پناہ گزینوں کے مسائل میں بھی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جو آج دونوں طرف اپنے گوناگوں مصائب کے باعث "واپس چلو" کا نعرہ سننے کے منتظر ہیں۔ (نیا دور۔ دہلی ۴ مارچ ۱۹۴۸ء)

۱۲ فروری ۱۹۴۸ء کو الہ آباد کے سنگم میں آخری رسم منانے کے بعد ۱۴ فروری کی رات کو پنڈت جواہر لال نہرو نے آل انڈیا ریڈیو سے جو تقریر کی ہے وہ گاندھی جی کے واسطے سے ہمارے لئے ایک دعوت عمل ہے۔ پنڈت جی فرماتے ہیں۔

"دو ہفتے بیت گئے جب ہند اور دنیا کو اس المناک سانحہ کا علم ہوا۔ جس کے باعث ہندوستان صدیوں تک شرم و ندامت کے مارے اپنا سر اونچا نہ کر سکے گا طویل رنج و الم کے دو ہفتے جن کے دوران عوام نے دلوں کو ٹٹولا۔ خوابیدہ مگر بے پناہ جذبات کا سیلاب امڈ آیا بیشمار انسانوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بندھ گئی۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آنسو ہماری کمزوریوں کو چھپا سکتے اور کوتاہیوں کی پردہ پوشی کر سکتے۔ تاکہ ہم اپنے تئیں اپنے آقا کے جس کے غم میں ہم غرق ہیں قدرے قابل ثابت کر سکتے۔ دو ہفتہ جن ایام میں کرۂ ارض کے ہر گوشہ سے تعزیت اور عقیدت کی صدائیں بلند ہوئیں، شاہوں اور تاجروں عظیم المرتبت ہستیوں اور عوام نے مل کر ماتم منایا۔ ہر ایک نے خود بخود اسے اپنا رفیق۔ ساتھی اور اپنے تقاضوں کا ترجمان پایا

جذبات کا سیلاب قدرتاً آہستہ آہستہ دھیما پڑ جائے گا۔ لیکن ہم اپنی سابقہ حالت پر کبھی واپس نہیں آ سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ہماری زندگیوں اور دلوں کے ریشے ریشے اور تار تار میں سما گیا ہوا ہے

لوگ اس کی یادگار میں کانسی یا سنگ مرمر کے مجسموں اور ستونوں کے نصب کرنے کا ذکر اذکار کرتے ہیں ہم اس طرح مذاق کرتے ہیں۔ اس ہستی

سے اور اس کے مشن و پیغام کا خون کرتے ہیں۔ ہم کو نسا خراجِ عقیدت پیش کر سکتے ہیں جو اسے مرغوب تھا۔ اس نے ہمیں جینے اور مرنے کی راہ دکھلا دی۔ اور اگر ہم نے اس درس سے کچھ نہیں سیکھا تو بہتر ہو گا کہ ہم کوئی یادگار ہی قائم نہ کریں۔ کیونکہ اس کی حقیقی یادگار یہی ہو سکتی ہے کہ ہم احترام سے اس کے نقشِ قدم پر چلیں۔ اور ہم اپنی زندگی اور موت میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کریں۔

وہ ہندو تھا اور ہندوستانی کئی نسلوں میں یکتا۔ اسے فخر تھا ہندو اور ہندوستانی ہونے میں۔ اسے ہند عزیز تھا۔ کیونکہ ہندوستان قدیم زمانے سے غیر متغیر سچائی کا علمبردار تھا۔ گو وہ صحیح معنوں میں دھرم کا سروپ تھا۔ اور آزاد کردہ قوم کا پتا جی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کی روح قومی اور جغرافیائی حدود سے کہیں بالاتر اور مذہب کی قیود سے آزاد تھی۔ وہ بین الاقوامی تقاضوں کا داعی قرار دیا گیا۔ کیونکہ اس کا بنی نوعِ انسان کی یگانگت، مذاہب کی حقیقی یکسانیت اور نوعِ انسان کی لوازمات میں اعتقاد تھا۔ خصوصاً اس نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ لاکھوں تڑپا۔ مظلوم اور بے کسوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ تاریخ میں ایسی عالمگیر خراجِ عقیدت کی مثال عقیدت کا اظہار اس کی انتہائی مسرت کا موجب ہوتا۔ اس صدمہ کے دوسرے روز ہم تمام تلخی و کشیدگی جو ہم میں سرائت کر گئی تھیں اور گذشتہ چند ماہ کے تصادم و یگانگی کو بے خودی کے عالم میں بھول گئے۔ گاندھی جی ہندوستان کی جنتا کے واحد محبوب قائد اور داعی کے درجے پر سابق کی طرح ممتاز نظر آنے

گئے۔ جیسے کہ وہ ہندوستان کے حلقے بحری کرنے سے پیشتر زندہ قوم کے روح رواں تھے

انسان کے دل و دماغ پر ان کے ایسے زبردست اقتدار کا سبب آخر کیا تھا اس کا فیصلہ آنے والی نسلیں کریں گی۔ ہم انتہائی قربت کی وجہ سے ان کی غیر معمولی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ لیکن ہمیں اس امر کا احساس ضرور ہے کہ ان میں سچائی کا عنصر غالب اور نمایاں تھا۔ اس سچائی کے سبب وہ ہمیشہ ڈنکے کی چوٹ کہا کرتے تھے کہ بدی کے ذریعہ نیک مقاصد کا حصول بے معنی ہے۔ اگر بدی کے طریقے اختیار کئے جائیں تو نیک مقصد کے معنی ہی مفقود ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جب بھی انھیں کسی غلطی کا احساس ہو جاتا تو وہ علی الاعلان اس کا اعتراف کرتے۔ انھوں نے اپنی کئی ایک غلطیوں کو ہمالیہ جتنی بڑی غلطیوں سے منسوب کیا۔ بدی پر جہاں بھی ان کی نظر پڑی انھوں نے نتائج سے بے نیاز ہو کر اس کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اس راستی کے باعث ان کی زندگی کا مقصد غریبوں اور بے کسوں کی خدمت تھا کیونکہ جہاں کہیں بھی امتیازی سلوک اور فرقوں میں ناہمواری کا دخل ہوا وہاں بدی۔ بے انصافی اور جھوٹ کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ سیاسی اور سماجی مظلوموں کے محبوب اور نوع انسان کے محسن بن گئے۔ اسی روشنی نے ان کی ہر نشست گاہ کو مندر اور ہر نقش قدم کو زیارت گاہ بنا دیا۔ ہم ان کے جسمانی جسم سے محروم ہو گئے۔ نہ ہم انھیں دیکھ سکیں گے اور نہ ہی ان کی لطیف آواز سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔ ان کے دانشمندانہ

مغورے بھی ختم ہوگئے لیکن ان کی غیر فانی یاد اور ابدی پیغام کو کون چھین سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کس طرح ان پر کاربند ہو کر اپنی زندگیوں کو اس سانچے میں ڈھال سکتے ہیں؟

وہ ہندوستان میں اتحاد کے محور تھے۔ انھوں نے ہمیں دوسروں کے ساتھ نہ صرف رواداری کا ہی درس دیا بلکہ ہر ایک کو مشترکہ ذمہ داریوں میں بخوشی ساتھی اور رفیق بنانے کا سندیس بھی۔ انھوں نے ذاتیات اور بدظنی سے بالاتر ہو کر دوسروں کی خوبیوں کو دیکھنے کا سبق بھی دیا۔ ان کی موت اور آخری چند ماہ اس لافانی پیغام اور فرخدلانہ برداشت و اتحاد کے شاہد ہیں۔ ان کی سورگباشی سے قلیل عرصہ پیشتر ہم نے اپنے عہد کی ایفائی کا اقرار کیا تھا۔ ہمیں اس عہد پر قائم رہنا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں کے تمام باشندے بلا لحاظ مذہب و ملت ہندوستانی ہیں۔ وہ ہمارے عظیم الشان ورثہ میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کے حقوق و فرائض یکساں ہیں عظیم اقوام کی مانند ہماری قوم بھی لازماً مرکب ہے۔ تنگ نظری اور اس عظیم قوم کی حدود کو مختصر کرنے کی کوشش اس آخری درس سے غداری کے مترادف ہوگی اور اس کا انجام قوم کی تباہی اور آزادی سے محرومی کے سوا کچھ نہ ہوگا جس کے لئے وہ کوشاں رہے۔ اور بہت حد تک اس کے حصول میں کامیاب ہوئے

عوام کی خدمت بھی کوئی کم اہم نہیں۔ جن کی گذشتہ داستان مصائب و الم کے افسانوں سے پر ہے۔ ان کی خدمت فرض اولین ہے۔ ان کی

اصلاح اور بہبودی کے مقابلہ میں دوسری کوئی بھی چیز ثانوی درجہ رکھتی ہے۔ صرف اخلاق اور انسانیت کی ہی بنا پر نہیں بلکہ عام سیاسی نکتہ نظر سے بھی عوام کا معیار بلند کرنے اور انھیں ترقی کے مواقع بہم پہنچانے اشد ضروری ہیں۔ کوئی بھی سماجی نظام جو انہیں ان موقعوں سے محروم کرتا ہے قابل نفریں ہے۔ اور اس کی تبدیلی لازمی ہے

گاندھی جی فانی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ مگر ان کی روحانی جوت ہمارے گردوپیش جگمگا رہی ہے۔ اور اب ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ اور فوری ضرورت ہے کہ اپنی بساط کے مطابق اس بارے سکیدوش ہونے کی ہر ممکن مساعی عمل میں لائیں۔ ہمیں رابطہ و اتحاد مستحکم کر کے اس خوفناک فرقہ وارانہ زہر کے اثرات کو زائل کرنا چاہیئے۔ جس نے ہمارے عظیم ترین انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہمیں اس اژدھا کا گمراہ افراد کے خلاف عناد اور انتقامانہ جذبات سے نہیں بلکہ بدی کے خلاف جنگ کرنیکے نقطہ سے قلع قمع کرنا چاہیئے۔ صرف گاندھی جی کی موت سے اس شرارت کا فاتحہ نہیں پڑھا گیا اس سے بھی کہیں زیادہ شرمناک فعل وہ ہے جو بعض اشخاص نے ان کی موت پر ظاہر کیا مثلاً کئی طریقوں سے جشن منائے۔ اشخاص جو ایسے رذیل فعل کے مرتکب ہوئے ہیں کسی بھی صورت میں ہندوستانی کہلانے کا حق نہیں رکھتے۔

میں نے کہا کہ ہمارے لئے قوم کے اس نازک مرحلے پر اتحاد و رابطہ قائم رکھنا از بس ضروری ہے۔ ہمیں حتی الوسع عوام میں متنازعہ امور پر تنقید و تشریح سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور اہم معاملوں پر متفقہ نکات پر زور دینا

چاہیے۔ میں پولیس سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس اہم کام میں ہاتھ بٹائیں۔ شخصی یا دیگر تخریبی تنظیموں سے جو ملک میں تفرقات کو ہوا دیتی ہیں ہاتھ روک لیں۔ میری یہ اپیل خصوصاً کانگریس میں لاکھوں رفیقوں ساتھیوں سے ہے۔ جو بعض اوقات مہاتما گاندھی کی نیم دل سے پیروی کرتے رہے ہیں

سردار پٹیل اور میرے درمیان نہایت اہم اختلافات کے متعلق اخباروں میں پڑھکر نیز کانا پھوسیوں سے مجھے ناقابل بیان دکھ ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کئی برسوں سے بعض مسائل کے متعلق ہمارے درمیان مزاجی یا دیگر اختلافات رہے ہیں۔ لیکن کم از کم ہندوستان کو ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ پبلک زندگی کے اہم ترین پہلوؤں پر قطعی سمجھوتے ان اختلافات پر غالب آتے ہیں اور ہم نے ایک چوتھائی صدی تک متعدد عظیم مہیں خانہ نشانہ کی ہیں ہم دکھ سکھ میں شریک رہے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے کوئی ایسا تنگ دل واقع ہو کہ قوم کی مصیبت کے وقت ماسوائے قوم کی بہبودی کے کسی دوسرے خیال خام کا دل میں گذر ہو۔ میں سردار پٹیل کو نہ صرف قوم کی خاطر زندگی بھر کی خدمات کے صلہ میں بلکہ ان کے کارہائے نمایاں پر جو انہوں نے ہند سرکار میں میرے ساتھ شمولیت کے وقت سے سرانجام دئے ہیں احترام اور خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ وہ امن و جنگ میں عوام کے نڈر جرنیل رہے ہیں۔ جب کئی ایک کے عزم ڈگمگانے لگے تو وہ استقامت کے پیکر ثابت ہوئے۔ وہ تنظیم کے درخشاں ستارے ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ مجھے ان کے ساتھ اتنے طویل عرصے کام کرنے کا موقع ملا۔ وقت کی رفتار کے ساتھ

ساتھ ان کے لئے میری محبت اور ان کی غیر معمولی خوبیوں کی قدر میں اضافہ ہوتا گیا۔

حال ہی میں پریس میں اس نوعیت کی غیر مصدقہ خبریں شائع ہوئی ہیں کہ میں نے رفیق دوست جے پرکاش نارائن کے بارے میں سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی ہے جس سے عوام میں غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ خبریں نادرست ہیں میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی سوشلسٹ پارٹی کی بعض پالیسیوں کے متعلق میرے اختلافات ہیں۔ اور یہی وجہ مجھے افسوس بھی ہے اور میرا خیال ہے کہ واقعات کی رفتار یا جذبات کے زیر اثر انھوں نے نادرست بیان جاری کئے۔ یا کوئی کارروائی کی۔ لیکن مجھے جے پرکاش نارائن کی قابلیت اور راستبازی کے متعلق کوئی شبہ نہیں۔ میں ان کی دوست کی حیثیت سے قدر کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وقت آئے گا جب وہ ہندوستان کی قسمت کی تشکیل میں نہایت اہم پارٹ ادا کریں گے۔ بدقسمتی سے طویل عرصہ سے سوشلسٹ پارٹی منفی کی پالیسی پر کاربند رہی ہے۔ اور انھوں نے ترجیحی وسیع مسائل کو نظر انداز کر دیا ہے۔

اس لئے میں پبلک زندگی میں رواداری اور تعاون کی اپیل کرتا ہوں تاکہ ہم متحد طور پر ہندوستانی قوم کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کر کے اسے عرش رفعت تک پہونچا سکیں۔ ہم مل جل کر صوبائی تنگ نظری اور فرقہ وارانہ زہر کو دور کرنے کی انتہائی کوشش کریں۔ میں صنعتی تصادم کو ترک کرنے اور تعمیرات کے لئے اجتماعی کوشش کرنے کی اپیل کرتا ہوں۔ میں ان اہم کاموں کی تکمیل کا آپ سے عہد و پیمان کرتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ پنسل

گاندھی کے خوابوں کی تعبیر دیکھنے کے قابل ہو سکے گی۔ اس طریق پر ہم انکی یادکا احترام کریں گے اور موزوں یادگار قائم کریں گے۔" جے ہند"
(مرکزی اطلاعات)

میں آخر میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر "صدق" کے جذبات کو یہاں درج کرتا ہوں۔ مسلمانوں کی طرف سے مہاتما جی کے لئے خراج تحسین سمجھئے۔

اک خونچکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

گاندھی جی رخصت ہو گئے، دنیا جنھیں مہاتما اور دیوتا سروپ اور خدا معلوم کن کن تعظیمی ناموں سے پکارتی تھی۔ اپنے ملک اپنی قوم سے دم کے دم میں ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ وہ کسی گورے کی سنگین سے نہیں کسی پاکستانی کی تلوار سے نہیں ایک ہندوستانی ننگ ہندوستان ہندوستانی ہی کی گولی سے ہلاک ہوئے۔ ایسی موت کو موت نہیں شہادت کہتے ہیں شہادت اصطلاحی نہیں شہادت جو حق پرستی کی راہ میں مظلوموں کی حمایت و نصرت کی راہ میں۔ داد خواہوں کی فریاد رسی کی راہ میں نصیب ہوتی ہے۔ سفاک قاتل کی گولی اس مشت خاک کے جسم پر نہیں چلی عین انسانیت کے سینے کو چھلنی کر گئی۔

گاندھی جی عقیدۃً بھی نیم مسلمان ضرور تھے۔ توحید کے پوری طرح قائل ومعترف۔ محمد رسول اللہ صلعم کو ملک عرب ہی کا نہیں، ساری دنیا کا مصلح معلم تسلیم کرنے والے، آپ کے نام اور کلام دونوں کی نہایت عزت کرنے والے، قرآن مجید کو ترجموں کی مدد سے باربار اور کثرت اور شوق سے پڑھنے والے اور اپنے عمل کے لحاظ سے تو اس وقت ساری زندہ آبادی میں ہندوستان کی زندہ آبادی میں ہندوستان کے ہم ۴ کروڑ مسلمانوں کے سب سے بڑے پشت پناہ، انکی اس

شہادت سے ہندوستان پر بہ حیثیت مجموعی جو کچھ گزرے گی وہ تو بعد ہی
خود مسلمانوں کی دیکھنا چاہئے کہ تو ڑ گئے۔ مسلمانوں کو ان کی چھنی ہوئی اور بٹی
ہوئی مسجدیں واپس دلا رہے تھے۔ اور ان کے اندر سے مورتیوں کو وہ ہٹوا رہے
تھے۔ مسلمانوں کی جان، ایمان، عزت و مال سب کی حفاظت وہ اپنا دھرم سمجھے
ہوئے تھے۔ بے گھر مسلمانوں کو پھر سے وہ گھروں میں آباد کرا رہے تھے۔ ہزار ہا
لکھو کھا نیم جان مسلمانوں میں از سر نو جان وہی ڈال رہے تھے۔ جان انہی مسلمانوں
کی ہمدردی میں اور مسلمانوں ہی کی جانیں بچاتے ہوئے انھوں نے دیدی۔ اپنے کو
قربان کر دیا۔ تا کہ مسلمان محفوظ رہیں

آج جب وہ اپنے خون بہتے ہوئے جسم اور فاقہ سے زار و نزار بدن کے ساتھ
اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں حاضر ہوتے ہوں گے۔ تو عجب نہیں کہ فرشتوں
نے بہ ادب بارگاہ قدس میں عرض کی ہو کہ دل کے اندر کے عقائد کا حال تو حضیہ
والا ہی جانیں۔ اتنی شہادت ہم اور ہمارے ساتھ ناسوت کے بے شمار بندے
بھی دے رہے ہیں کہ اس وقت آپ کی توحید کے پرستاروں اور آپ کے حبیب
کی امت کا سینہ پر سب سے بڑھ چڑھ کر یہی بندہ تھا اور جس جرم میں یہ
قتل ہو کر آیا ہے وہ بجز مسلم دوستی کے اور کچھ نہ تھا

(پیام - حیدر آباد دکن - ۱۰ فروری ۱۹۴۸ء)

گاندھی جی کی شہادت پر شعراء نے بھی اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ روش صدیقی
کا ایک شعر ہے

بُلا کے بارگہ کبریا رسا کی میں۔ کسے خبر کہ مشیت نے کیا دیا تجھ کو

وامق جونپوری کی یہ نظم جامعہ کے ایک جلسے میں تیر صاحب نے پڑھی تھی حاضرین نے بہت پسند کی۔ نظم کا عنوان ہے "مکتی"

مکتی

جواب اس کا کون دے؟! جواب اس کا کون دے!!
کسے اب اتنا ہوش ہے!!
کہ ملک کس کے سوگ میں آج سیاہ پوش ہے!!
جواب اس کا کون دے!؟
یہ کس کا خون بہہ گیا!!
یہ کون جاتے جاتے دل کا راز سب سے کہہ گیا؟
یہ کون قتل ہو گیا؟
فسانۂ حیات کون کہتے کہتے سو گیا؟!
جواب اس کا کون دے؟
کہ خود ہمارے ہاتھ اس لہو میں ہیں رنگے ہوئے
وہ زندگی کا رازداں
وہ بے لبوں کا پاسباں
وطن کا میر کارواں
نظر سے دور ہو گیا
وہ جام جو چھلک رہا تھا
حریت کے میکدے میں ——
دیر سے مہک رہا تھا
چور چور ہو گیا

۱؎ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس اس سال گاندھی جی نے اپنے اہتمام میں منایا تھا اور ۲۷ جنوری ۴۸ء کو گاندھی جی خود بھی مزار پر تشریف لے گئے تھے

نظر سے دور ہو گیا
وہ بوڑھا جسم، ہڈیوں کا ایک کانپتا بدن
مگر اسی میں اس قدر جوان لہو تھا موجزن
کہ جس کی بوند بوند میں بسی تھی الفتِ وطن
لہو وہ آج بہہ گیا
وہ بوڑھا جسم مر گیا
مگر وہ کام کر گیا
جو اپنے سامنے وہ جیتے جی نہ پورا کر سکا
تمام عمر درسِ امن و آشتی دیا کیا
تمام عمر جو اسی امید پر جیا کیا
کہ ایک دن ضرور سارے تفرقے مٹائے گا
فساد کا یہ کفر تعل طلسم ٹوٹ جائے گا
وہی بزرگ خاندان
وہی سہارا راہنما
ہم ہی سے آج چھٹ گیا
سہاگ اور وطن کا اپنے ہاتھوں لٹ گیا
سپہرِ ہند کی اندھیری رات کا وہ ماہتاب
قریبِ صبح چادرِ شفق میں منہ لپیٹ کر
لہو بھرے کفن میں اپنی ہچکیاں سمیٹ کر
نظر سے دور ہو گیا
ہمیں کہیں نڈھال ہو کے بدلیوں میں کھو گیا
ستارے ماند پڑ گئے
ذرا جو تیز گام تھے وہ بدلیوں سے رک گئے
بنے ہوئے ہزار ہا برس کے سخت تلخ کے ڈھیر
پگھل کے
نرم ہو گئے
ہوا کے سرد جھونکے رفتہ رفتہ گرم ہو گئے
وہ چاند جو غروب ہو گیا تھا بن کے آفتاب
دلوں کو ایک نئی صباح زندگی میں گوندھتا
بلند ہوتا جا رہا ہے مشرقی فضاؤں میں۔
پھر اتحاد کے پھریرے کھل گئے ہواؤں میں

غلط کہ میر کارواں
غلط کہ اپنا پاسباں
نظر سے دور ہو گئے
نظر سے دور ہوتے ہی دلوں میں کھنچ کے آ گیا
ہماری روحوں کے شکستہ تاروں کو ملا گیا

وہ خون، وہ رقیق شے
سرود زندگی کی لے
وہ سرخ چشمۂ حسیں
نکار زندگی کو اس قدر حسیں بنا گیا
کہ

موت کا سیاہ دیو
اپنی نکبتوں کے بوجھ ہی میں دب کے رہ گیا
سیاہ دل میں جس قدر سفید خون تھا بہہ گیا
اداس ہو رہے تھے جو دماغ جگمگا گئے
ہمارا نوجوان قافلہ پھر اٹھ کھڑا ہوا
بدیشی رفتہ اور نظام کہنہ سے لڑا ہوا

دوبارہ ہو کے تازہ دم
قدم قدم، بہم بہم
شعاع زرنگار کے جلو میں چل کھڑا ہوا —
نقیب وقت سے کہو!!
کہ انقلاب کے وہی پرانے نعرے پھر لگائے
جو راستوں سے ہٹ گئے ہیں ان کو راہ پھر دکھائے
یہاں تک یہاں [illegible] کہ کوئی باقی رہ نہ جائے
دلوں میں جن کے چور ہیں وہ اس کو خوب جان لیں
کہ رات اب نہ آئے گی
گھٹا نہ دن پہ چھائے گی
کہ جس کی آڑ سے کوئی کمند پھر لگا سکے جو سو رہے تھے جاگ اٹھے
وہ چاند جو غروب ہو گیا تھا بن کے آفتاب
دلوں کو اک نئی شعاع زندگی میں گوندھتا
بلند ہوتا جا رہا ہے مشرقی فضاؤں میں پھر اتحاد کے پھریرے کھل گئے ہواؤں میں

اب کیا ہو؟

پاکستان بننے سے پہلے میری کیا رائے تھی ۔ وہ آپ جانتے ہیں میں نے کئی بار دوستوں کی مجلسوں میں یہ کہا ہے کہ اگر پاکستان کا مطالبہ جائز ہے تو یہ تحریک صرف ان لوگوں کو چلانی چاہیے جو اکثریت کے صوبوں میں رہتے ہیں۔ لیکن یہ تحریک محض حق کی بنا پر ہونی چاہیے نہ کہ دو قوموں کے نظریے اور نفرت کی بنا پر چنانچہ کانگریس نے بار بار کہا ہے کہ جو صوبے یونین سے علیحدہ ہونا چاہیں انھیں ایسا کرنے کا حق ہوگا۔ کیبنٹ مشن نے بھی پہلے انتخاب کے بعد ہی یہ حق دیا تھا کہ صوبے چاہیں تو الگ ہو سکتے ہیں۔ مگر بدگمانی ہمارے دلوں پر اس درجہ چھائی ہوئی تھی کہ دو قوموں کے نظریے اور نفرت کے جذبے پر ہم تازیانے پر تازیانے لگاتے گئے ۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے! جو مسلمان اقلیت کے صوبوں میں رہتے ہیں ۔ ان کے متعلق مجھے کتنی حیرت ہوتی تھی کہ آخر پاکستان کی حمایت یہ کیوں کرتے ہیں!! پاکستان کا مطالبہ پاکستان والے جانیں! ہمیں تو ہندوستان کی حکومت کا باشندہ بن کر رہنا ہے ۔ یہاں کے باشندوں سے مل جل کر ہی کام چلانا ہے ہمارے مسائل، ہمارے دکھ درد، سکھ چین مشترک ہیں ۔ آخر ہم

کس کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ اپنے گھروں کو آگ لگا کر دوسروں کے گھروں میں پناہ لینا کہاں کی عقل مندی ہے! مگر محسن صاحب! سنتا کون تھا! ——— خیر جو کچھ بھی ہوا، ہوا، ماضی کے رونے سے مستقبل کیسے سنور سکتا ہے۔ سوال یہ ہے اب کیا ہو! کیا پاکستان پھر سے ہندوستان میں ملا دیا جائے۔ کچھ آوازیں سننے میں آتی ہیں۔ اب جبکہ پاکستان بن چکا ہے یکمل تجربہ کئے بغیر پھر سے ملا دینے کی کوشش کرنا ایک غلطی ہوگی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں پھلیں پھولیں جیسا کہ سروجنی نائیڈو نے ایک موقع پر کہا :-

"پاکستان کے لئے ہمارے دل میں نیک دعاؤں کے سوا دوسری کوئی بات نہیں ہے۔ ہم خلوص دل سے یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان پھلے پھولے۔ لیکن میں یہ بھی کہنا چاہتی ہوں کہ دونوں نوآبادیاں نفرت اور بغض کینے سے نہیں بلکہ باہمی تعاون اور رواداری کے راستے کو اپنا کر ہی اس راستے پر بڑھ سکتی ہیں"

بے شک دونوں کی یہ کوششیں دو قوموں کے نظریے اور نفرت کی بنا پر ہرگز ہرگز نہ ہونی چاہیے۔ ورنہ نتیجہ "معلوم شد" اب ہر جگہ کے لوگوں کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ دونوں ملکوں میں ایسی وزارتیں برسر اقتدار رہا کریں جو ہر قیمت پر دونوں میں دوستی محبت قائم

رکھیں اور فرقہ وارانہ زہر کے لئے کسی جگہ گنجائش نہ رہے۔ ہندوستا
ن میں کانگریس کی کوششیں جاری رہیں گی۔ ضرورت ہے کہ پاکستان
بھی اسی مقصد کی انجمن وجود میں آئے جس میں ہندو، مسلمان، سکھ
عیسائی سب شریک ہو سکیں۔ ان فسادات کے بعد ۱۴، ۱۵ نومبر ۴۹ء
کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے جو اہم تجاویز منظور کی ہیں اس سے کانگرس
کا بلند مطمح نظر ظاہر ہوتا ہے۔ ان میں سے چند تجاویز یہاں درج کی
ہوں:-

اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں کانگریس کی تجویز کا خلاصہ
اس طرح ہے

.... کانگریس کی نشوونما ایک ایسے عقیدے کی بنیاد
پر ہوئی ہے جس کی رو سے ہر ہندوستانی خواہ وہ کسی مذہب کسی
قوم اور کسی فرقے کا فرد ہو شریک ہو سکتا ہے
کانگریس ہندوستان میں رہنے والی اقلیتوں کو یقین
دلانا چاہتی ہے کہ وہ برابر ان کے حقوق کی حفاظت (حسب سابق)
کرتی رہے گی اور اپنے تمام شہریوں کے حقوق کی بھی نہ صرف
حفاظت کرے گی بلکہ دوسروں کے حملہ اور مداخلت بیجا سے
بچائے گی
مرکزی حکومت نیز صوبجاتی حکومتیں اس بات کی پوری
کوشش کریں گی کہ وہ ایسی فضا پیدا کر دیں جس میں تمام اقلیتیں

بحفاظت تمام رہ سکیں اور ملک کے تمام باشندوں کو ترقی کرنے کا پورا پورا موقع مل سکے "۔

ایک اور تجویز میں کانگریس نے فسادات اور تبادلۂ آبادی کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے :-

کل ہند کانگریس کمیٹی بڑے پیمانے پر اس ترک وطن کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی مصیبت میں مبتلا ہو گئے جس نے نہ صرف قومی سرمایہ کے نظم و نسق کو الٹ دیا ہے بلکہ جو کانگریس کے اُس نصب العین کے بالکل خلاف ہے۔ جس پر وہ ابتدا سے چلتی آئی ہے۔ کمیٹی کی رائے ہے کہ اس ترک وطن کی ہمت افزائی نہ کی جائے۔ اور دونوں حکومتوں، ہندوستان، پاکستان میں اقلیتوں کے لئے ایسی فضا پیدا کر دی جائے جس میں وہ امن و سکون اور حفاظت کے ساتھ رہ سکیں۔ کمیٹی " کی رائے ہے کہ پاکستان کے ہندوؤں اور سکھوں کو ترک وطن کر کے ہندوستان میں بسنے پر اسی طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو پاکستان میں ہجرت کر جانے پر مجبور کرنا غلط ہے.........."

.........." اب ہر ممکن کوشش اس بات کی جائے کہ دونوں ملکوں سے تخلیہ اور ترک وطن کرنے والے پوری طرح اپنے اصلی وطنوں اور اپنے گھروں کو بحفاظت واپس

آجائیں۔ اور امن و سکون سے رہیں۔ الّا یہ کہ وہ خود اپنی خواہش سے وہاں رہنا چاہیں ایسی صورت میں منتقل ہونے میں سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچائی جائیں، مرکزی حکومتِ ہند اور پاکستان کا فرض ہے کہ وہ اسی بنیاد پر معاملہ کریں اور ایسی حالت پیدا کردیں کہ تخلیہ کرنے والے اور گھر بار چھوڑنے والے بحفاظت و باطمینان واپس جاسکیں۔

بہرحال ہند یونین میں جس پالیسی پر عمل کیا جائے گا وہ یہ ہے کہ جو اقلیتیں اب بھی ہندوستان میں رہتی ہیں۔ ان کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی منتقلی کو طاقت سے ایسی فضا پیدا کرکے جس سے منتقلی کا امکان ختم ہوجائے روکا جائے گا۔"

تیسری تجویز میں فرقہ وارانہ انجمنوں کے بارے میں کہا گیا:۔

آل انڈیا کمیٹی کو یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ ہندو مہاسبھا مسلم لیگ اور اکالی پارٹی جیسی فرقہ وارانہ انجمنیں مذہبی بنیاد پر اپنے مفاد کو ترقی دینے کی کوشش کررہی ہیں جو قومی مفاد کے خلاف ہے۔ قومی مفاد۔ مذہبی بنیاد پر مبنی نہیں ہونا چاہیے بلکہ سیاسی جماعتی اور اخلاقی بنیاد پر مبنی ہونا چاہیے۔"

چوتھی تجویز میں خانگی فوجوں کے بارے میں کہا گیا ہے:۔

آل انڈیا کمیٹی اس بات پر افسوس ظاہر کرتی ہے کہ کچھ انجمنوں میں پرائیویٹ فوجیں بنانے کی خواہش بڑھتی جاتی ہے۔ ایسی

فوجوں کا وجود میں آنا ملک کی سلامتی اور دیس کی یکساں ترقی کے لئے خطرناک ہے۔ صرف حکومت کو ہی فوج یا پولیس یا ہوم گارڈز یا منظور شدہ مسلح والنٹیئر فورس رکھنی چاہیئے۔ مسلم نیشنل گارڈ، راشٹریہ سیوک سوئم سنگھ، اکالی والنٹیئرس اور ایسی دوسری انجمنوں کی پرائیوٹ فوجوں کو وجود میں لانے کی کارروائیوں کو دیس کی آزادی کے لئے خطرناک سمجھنا چاہئے اس لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی ایسی تمام انجمنوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ایسی کارروائیوں کو بند کر دیں۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی مرکزی اور صوبجاتی سرکاروں سے بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ اس معاملے میں ضروری قدم اُٹھائے

پانچویں تجویز میں ریاستوں کے بارے میں کہا گیا:-

اس واقعے کے پیش نظر کہ متعدد ریاستوں میں جنتا کی انجمنیں دیس کے آزاد ہونے کے بعد بجائے ترقی کرنے کے دبائی جا رہی ہیں۔ اور مزید برآں اس واقعے کے پیش نظر کہ پنجاب راجپوتانہ اور سنٹرل انڈیا کے راجوں، نوابوں نے دیس کے مفاد کے خلاف رویہ اختیار کر رکھا ہے اور وہ ہندو مسلم آبادی کو غیر آئینی ذرائع سے ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ کانگریس ایک بار پھر ریاستوں کے بارے میں اپنی پالیسی واضح کر دے۔ ڈومینیوں میں ریاستوں کی شمولیت اور برطانوی

بالادستی ختم ہونے کا قانونی مطلب خواہ کچھ ہو مگر ہندوستان کی آزادی کا اخلاقی نتیجہ بلاشبہ یہ ہے کہ ریاستوں میں پرجا راج قائم ہونا چاہیئے ، اور راجوں ، جاگیرداروں ، نوابوں کا وجود جو جنتا کے مفاد کے خلاف ہو ختم ہونا چاہیئے ، کانگریس پرجا راج ہی کی حمایت کرے گی ۔ اس قسم کے تمام مفاد کے لوگ خاص کر راجے ، نوابوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کانگریس اس وقت تک ان کی حمایت نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ جنتا کی آواز کو سب سے بڑا قانون نہ مانیں ۔ اس قسم کی جمہوری حکومت میں کوئی ایسا شخص جنتا کی مرضی کے خلاف نہیں چل سکتا خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو ۔ اس کے لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی امید کرتی ہے والیان ریاست زمانے کی رفتار کے پیش نظر اپنی پرجا سے تعاون کریں گے اور جن والیان ریاست نے اس کے برعکس قدم اٹھایا ہے وہ اپنا قدم واپس لیں گے اور اپنی ریاستوں میں پرجا راج قائم کریں گے ،،

(تیج دہلی ۔ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء)

وسط دسمبر ۱۹۴۷ء میں کراچی میں کل ہند مسلم لیگ کونسل کا جلسہ ہوا ۔ جس میں مسلم لیگ کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ۔ اخبار پیام حیدرآباد دکن نے کراچی کے اجلاس کی کارروائی کا متعلقہ حصہ یہاں نقل کرتا ہوں ۔

کل ہند مسلم لیگ کے مستقبل سے متعلقہ ریزولیوشن میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ کل ہند مسلم لیگ کی تنظیم کی بجائے مسلم لیگ کے دو علیحدہ علیحدہ ادارے تشکیل دیئے جائیں۔ ایک پاکستان کے اور دوسرا انڈین یونین کے لئے اس ریزولیوشن میں جس کی کونسل کے پانچ ممبروں نے مخالفت کی اس امر پر زور دیا گیا کہ پاکستان کے حصول اور ہندوستان کے براعظم کی دو خود مختار مملکتوں میں تقسیم کے بعد صرف ایک ادارہ دونوں مملکتوں کے مسلمانوں کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ ریزولیوشن مذکور میں مجوزہ دونوں مملکتوں کی کونسل کے لئے ممبروں کا تعین بھی کیا گیا۔ موجودہ کونسل نے پاکستان اور انڈیا یونین کی مسلم لیگی تنظیموں کے لئے دو کنوینر مقرر کئے ہیں، اور انہیں یہ ہدایت کی ہے کہ وہ قریبی تاریخوں ہی میں متعلقہ اداروں کا اجلاس طلب کریں۔

مسٹر لیاقت علی خاں اور مدراس کی صوبائی مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد اسمٰعیل علی الترتیب پاکستان اور انڈین یونین کی مسلم لیگ تنظیموں کے کنوینر مقرر ہوئے ہیں۔ پاکستانی مسلم لیگ کا اجلاس کراچی ہی میں طلب کیا جا رہا ہے۔ انڈیا یونین کی مسلم لیگ کا پہلا اجلاس مدراس میں ہوگا کونسل نے پاکستان کے مسلمانوں اور دوسرے وفادار شہریوں سے اپیل کی ہے کہ وہ نئی مملکت پاکستان کی تعمیر میں اپنی تمام تر توانائیوں سے اشتراک

عمل کریں۔ جو اپنے تمام شہریوں کو مساویانہ حقوق دے گی تاکہ وہ بہ عجلت ممکنہ دنیا کی اور قوموں میں اپنا شایانِ شان مقام حاصل کر سکے۔ ایک اور ریزولیوشن کے ذریعے کل ہند مسلم لیگ کونسل نے فرقہ داری فسادات کی مذمت کرتے ہوئے توقع ظاہر کی ہے کہ دونوں مملکتیں اپنی فرقے داریوں کے کامل احساس کے ساتھ باہمی گفت وشنید کے ذریعے اقلیتوں کے حقوق کا ایک ایسا منشور ترتیب دیں گی۔ جس کی بنار پر دونوں مملکتوں کی اقلیتوں کو اپنی عزت ناموس اور اپنی جان ومال کی سلامتی کا یقین حاصل ہو جائے گا۔ اس ریزولیوشن میں دونوں مملکتوں سے خواہش کی گئی ہے کہ وہ ان معاہدوں کی تکمیل و ترتیب کی طرف متوجہ ہوں جو دونوں قوموں کی ترقی اور آپس میں دوستانہ تعلقات کے قیام کے لئے ضروری ہیں۔

سیاسی اکھاڑے میں فرقہ وارانہ انجمنیں کتنی نقصان دہ ہوتی ہیں اس کا نتیجہ ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ امید ہے کہ مدراس کے جلسے میں جب مسلم لیگی اکابر جمع ہوں گے تو اس میں مسلم لیگ کو ختم کر کے مسلمانوں کانگرس میں شرکت کا مشورہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ یوپی مسلم لیگ کے صدر رضوان اللہ صاحب نے مولانا آزاد سے ایک گفتگو میں اس خواہش کا اظہار کیا ہے، ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی ایک غیر فرقہ وارانہ انجمن کی ضرورت ہے تاکہ وہاں کی اقلیتیں اکثریت کے ساتھ مل کر کام کرنے لگیں یہ بڑا اچھا

موقع تھا کہ مسلم لیگ کو تو پاکستانی مسلمانوں کے مذہبی اور تمدنی کاموں کے لئے مخصوص کر دیا جاتا اور پاکستان کے سب فرقوں کے لئے پاکستان نیشنل لیگ کی بنیاد ڈالی جاتی۔ اس سے اقلیت والی جماعتوں میں ٹھوس بنیادوں پر اعتماد پیدا ہونا شروع ہو جاتا۔ پنجاب کی تقسیم کے بعد پاکستانی علاقوں میں مسلمانوں کی اتنی بڑی اکثریت ہو گئی ہے کہ اب تو انھیں اقلیتوں کی طرف سے اندیشے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی موضوع پر مسٹر سہروردی نے ایک بیان میں کہا ہے:۔

"کل ہند مسلم لیگ کا جلسہ میرے ایما سے طلب کیا گیا تھا جس کا مقصد لیگ کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا تھا۔ جلسے میں واضح کر دیا گیا کہ دو حصوں کی لیگ کے مستقبل کا دار و مدار اس حصے کے ممبروں کے اختیار میں ہو گا۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان مسلم لیگ کے دروازے غیر مسلم کے لئے بھی کھول دئے جائیں گے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ جمہوریت نہیں فسطائیت ہو گی۔ یہ ضرور ہے کہ کچھ لوگ مسلم لیگ کو اپنی موجودہ شکل میں باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن کسی ایسی سیاسی جماعت کے لئے جو کسی ملک کی حکومت اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے دستور میں کوئی ایسی دفعہ نہ رکھے جس سے اس ملک کا ایک فرقہ اس سیاسی جماعت میں شریک ہی نہ ہو سکے۔ وہ لوگ مسلمانوں کی سالمیت کے نام پر عوام کو دھوکا دے کر اپنے

اقتدار کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے ۔ اگر مسلم لیگ نے اپنے دروازے غیر مسلموں کے لئے نہ کھولے تو اس سے ایک یہ بھی اثر پڑے گا کہ ہندوستان میں ہندو مہاسبھا کو یہ موقع ملے کہ وہ بحیثیت ایک سیاسی جماعت کے حکومت پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرے

اس طرح رجعت پسند عنصر کو کوئی تقویت پہنچانا ہندوستان کی مسلم آبادی کے لئے خطرناک ہوگا۔ مجھے پاکستان کی مسلم اکثریت سے امید ہے کہ وہ اس بات کو ضرور محسوس کرے گی اور نعروں سے متاثر نہ ہوگی۔ آخر پاکستان کے مسلمان یہاں کی غیر مسلم اقلیت سے کس بارے میں خوف رکھتے ہیں۔ مسٹر سہروردی نے کہا کہ کل ہند مسلم لیگ سے علیحدگی کے قبل میں نے یہ ضروری خیال کیا کہ میں اس بات پر زور دوں گا کہ اقلیت کے حقوق کے بارے میں دونوں حکومتوں کے درمیان کوئی سمجھوتا ہو جائے تاکہ دونوں جگہ کی اقلیتیں سکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ نیز دونوں حکومتوں کے درمیان اچھے تعلقات قائم ہو سکیں۔ خوش قسمتی سے پہلی قرارداد میں جو ترمیم پیش کی گئی ہے۔ اس میں اس مسئلے پر زور دیا گیا ہے اور پاکستانی حکومت سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ دونوں حکومتوں میں

سمجھوتے کی کوشش کرے

مسٹر سہروردی نے کہا کہ میں نے تیسری قرارداد کی مخالفت صرف اس لئے کی تھی کہ اس سے قبل کہ ہم الگ ہوں ہم کوئی اقدام اس بارے میں کریں

بہر حال دونوں حکومتوں میں سمجھوتے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں جانب اس کی حقیقی خواہش پائی جاتی ہو۔ میں اگرچہ حکومت ہند کی ترجمانی کا کوئی حق نہیں رکھتا ہوں لیکن پھر بھی جس حد تک معلوم کر سکا ہوں اس کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ لوگ جو حکومت کی پالیسی بناتے ہیں وہ اس کے ضرور خواہش مند ہیں کہ دونوں حکومتوں کے درمیان اچھے تعلقات قائم ہو جائیں اور اگر حکومت پاکستان نے قرارداد کے مطابق اپنا رویہ اختیار کیا اور اس کے لئے کوشش کی تو مجھے امید ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کے متعلق سمجھوتے میں کوئی خاص دقت نہ پیش آئے گی۔ میں یہ امید بغیر کسی وجہ کے نہیں رکھتا ہوں۔ لیکن اس موقع پر اس اظہار سے بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آتا

(قومی آواز لکھنؤ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۷ء)

اس قسم کا خیال سندھ کے مشہور خادم جی۔ ایم سید نے جنھوں نے اپنی ان تھک کوششوں سے سندھ کی مسلم لیگ کو

عروج پر پہنچایا، ظاہر کیا ہے:-

مسلم لیگ کو دو حصوں میں بانٹ دینے سے دونوں ڈومینوں کی اقلیتوں کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت کی باگ ڈور ایک فرقہ وارانہ جماعت کے ہاتھ میں رہنے سے اقلیت والا فرقہ حکومت کے انتظام میں حصہ لینے سے محروم رہے گا۔ اور وہ ہمیشہ اکثریت والے فرقے کے رحم و کرم پر ہوگا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ پاکستان سرکار جداگانہ انتخاب جاری رکھنا چاہتی ہے۔ جس سے اقلیت والا فرقہ اکثریت والے فرقے سے بالکل علیحدہ ہو جائے گا۔ مسٹر سید نے کہا کہ پچھمی پنجاب، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں کوئی ہندو یا سکھ نہیں ہے۔ صرف سندھ میں دس لاکھ ہندو رہ گئے ہیں۔ جو قدرتی طور پر اپنے گھروں میں ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ ماتحت رہیں گے۔ مسٹر سید نے کہا کہ حکومت ہند نے ملی جلی سنستھا بنانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اور چونکہ وہ ایک قوم کی تھیوری میں یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ جماعتوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔

مسٹر سید نے کہا کہ پاکستان میں ہندوؤں کی کوئی نمائندگی نہیں ہوگی۔ سندھ میں جو دس لاکھ ہندو رہ گئے ہیں وہ بھی پاکستان سرکار کی پالیسی کو فرقہ وارانہ تصور کر کے ہندوستان

میں چلے جائیں گے مسٹر سید نے آخر میں فرمایا کہ جب تک
پاکستان نیشنل لیگ قائم نہیں کی جاتی جس میں ذات پات کے
امتیاز کے بغیر ہر شخص کے شامل ہونے کی اجازت ہو اس وقت
تک دیش کے لئے کوئی حل نہیں نکل سکتا

(تیج دہلی - ۲۰ دسمبر ۱۹۴۷ء)

جو جماعت تیس سال تک کانگریس سے برسر پیکار رہی ہے اس سے ایک دم یہ مطالبہ کرنا کہ وہ ایک ریزولیوشن کے ذریعے کانگریس میں اپنی منتقلی کا اعلان کر دے۔ مناسب نہیں ہے۔ اصل چیز ہے دلوں کی تبدیلی اس کے لئے بہتر فضا پیدا کرنے کی ضرورت ہے، ہر سچے کانگرسی کا فرض ہے کہ وہ خوش دلی کے ساتھ مسلم لیگی بھائیوں کا خیر مقدم کرے پچھلی باتوں کو بھول جائے۔ خود سے آگے بڑھ کر گلے ملے کہ اس سے دل بھی فتح ہو جاتے ہیں۔ گاندھی جی نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اس بات کا انتظار کریں کہ کانگریس کی طرف سے ایسی فضا پیدا کی جاتی ہے یا نہیں۔ شام کی عبادتی تقریر میں ایک دن انھوں نے فرمایا :-

کانگریس صرف انسانیت کے مذہب میں یقین رکھتی ہے
یہ ایک غیر مذہبی سیاسی اور راشٹریہ سنستھا ہے جس میں
ہندو، سکھ، مسلمان، عیسائی، پارسی اور یہودی برابر ہیں۔
کیونکہ کانگریس اپنے اصولوں پر پوری طور پر قائم نہ رہ سکی
اس لئے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ یہ سورن ہندوؤں کی جماعت ہے

مسلمانوں کو اس وقت تک بالکل علیحدگی اختیار کرلنی چاہیے جب تک یہ کھچاؤ ختم نہیں ہو جاتا۔ جب کانگریس کو ان کی خدمات کی ضرورت ہو تو وہ کانگریس کے بن مٹیھن ورین اشنار وہ میری طرح رہیں کانگریس کے چار آنے کا ممبر نہ ہوتے ہوئے بھی کانگریس میں میرے اثر کا سبب یہ ہے کہ میں نے ۱۹۱۵ء سے وفاداری کے ساتھ کانگریس کی سیوا کی ہے۔ ابھی سے ہر ایک مسلمان کو ایسا ہی کرنا چاہیے، اور پھر وہ دیکھے گا کہ ان کی خدمات کا میری خدمت کی طرح اعتراف ہوتا ہے

آج ہر مسلمان لیگی سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اُسے کانگریس کا دشمن خیال کیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے لیگ نے یہی سبق پڑھایا ہے اب دشمنی کی کوئی وجہ نہیں۔ لیگ کے فرقہ وارانہ زہر سے آزاد ہونے کے لئے چار ماہ کا وقفہ بہت کم ہے۔ ہندو اور سکھ اس زہر کو امرت سمجھ کر ہندوستان کے مسلمانوں کے دشمن بن گئے اور ان سے بدلہ لینا شروع کر دیا جس سے ان کی عزت خراب ہو گئی۔

• لہٰذا میں مسلم اقلیت سے یہی کہوں گا کہ وہ زہریلے ماحول سے اونچے اٹھیں اور بغیر کسی بغض کے زندگی بسر کریں، اور یہ ثابت کر دیں کہ یونین میں باعزت طور سے رہنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ اپنے دل میں کسی بات کا خیال نہ رکھتے ہوئے پورے شہری بن جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلم لیگ سیاسی جماعت

کی طرح نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح ہندو سبھا، سکھ سبھا اور پارسی
سبھا بھی سیاسی جماعت نہیں رہ سکتیں۔ وہ صرف مذہبی سنستھاؤں
کی حیثیت سے رہ سکتی ہیں جن کا کام صرف مذہبی اصلاح کرنا اور
اپنے مذہب کی بہترین چیزوں کا پرچار کرنا ہوگا۔ پھر وہ زہریلے
ماحول کو صاف کرسکیں گی اور ایک دوسرے کے ساتھ برابر
چل سکیں گی۔ وہ ایک دوسرے کی ہمدرد بن جائیں گی، اور
حکومت کی مدد کریں گی۔ ان کی سیاسی خواہشات صرف کانگریس
کے ذریعے ہی پوری ہو سکتی ہیں۔ خواہ وہ کانگریس میں ہوں یا
نہ ہوں۔ اگر کانگریس صرف ان لوگوں کی طرف دھیان دے
گی جو اس میں شامل ہیں تو یہ ایک خود غرض جماعت بن جائے
گی۔ حالانکہ اس میں اب بھی کچھ اشخاص ایسے ہیں۔ لیکن اب
بھی یہ ایک ایسی جماعت ہے جس کا مقابلہ کوئی دیگر جماعت
نہیں کرسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام ہندوستان کی نمائندہ
جماعت ہے اور سرکار دشمن مرتبہ تک بھی سیوا کرنا ہے

(تیج ۲۵ر دسمبر ۱۹۴۷ء)

یوپی مسلم لیگ کے تین ممتاز رہنما مسٹر ظہیر الدین اری بیگم اعزاز رسول
اور مسٹر سہروردی گاندھی جی سے مشورہ کرنے کے لئے ان کے پاس آئے
تو انھوں نے وہی مشورہ دیا جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ اس کا ایک

ثبوت یہ بھی ملتا ہے کہ گاندھی جی ابھی سیاست سے الگ نہیں ہوئے ہیں۔ گاندھی جی کے اس مشورہ کو سامنے رکھ کر مسٹر لاری نے مسلمانوں کے غور کرنے کے لئے چند تجویزیں سامنے رکھی ہیں وہ لکھتے ہیں:-

پچھلے چند مہینوں میں حالت میں جو تبدیلی پیدا ہوئی ہے میں نے اس پر بڑے غور و خوض سے سوچ بچار کیا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں گاندھی جی سے ملاقات کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر سہروردی اور نواب محمد اسمٰعیل جیسے لیڈروں کے ساتھ بھی گفت و شنید کی

میں نے مسلمانوں کے جذبات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں میں چند ٹھوس نتائج پر پہنچا ہوں۔ جو میں رائے لینے کی غرض سے عوام کے سامنے رکھوں گا۔ یہ نتیجے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ فرقہ وارانہ لائینوں پر پارلیمنٹری سرگرمی نہ تو ممکن ہے۔ نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ ایک جمہوری سلطنت میں ہمیں غیر مذہبی نظریہ قائم کرنا چاہیئے، اور از سر نو تعمیر کے مسئلوں پر خالص قومی نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہیئے

۲۔ جب تک یہ ممکن نہیں کہ تمام مسلمانوں کے لئے بلا لحاظ اُن کی سابقہ پارٹیوں سے وابستگی کے مشترکہ پلیٹ فارم بن سکے۔ لیگ غیر پارلیمنٹری سرگرمیوں کے لئے اپنا وجود قائم رکھ سکتی ہے۔

۳۔ ہر ایک مسلمان اس بات کے لئے آزاد ہو کہ وہ اپنے نظریات

اور زاویہ نگاہ کے مطابق کسی پارلیمنٹری پارٹی میں شامل ہو
کسی خاص انجمن میں شامل ہونے کے لئے فرقہ وارانہ زاویہ نگاہ
سے فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک خاص نظریہ جو کسی سیاسی
پارٹی کا سرچشمہ ہے۔ لوگوں کے ایک گروہ میں پیدا نہیں کیا جا سکتا
اس کی پرورش کی جاتی ہے۔ ایسے مسلمان موجود ہیں جو کانگریس
میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ کئی ایسے ہیں جو سوشلسٹ پارٹی کو
ترجیح دیں گے۔ ایک ایسا گروہ بھی ہے جو کمیونزم کو دُکھیوں کا
صحیح محافظ تصور کرتا ہے۔ راؤں کی اس کشمکش کے پیش نظر
اوپر سے کوئی رائے عائد نہیں کی جانی چاہیئے۔ لیکن کسی نمائندہ
مجمع یا کسی فرد واحد کو اس امر کی آزادی ہے کہ وہ کسی خاص
جماعت میں شامل ہونے کی حمایت کرے

۴۔ یہاں پر بھی بات ختم نہیں ہو جاتی ہے کیونکہ مختلف اسمبلیوں
میں مسلم لیگ پارٹیاں کام کر رہی ہیں

میرا خیال ہے کہ ہر ایک صوبے میں پارٹی خود فیصلہ کرے
کہ آیا اسے باعزت طور پر کسی موجودہ سیاسی پارٹی میں شامل
ہو جانا چاہیئے یا اپنے دروازے غیر مسلمانوں پر بھی کھول کر
ایک یقینی ڈرتھک پروگرام لئے ہوئے انڈین نیشنل لیگ کے
نام سے کام چلانا چاہیئے

ان نتائج پر پہنچنے سے پہلے میں نے وہ مشورہ خاطر میں رکھا

جو مہاتما جی نے مسٹر سہروردی، بیگم اعزاز رسول اور مجھے دیا
جب ہم نے ایک وفد کی صورت میں ان سے ملاقات کی
یہ مشورہ گاندھی جی کے لفظوں میں حسب ذیل ہے :۔ مجھ
پر یہ بات صاف ہے کہ مسلمانوں کو مجموعی حیثیت میں اس وقت
تک کانگریس میں شامل نہ ہونا چاہیئے جب تک کھلے دل سے
ان کو دعوت نہ دی جائے، اور ان کا سواگت نہ کیا جائے
مجھے خدشہ ہے کہ یہ احساس ابھی تک موجود نہیں

. . . .

. . . . . ." میں نے اپنے دل میں اس بات کا
بھی خیال رکھا ہے کہ ہم نے برسر اقتدار پارٹی سے الگ رہ کر بھی
دیش سے وفادار رہنے کا پکا ارادہ کرلیا ہے۔ اور یہ کہ ہم
نے دیش میں رہنے اور یہاں سے ہجرت نہ کرنے اور شہریوں
کی حیثیت میں اپنے حقوق برقرار رکھنے کا بھی مصمم ارادہ
کرلیا ہے ۔میں اس بارے میں نکتہ چینی اور اظہار رائے
کا سواگت کروں گا۔ تاکہ ہم لیگ کونسل کے مدراس میں منعقد
ہونے والے آئندہ اجلاس میں اپنے رویے کے بارے میں آخری
فیصلہ کرسکیں۔ اس میٹنگ کو ہماری مستقبل کی پالیسی اور راہِ
عمل کے متعلق آخری فیصلہ کرنا چاہیئے"

(تیج دہلی۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۷ء)

مسٹر لاری نے جو کئی تجویزیں سامنے رکھی ہیں وہ اپنی جگہ درست ہیں لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کچھ مسلمان کمیونسٹ گروپ میں چلے گئے، اور کچھ سوشلسٹ گروپ میں اور کچھ کانگریس کے دائیں بازو میں تو کیا وقت کا تقاضا پورا ہوگا؟ سوشلسٹ گروپ نے تو اعلان کر دیا ہے کہ اس کی ممبری کے لئے کانگریس سے علیحدگی ضروری ہے کانگریس کے خلاف پہلے سے ہندوؤں اور سکھوں میں فرقہ پرست لوگ موجود تھے۔ حال کے فسادات میں ان لوگوں نے زور پکڑا۔ اگر اس وقت کانگریس کے ہاتھ مضبوط نہ کئے گئے تو ڈر ہے کہ کانگریس پر فرقہ پرست چھا جائیں۔ اس سے نہرو حکومت کو خطرہ ہو جائے گا، اور ایک ایسی پارٹی برسر اقتدار آئے گی جس کو ہٹانے کے لئے ایک عرصہ لگے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ مسلمان براہ راست کانگریس میں شرکت کریں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام کی رہنمائی کے لئے مسلمانوں کے رہنما خصوصاً مسلم لیگ کے رہنما اس موضوع پر اپنے خیالات ظاہر کریں۔ مسلم لیگ کی طرف سے اس کی ابتدا ہو تو گئی ہے مگر مدراس کے جلسے کے بعد غالباً اس مہم کا باقاعدہ آغاز کیا جائے گا۔ خدا کرے ایسا ہی ہو نیشنلسٹ انجمنوں کو پس و پیش کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے کہ وہ تو ابتدا ہی سے اپنے اس عقیدے کا اظہار کرتے چلے آئے ہیں چنانچہ لکھنؤ میں ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو مسلمانوں کی تاریخی کانفرنس ہوئی کانفرنس شروع ہونے سے پہلے مسلم لیگ کے رہنماؤں نے مولانا آزاد

کے سامنے اس خیال کا اظہار کیا کہ چونکہ مسلم لیگ کے جلسے کا اعلان کر دیا گیا ہے اس لئے بہتر ہی ہے کہ مسلم لیگی خیال کے رہنما اسی جلسے میں اپنی پالیسی کا اعلان کریں چنانچہ اس کانفرنس میں مسلم لیگ کے علاوہ باقی سب انجمنوں نے حصہ لیا۔ کانفرنس میں کم و بیش ایک لاکھ مسلمانوں نے حصہ لیا ہر صوبے کے نمائندے موجود تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کے صرف دو صوبوں مشرقی پنجاب اور دہلی کے علاوہ باقی صوبوں میں عام حالت ہے

کانفرنس میں دو دن کے مباحثے کے بعد جو مفید تجاویز منظور ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک تجویز میں فسادات کی مذمت کی گئی دوسری میں مہاتما گاندھی، جواہر لال۔ اور ان کے ساتھیوں کی ان کوششوں کو سراہا گیا جو یہ لوگ امن قائم رکھنے کے سلسلے میں کر رہے ہیں۔ تیسری تجویز میں ۲۱ اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی بنانے کے لئے کہا گیا جو ذیل کی دو تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک میں کام کرے گی۔

فرقہ وارانہ انجمنوں کے سلسلے میں .... ہندیونین کے مسلمانوں کی اس کانفرنس نے اُن خوفناک واقعات کا جائزہ لیا جو اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں ہوئے اور یہ کانفرنس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں ابتری و انتشار پیدا کرنے والی سوسائٹیوں

سے رجعت پسندانہ خیالات اور رجحانات دہشتناک طریقے پر نمود پکڑتے جا رہے ہیں۔ ان کو فرقہ پرستانہ اور غلط مذہبی نعروں کے ذریعے تقویت پہنچی ہے اور ماضی میں فرقہ پرست جماعتیں ملک کو خصوصاً ہندوستان کی اقلیتوں کو زبردست نقصان پہنچا چکی ہیں، اور ان کے مستقبل کے لئے اور بھی زیادہ بڑے خطرات لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اب وہ وقت آگیا ہے جبکہ ہر طبقہ اور ہر قسم کے سیاسی خیال کے مسلمان ایک متحدہ و متفقہ فیصلہ کریں۔ اور فرقہ دارانہ سیاست کو خیرباد کہہ دیں جن سے عوام الناس کے حقیقی مفاد کو کوئی فائدہ تو کیا پہنچا اور اقلیتوں کی حسب ضرورت حفاظت تو کیا ہوتی ان سے سماجی اور سیاسی رجعت پسندی کو تقویت پہنچی ہے اور غلط اور غیر حقیقی تقسیم کی حوصلہ افزائی ہو کر قومی زندگی کو نقصان پہنچتا ہے، اور مختلف فرقوں کے درمیان باہمی منافرت اور شکوک کی نشو و نما ہوتی ہے۔"

کانگریس میں شرکت کے بارے میں کہا گیا ہے:۔

اس کانفرنس نے بہت سوچ سمجھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ ہندیونین اور اس میں رہنے والے تمام فرقوں کے مفاد کا بہترین فائدہ اس مطمح نظر کا احساس کر کے ہی پہنچایا جا سکتا ہے، کہ ہندوستان میں ایک آزاد اور غیر مذہبی اسٹیٹ قائم ہو

اس لئے کانفرنس ہندوستان کے مسلمانوں سے یہ کہتی ہے کہ وہ صرف غیر فرقہ وارانہ سیاسی جماعتوں کے ممبر بنیں۔ اور انہیں مشورہ دیتی ہے کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہو جائیں جو ہماری آزادی اور اتحاد کی خاص علمبردار رہی اور جس نے سب فرقوں کے لوگوں کو برابر کے حقوق اور مواقع دینے کا عہد کیا ہو۔"

(تیج دہلی ۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۱ء)

لیکن محض کانگریس میں شرکت ہی سے کام نہیں چل سکتا جب تک کہ ذہن صاف نہ ہوں۔ پنڈت سندر لال نے "اب کیا ہو" کے عنوان سے ایک بیان میں جو کچھ فرمایا ہے اب موقع ہے کہ میں اسے یہاں درج کروں:۔

اب ہم کو مستقل علاج پر غور کرنا ہے اس کے لئے ہم کو پہلے اس امر کو سمجھنا چاہئے کہ ہمارا اصل مرض کیا ہے ہم کو پہلے ان اسباب کو سمجھنا چاہیے جن کی بدولت حالت اس قدر نازک ہو گئی ہے۔ موجودہ حالت پیدا کرنے میں دو چیزوں کا خاص ہاتھ ہے۔ پہلا تو یہ کہ ہم لوگوں کی ذہنیت ابتدا ہی کی فرقہ واری ذہنیت اور جرگہ واری کی ہے۔ زندگی کے ہر شعبے کو ہم اس نظریے سے دیکھتے ہیں، دوسری چیز بیرونی سیاستدانوں کی ترکیبیں ہیں جن کو ہم بیچ سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرقہ وارانہ ذہنیت

مثل زمین کے ہے جس میں بیج پھولتا پھلتا ہے جہاں ایک مرتبہ یہ بڑھنا شروع ہوا تو پھر چکر در چکر جن میں سے ہر دوسرا چکر پہلے سے بدتر ہوتا ہے، شروع ہو جاتے ہیں۔ فرقہ واری ذہنیت سے فساد کی ابتدا ہوتی ہے اور فساد سے فرقہ واری کی۔

سب سے پہلے ہم کو فرقہ واری مذہبی اور جرگہ داری کی نظر سے دیکھنے کے نظریے کو تبدیل کرنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیے، ہماری پیچھے دیکھنے کی عادت اور ہماری رجعت پسندی ہماری سب سے بڑی مصیبت ہے۔ یہ فرقہ داری کی ذہنیت توہمات کو بڑھاتی ہے اور عقلی اور اخلاقی پستی پیدا کرتی ہے۔ دو قوموں کی تھیوری بالکل غلط تھی۔ اس اصول کی بنیاد ہندوؤں کی چھوت چھات اور سنجیدگی پر تھی۔ ملک کی تقسیم کا مطالبہ خراب تھا لیکن پنجاب اور بنگال کے دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ اس سے بھی بدتر تھا، اگر پنجاب کے فسادات میں کوئی چیز بین طور پر چمک رہی ہے تو وہ یہ ہے کہ ہمارا نام نہاد مذہبی اور فرقہ واری کے ناموں کا کوئی اثر ہمارے کیرکٹر پر نہیں ہے

وہ بالکل ایک ہے۔ ہم کو اس تنگ نظری سے بالاتر ہونے کی ضرورت ہے۔ جہاں عوام کے لئے مذہبی عقیدوں اور مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لئے پوری پوری آزادی ہونی چاہیے اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ جو لوگ فرقہ واری کی تنگ

ذہنیت سے بالاتر ہو سکتے ہیں وہ اپنے طرز زندگی سے انسانیت کے اس مشترکہ مذہب کو ترقی دیں۔ جس کا مقصد محبت اور خلق خدا کی خدمت ہے۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ اشخاص محض سیاسی مسلم، سیاسی ہندو اور سیاسی سکھ ہیں۔ ہم کو اس مکاری اور دھوکہ بازی کو جلد از جلد ختم کر دینا چاہیئے۔ اس لئے کہ ملک کے عوام کے لیئے اس سے زیادہ مہلک کوئی اور چیز نہیں ہے

دوسری چیز یہ ہے کہ سیدھے سادے عوام کو منظم کرنے کی ضرورت ہی۔ میں یہ بات بھی بتا چکا ہوں کہ قوم کا مغز (جس میں ہندوؤں مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں، پارسیوں وغیرہ سب کو شامل کرتا ہوں) اب تک درست حالت میں ہے یہ سمجھنا، غلطی ہے کہ عوام میں فرقہ داری کا جذبہ خواص سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ تعلیم یافتہ خواص ہی تو ہیں جو توہمات کو ابھارتے ہیں اور فرقہ داری کو قائم رکھتے ہیں۔ ہم کو عوام کو اس طرح منظم کرنا چاہیئے کہ وہ نقصان پہنچانے والوں پر قابو پا سکیں۔

تیسری بات جو اہمیت میں کچھ کم نہیں ہے یہ ہے کہ ہم کو اپنی سیاست میں سے بیرونی عنصر کو جلد از جلد نکال دینا چاہیئے۔ اس غرض کے لئے ہم کو اپنے سیاسی اور اقتصادی طریقۂ کار کو بدلنا پڑے گا۔ اس میں زیادہ سمجھ، زیادہ اخلاق

زیادہ جمہوریت پسندی اور خود اپنے اوپر بھروسا کرنے کی عادت پیدا کرنی ہوگی

آخر میں ہم کو ہندو اور مسلم راجوں اور نوابوں کے پرانے نظام کو اس ملک سے ختم کرنا ہے۔ اس میں خود ان کا بھی فائدہ ہے، اور تمام ملک کا فائدہ ہے۔ اب عین وقت ہے کہ ہمارے راجہ اور نواب اس بات کو سمجھ لیں

مجھے یہاں ان بدنما ناپاک اور قوم کو مٹانے والی کارروائی کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں جو اس مصیبت کے زمانے میں پٹیالہ، فریدکوٹ، الور، بھرت پور، کپور تھلہ اور بھاولپور نے کی ہیں

انسانی عوام کا ترقی یافتہ طبقہ سیاسی جمہوریت سے گذر کر اقتصادی جمہوریت کے درجے میں پہنچ چکا ہے۔ شاید ہندوستان ہی کی قسمت میں ہے کہ وہ انسانیت کو اقتصادی جمہوریت سے روحانی جمہوریت کے طبقے میں پہنچانے میں رہبری کرے۔ فی الحال ہمارا نصب العین یہ ہی ہے کہ مغربی سوشلزم کو اور تمام عالم کے مشترکہ مذہب یعنی انسانی خدمت کو ملا کر ایک کر دیں۔ ہماری موجودہ عام تکالیف مصیبتیں، پریشانیاں اسی سفر کی تیاری ہیں۔ جس میں خدا کو منظور ہے تو ہم کامیاب ہوں گے

جذبات اور بڑھتے ہیں اور یہ سلسلہ لا متناہی ہو جاتا ہے۔ بیرونی حکومت نے ہمیں اس حال کو پہنچا دیا ہے اور جو حالت ہماری اب ہو گئی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا دارومدار بیرونی حکومتوں پر اور زیادہ ہو گیا ہے۔ موجودہ حالات کی بدولت جو سیاسی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کے متعلق میں اس وقت زیادہ نہیں کہنا چاہتا ہوں صرف یہ کہنا کافی ہو گا کہ ابھی بے سکھستان، جاٹستان اور نہ معلوم کس کس استان کے خیالات شروع ہو گئے ہیں اب تو یہ اندیشہ ہے کہ اگر خدا نخواستہ ان دونوں حکومتوں کے درمیان جنگ شروع ہو جاتی ہے تو ہر دو حکومتوں کو دنیا کی دو زبردست طاقتوں جن کا شیوہ ہمیشہ دوسروں سے ناجائز مفاد حاصل کرنے کا رہا ہے۔ ان میں سے کسی نہ کسی طرح سے امداد کا طلب گار ہونا پڑے گا۔ یعنی خواہ انگلستان سے یا امریکہ سے۔ تاکہ ان سے ہوائی جہاز اور نئی قسم کا سامان جنگ حاصل کیا جا سکے تو اب ہم کو کیا کرنا چاہیے!

(قومی آواز لکھنؤ۔ ۳۰ رنومبر ۱۹۴۸ء)

اب میں آخر میں مولانا کی وہ صدارتی تقریر درج کرتا ہوں جو آپ نے لکھنؤ کی تاریخی کانفرنس میں کی تھی

مولانا آزاد کی تقریر لکھنؤ کانفرنس میں

حضرات! مجھے اس وقت کچھ باتیں آپ سے کہنی ہیں۔ میں کھڑا ہو گیا ہوں لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ کہانی شروع کروں تو کہاں سے شروع کروں گے

سر رشتہ نہ دانم زکجا بخشایم

پچھلے آٹھ مہینے کے اندر آپ کو معلوم ہے کہ کس تیزی کے ساتھ ایک کے بعد ایک واقعات رونما ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کڑی اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ کسی ایک کو الگ کر کے پوری زنجیر نہیں بنا سکتے

اس آٹھ مہینے کے اندر جو کچھ ہوا ہے اُسے سمجھنے کے لئے ہمیں پچھلے دس برس کے واقعات کی سُراغ رسانی کرنی پڑتی ہے واقعات کی اس رفتار پر جو پچھلے دس برس کے اندر بن چکی ہے غور لیا جائے تو اس کے سوائے چارہ نہیں کہ پچھلی رنجشیں اور تلخیاں ابھی اُبھریں!

میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ کسی کو ملامت کروں۔ اس کا دور گزر چکا ہے۔ اسے پسند نہ کروں گا کہ کسی دوست کی زبان اس کے لئے کھلے۔ اور اگر ملامت کریں تو کس کی ملامت کریں اپنے عزیزوں کو ملامت کریں۔ نہیں ہم کو پچھلی تلخیاں بھلا دینی چاہئیں اور صاف اور

بنیادماغ ہے کہ وقت کا تقاضا پورا کرنا چاہیئے۔ سیاہی سوکھ چکی اور قلم کو جو لکھنا تھا لکھ چکا

اب ان حالات میں ہمیں کون سا رُخ اختیار کرنا چاہیئے جو مسلمانوں کے لئے اور ملک کے لئے صحیح راستہ ہوسکتا ہے۔ میرے پاس اس کا کوئی نیا جواب نہیں۔ اگر یہ گتھی میرے ناخنوں کو چھوتی ہے کہ میں اسے سلجھاؤں تو میرے پاس کوئی نیا حل نہیں۔ میرے پاس پرانا حل ہے جو تیس بلکہ چالیس سال سے آپ کے سامنے رکھتا رہا۔ ایسے ہزاروں بلکہ لاکھوں اشخاص موجود ہیں جو میرے ساتھ تھے اور ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک میں بہت سے لوگ میرے ساتھ نہیں تھے لیکن ان کو بدلے ہوئے حالات میں اپنا رویہ بدلنے میں کوئی ہرج نہیں۔

مولانا آزاد نے نومبر کے اس مشاورتی جلسے کا ذکر کرتے ہوئے جو دہلی میں ہوا تھا کہا کہ پچھلے دنوں میرا ارادہ نہیں تھا کہ کوئی جلسہ بلایا جائے۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں موقعہ دینا چاہیئے کہ حالات خود کوئی رُخ اختیار کریں

لیکن میں نے دیکھا کہ ملک کے مختلف حصوں سے میرے اوپر خطوں اور تاروں کی بارش ہونے لگی۔ یہ درخواستیں جو برستی رہیں اس میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جن کا تعلق مسلم لیگ سے ہے پھر دہلی میں کچھ لوگ آئے۔ انھوں نے کہا کہ تم کو رہنمائی کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ بہتر ہوگا کہ کوئی موقعہ ایسا پیدا کیا جائے جس میں ملک کے مختلف

حصوں کے نمائندے اکٹھا کئے جائیں۔ عید کے بعد ارادہ تھا کہ ایسا
جلسہ طلب کیا جائے لیکن بدقسمتی سے دہلی کی ہوا بگڑ گئی اور بات ٹل
گئی۔ تھوڑے دنوں بعد پھر تقاضے شروع ہوئے اور آخر میں نے سوچا
کہ آخر جس چیز کو میں اور ہمارے ساتھی درست سمجھتے تھے اُسے ملک کے
سامنے رکھ دیں۔ کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو ہم دماغ پیدا نہیں کر سکیں گے۔
ہم کسی کے دل کو بدل نہیں سکتے۔ کوئی دل یا دماغ نہیں بنا سکتے
بلکہ ہم جو چیز صحیح سمجھتے ہیں اُسے مسلمانوں کے سامنے رکھ دیں۔ مسلمانوں
کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے اس سے زیادہ ضروری چیز ملک کے
لئے کوئی نہیں ہے۔ جہاں تک ملک کی سیاسی زندگی کا تعلق ہے،
فرقہ پرستی کو مذہب کے نام پر ہمیشہ کے لئے دفن کرنا چاہئے اس کے
سوا میرے پاس کوئی مشورہ نہیں

اس پر آپ کو توجہ کرنا چاہئے کہ لیگ نے ملک کے سامنے ایک
مقصد رکھا وہ صحیح غلط اس جھگڑے میں نہ پڑئیے۔ میں تو اس کو آج بھی
غلط سمجھتا ہوں لیکن جب تک ملک میں برطانی حکومت تھی ہمارے لئے کوئی
فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن جب برطانی حکومت یہاں سے ہٹنے والی
تھی؛ اس وقت کوئی تاخیر ممکن نہ تھی۔

پہلے برطانی کابینی وفد آیا تھا کہ یہاں کی سیاسی گتھی سلجھائے
کانگریس نے مجھے بھی گتھی سلجھانے کے کام میں حصہ لینے کو رکھا تھا۔ اس لئے
میں کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں اور ملک کی تمام اقلیتوں کے مفاد

کو دیکھتے ہوئے اس سے بہتر کوئی نقشہ نہیں بن سکتا تھا لیکن جن لوگوں کے
ہاتھوں میں مسلمانوں کی رہنمائی تھی انھوں نے اس کو ٹھکرا دیا اس کے بعد
یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا کیا جائے؟ اور جب برطانی حکومت نقشے سے
ہٹ گئی تو سوال پیدا ہوا کہ کیا کیا جائے؟ اب سوال یہ تھا کہ کیا کرنا
چاہیئے! ہم یہ محسوس کرتے تھے کہ ان بنیادوں پر ہندوستان کی تقسیم
صحیح نہیں۔ دوسری طرف یہ دیکھتے تھے کہ کسی نہ کسی شکل میں اس معاملے
کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اس کو اب زیادہ دنوں تک روکا نہیں جا سکتا
تھا

یہ معاملہ تو مارچ کے آخر میں آگیا تھا لیکن میں آپ کو بتلا دینا
چاہتا ہوں کہ میں نے اس کو ۱۴ مارچ تک چلانا چاہا۔ اس وقت میں
شملہ میں تھا اور لارڈ ماونٹ بیٹن نقشے کو لے کر ۱۴ مئی کو انگلینڈ جا رہے
تھے۔ مجھے تار دیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے جو نقشہ ہم نے برطانی کابینہ
کی موجودگی میں بنایا تھا وہی بہترین تھا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تمام حالات
کو دیکھتے ہوئے ان سے بہتر سے بہتر بھی نقشہ بنایا جا سکتا تھا؟ اور دوسری
طرح ان دشواریوں کا حل بھی نہیں نکل سکتا تھا؟ اس کے علاوہ کوئی
دوسرا نقشہ نہیں ہو سکتا۔ حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ کوئی نہ کوئی
حل نکالنا ضروری تھا۔ میرے ساتھی بھی اسے محسوس کرتے تھے۔ سر جون
کو اس کا اعلان ہوا وہ چیز اچھی تھی یا بری، صحیح تھی یا غلط، کانگریس
نے اتفاق کیا، اور فیصلہ ہو گیا۔ صرف بات محسوس ہوئی کہ یہ کاغذ کا فیصلہ

ذر ہے بلکہ اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔

لیگ ایک خاص مقصد کے حاصل کرنے کے لئے تھی وہ چیز حاصل ہوگئی۔ لیکن اب اس کے حاصل ہو جانے کے بعد لیگ کے باقی رہنے کا سوال باقی نہیں رہتا۔ انڈین یونین کے اصولوں میں اس کی کوئی جگہ نہیں رہی۔ اگر رہی ہے تو مضرت کی رہی ہے، تباہی کی رہی ہے۔

دہلی میں ۱۵ اگست کے بعد لیگ کے بعض ذمے دار حضرات نے مجھ سے دہلی میں کہا تھا کہ انھوں نے بھی محسوس کر لیا ہے کہ لیگ کا وہ ڈھنگ اور پالیسی نہیں رہنی چاہیے جو کل تک تھی، لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا بہتر طریقہ تب ہی ہو سکے گا جب لیگ کی لیڈر شپ بدلی جائے انھوں نے کہا کہ یہ کام تم اپنے ہاتھ میں لو۔ لیکن میں نے ان سے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ چیز بالکل غلط ہے سوال یہ ہے کہ ملک میں ایک جماعت موجود ہے اس کا خمیر فرقہ پرستی سے بنا ہے۔ اس کے علاوہ دس برس کے اندر اس کی ایک خاص زندگی بن چکی ہے جس کو آپ الگ نہیں کر سکتے اب لیڈر شپ بدلنے سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے! انجمن وہی موجود ہے اس کا وہی خمیر ہے وہی پچھلی تاریخ ہے۔ وہی پہلی روائتیں ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ اس طرح کی لیپ پوت کر کے ملک کی ہوا پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتے

میں اس سے اتفاق نہیں کروں گا۔ میں اس سلسلے میں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔ آپ خود مسلم لیگ کا جلسہ بلائیے اور اس کے

سامنے اس بات کو صاف الفاظ میں رکھیے کہ اب مسلم لیگ کی ضرورت نہیں اس کو ختم کیا جائے۔ ایک صاف بات کو اس طرح پیش کرنے میں پس و پیش کیوں کیا جائے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ کیا فرقہ وارانہ انجمنوں کو باقی رکھنا چاہیے یا نہیں؟ میرے نزدیک ایسی انجمنوں سے زیادہ مہلک کوئی چیز نہیں آپ کا پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ اسے صاف کردیں کہ آپ کوئی مسلم مجلس کوئی ایسا سسٹم نظام برقرار نہ رکھیں گے جو سیاسی میدان میں فرقہ بندی کی بنیاد پر کام کرے۔ البتہ آپ کو آزادی ہے کہ تعلیمی اور تمدنی مقاصد کے لیے اپنی انجمنوں کو برقرار رکھیں۔ ان بنیادوں پر کسی قسم کی انجمنیں قابل اعتراض نہیں بلکہ ضروری ہیں۔ مذہبی تعلیم اور تمدنی مفاد کی نگہداشت کے لئے انجمنیں ضرور بننا چاہئیں۔ لیکن جہاں تک سیاسی میدان کا تعلق ہے اس میں فرقہ بندی کی بنیاد پر ہندو مسلم سکھ نظام ہونے چاہئیں یا نہیں۔ اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے لیکن اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ ملک کے لیے زہر قاتل ہیں تو صاف صاف فیصلہ کیجیے کہ مسلمان کوئی سیاسی نظام برقرار رکھنا نہیں چاہتے

چنانچہ میں نے اس موقع پر بھی یہی مشورہ دیا تھا اور یہی مشورہ اس وقت بھی دے رہا ہوں۔ یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت سوال یہ ہے کہ فرقہ وارانہ انجمنوں کا وجود باقی رہے یا نہیں اگر آپ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ایسی انجمن نہیں ہونا چاہیے اور کہہ دیا کہ مسلم لیگ کو ختم کردو تو آپ کا کام ختم ہوگیا۔ آپ کی جمعیتہ العلماء ایک مقتدر جماعت ہے وہ دینی امور کی نگراں ہے

لیکن وہ سیاست کو بھی اپنے ہاتھ میں نہیں رکھ سکتی۔ اس جمعیۃ نے باوجود مخالفتوں کے سیاسی میدان میں رہنمائی کی دوسری انجمنیں بھی تھیں۔ جو سیاست میں مسلم لیگ کے ساتھ نہ تھیں وہ بھی اپنا کام کرتی رہیں۔ اب ان سب انجمنوں کو ختم کر دیا جائے۔

سب سے بڑی رکاوٹ فرقہ پرستی ہے۔ کسی ایک گوشے کی فرقہ پرستی پر نہیں، ایک جماعت کی نہیں بلکہ سب کی فرقہ پرستی پر ذمہ داری ہے جس طرح ان بربادیوں میں جو ۱۵ اگست کے بعد ہوئیں ہر جماعت اور ہر فرقے کے خون کا دھبہ ہے۔ مسلمانوں کا ہاتھ خون سے رنگا ہے۔ سکھوں کا ہاتھ رنگا ہے۔ ہندوؤں کا ہاتھ رنگا ہوا ہے۔ جہاں تک فرقہ پرستی کا تعلق ہے وہ کسی ایک ہی راستے سے نہیں آئی ہے۔ ہم ایمانداری کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ سب دروازے بند ہونے چاہئیں۔ ہم آزادی کا جو خواب دیکھ رہے ہیں اگر اس کو برباد نہیں کرنا چاہتے تو ہمارا یہ فرض ہے کہ جن دروازوں سے فرقہ پرستی آئی ہے ان کو بند کر دیں۔ ۱۵ اگست سے پہلے جو چیز میرے نزدیک صحیح تھی وہ آج تو آپ کے نزدیک صحیح ہونا چاہیئے، اور اگر آپ آج اس کو صحیح نہیں دیکھتے تو آپ مسلمانوں کی اصلاح حال نہیں کرنا چاہتے۔ فرقہ پرستی کے روگ سے مسلمانوں کو بچائیں جو مسلمان اور جو جماعت ایک ایک دن بھی اس میں تاخیر کرتی ہے تو وہ ملک کی بربادی کی ایک اینٹ رکھتی ہے۔ اور لوگ ملک کی بربادی کی جو دیوار بنانا چاہتے ہیں اس میں اینٹ لگاتی ہے

یہ میری آنکھوں کی دیکھی ہوئی چیز ہے۔ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ اگر آپ ہونٹوں کو بند نہیں کرنا چاہتے تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کوئی خطرناک چیز نہیں۔ فرقہ پرستی کے سب دروازے بند ہونے چاہئیں۔ دلی میں جو مشاورتی جلسہ ہوا۔ اس میں یہ طے ہوا کہ مسلمان نمائندوں کا ایک جلسہ بلایا جائے اور اس میں یہ طے کیا جائے۔ میں یہاں ایک بات اور بتلا دوں کہ ۱۵ اگست کے بعد دوسری جماعتوں کے نمائندوں کے علاوہ مجھ سے مسلم لیگ کے نمائندے بھی ملے

اگر آپ یہ فیصلہ کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ فرقہ داری پسند نہیں کرتے خواہ وہ تار سے توڑنے والی انجمن ہی کیوں نہ ہو۔ وقت کے سوال کی اصلی چیز یہی ہے اس سے آپ کا بنیادی کام پورا ہو جاتا ہے۔ اور یہ چیز اپنی جگہ مکمل ہے فرقہ وارانہ سیاسی انجمن ختم ہونا چاہیے، اور آئندہ ایسی کوئی انجمن نہ ہونا چاہیے'

آئندہ مسلمان کیا کریں؟ کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ وہ ایک سیاسی انجمن میں شریک ہو سکتے ہیں جس میں کوئی تفریق نہ ہو۔ اس کا ایک سیاسی مقصد ہو۔ ہندو مسلمان، عیسائی سب اس میں شریک ہو سکتے ہوں، تب آپ کا بنیادی کام پورا ہو گیا۔ آپ کسی انجمن میں جائیں۔ لیکن وہ انجمن سیاسی اور غیر فرقہ وارانہ ہو۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ صرف ایسی انجمن میں شریک ہو کر ذمے داری ختم نہیں ہو جاتی۔ اس کی یہ مانگ باقی رہتی ہے کہ اگر آپ مشورہ دے سکتے ہیں تو مشورہ کیا ہو۔ اس کے بارے

میں کوئی نیا مشورہ نہیں دے سکتا۔ وہ کوئی نیا مشورہ نہیں ہے۔ ملک میں جو ترقی پسند جماعت ہے اس میں کانگریس صرف ایک ایسی جماعت ہے جس میں مسلمان شریک ہو سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک مسلمان جو کل تک مسلم لیگ میں تھا۔ مسلم لیگ کے ختم ہو جانے کے بعد کسی دوسری غیر فرقہ پرست جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اصل چیز فرقہ پرستی کو سیاست کے میدان سے ہٹا دینا ہے۔ لیکن آپ کو یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ آج کل یا پرسوں فیصلہ کیجئے لیکن فیصلہ کر دینے سے کام پورا نہیں ہوگا۔ آپ نے فیصلہ کیا اور بستر پر جا کر لیٹ گئے، تو فیصلہ تو ہو گیا لیکن ملک میں آب و ہوا نہیں بدلی۔ اب آپ کو چاہئے کہ ایک نئی آب و ہوا پیدا کریں۔ آپ کو ایک کمیٹی بنانا چاہئے لیکن وہ غیر فرقہ پرستی پر بنی ہو۔ غیر فرقہ پرستی کے متعلق یہ کمیٹی پروپیگنڈا کرے۔ ملک میں اس کی آب و ہوا پیدا کرے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو ملک کی خدمت کریں گے

میرے نزدیک صحیح مشورہ یہی ہو سکتا ہے کہ ملک میں جو غیر فرقہ وارانہ سیاسی جماعت ہو سکتی ہے وہ کانگریس ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس مشورے کے دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر مسلمان اس سے پہلے مسلم لیگ میں تھا اس کو صرف کانگریس میں شریک کر لینا چاہئے اسے سب سے زیادہ ترقی پسند اور غیر فرقہ وارانہ جماعت میں شرکت کرنی چاہئے اور میرے نزدیک یہ جماعت کانگریس ہے۔